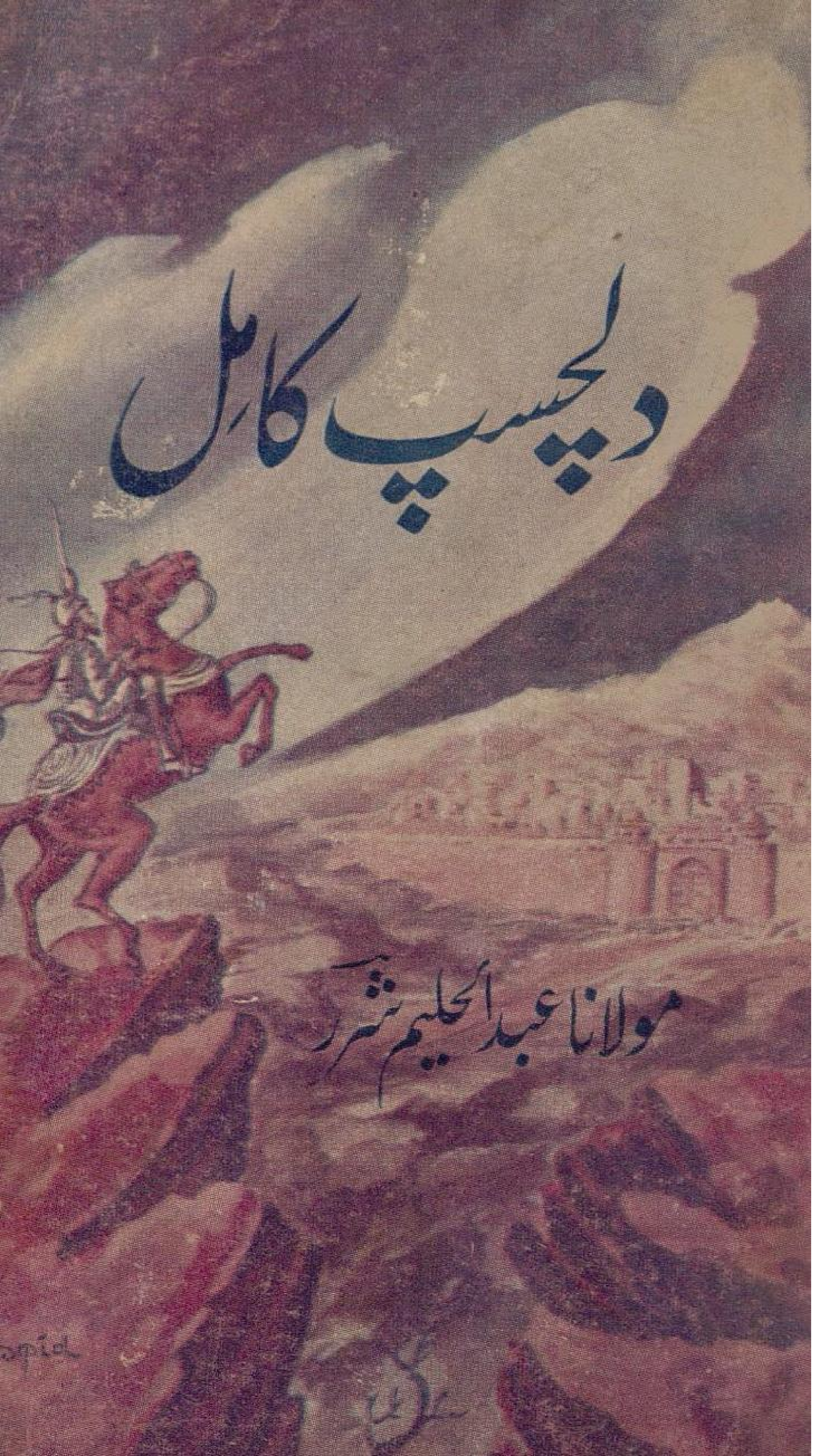

دلچسپ کامل
مولانا عبدالحلیم شرر

سلسلہ مطبوعات نمبر ۹

دلچسپ کامل

مصنفہ

مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

قیمت ____________

شیخ نیاز احمد پبلشر نے تعلیمی پریس سرکلر روڈ لاہور سے طبع کراکر

کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا

پہلا باب

ایں یہ کون شخص آ رہا ہے، کیا میرے پاس آتا ہے؟ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس سے کبھی کی جان پہچان ہو۔ میری نگاہ تو نہیں غلطی کرتی (آنکھیں خوب مل کر غور کر کے) "نہیں نگاہ کی غلطی نہیں ہے، دیکھو نا" گاڑی پھاٹک کے پاس آہستہ چلنے لگی۔ (خوب آنکھیں پھاڑ کر) "بے شک میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔"

پھاٹک پر گاڑی رُکی۔ کوچ مین نے گاڑی کی ایک جانب جُھک کر اور کھڑکی کے پاس سر پہنچا کر اتنی آواز سے جو کوٹھی کے اندر صاف صاف نہیں پہنچ سکتی تھی۔ پوچھا "اسی کوٹھی میں؟" جواب ایسی نیچی آواز میں دیا گیا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر غالباً کوٹھی کے اندر جانے کی اجازت دی گئی ہوگی۔ کیونکہ کوچ مین نے سر بلند کر کے برابر بیٹھتے ہی گاڑی پھاٹک ہی کی طرف موڑی۔

یہ کوٹھی جمنا کے کنارے دہلی سے کئی میل کے فاصلے پر تھی۔ کوٹھی

کے نیچے ایک جانب جمنا بہہ رہی تھی۔ اور باقی تین طرف تقریباً سو سو گز کے فاصلے تک ایک خوشنما آئین باغ میں چلا گیا ہے۔ جس کے گرد لوہے کی چپٹی سلاخوں اور تاروں کے کٹہرے سے حد بندی کی گئی تھی۔ کوٹھی کے سامنے کے رُخ پر لوہے کی گول نوک دار سلاخوں کا پھاٹک تھا۔ جس کے بیچ میں عرشا لوہے کی سادی اور خوشنما بیل بنی ہوئی تھی۔ پھاٹک کی سلاخیں ایسی مسلسل طور پر ایک دوسری سے چھوٹی بنائی گئی تھیں۔ کہ اُن کے ترتیب وار لگائے جانے سے اوپر کی جانب پھاٹک کے دونوں پہلو نہایت خوبصورتی کے ساتھ گاؤدم نظر آتے تھے۔ اس پھاٹک کے نیچے ہو کر صرف سامنے ہی کی جانب کٹہرے کے برابر برابر ایک چوڑی سڑک گئی ہوئی تھی۔ جو میونسپلٹی کی غفلت کے باعث اکثر جگہ سے ناہموار تھی۔ یہ سڑک پیادہ چلنے والوں کو شہتوت کے سائے میں دہلی تک پہنچا سکتی تھی۔

کوٹھی اپنی وضع سے بتا رہی تھی۔ کہ اس میں یورپین جنٹلمین رہتا ہے جس نے اپنے مذاق کے موافق اس کو ہر طرف سے ہوادار بنایا ہے کوٹھی کی وضع زبانِ حال سے جس امر کی طرف اشارہ کر رہی تھی باغ کی پُر فضا حالت بھی اس کی ہم زبان تھی۔ سُرخی کٹی ہوئی خوشنما روشیں جو باغ میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ اُن کے ذریعے سے باغ کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جدا کئے گئے تھے۔ مگر صرف اُن راستوں پر ہی اکتفا نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ ہر چمن کے گرد سبزے کا ہرا بھرا

نظر فریب حاشیہ بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔ چونکہ یہ باغ ہندوستان میں تھا لہذا اگر ایشیائی مذاق کی تشبیہہ دینے کی جرأت کرکے ہم کہیں کہ ان سُرخ سُرخ مہ وشوں کے لب پر سبزہ ہونے سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسا کہ سبزۂ آغاز عاشق تن بے خودی میں مذہبی غسل کرکے جمنا سے نکلنے والیوں کی سیندر بھری مانگ کے بوسے لے رہا ہے تو مناسب نہ ہوگا۔ درخت عموماً خوش نما رنگ کے پھولوں کے تھے۔ لہنے والے کا یورپین مذاق اس بات سے زیادہ تر ثابت ہوتا تھا کہ باغ میں اکثر وہی درخت نظر پڑتے تھے جن کے پھولوں کی عمدگی صرف آنکھوں کے ذریعے سے دماغ میں پہنچتی ہے۔ قوتِ شامہ کو کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں بیلے اور چنبیلی کے درخت باغ کے ایک کونے میں اپنی پریشان صورت سے اس امر کا اندازہ کرا رہے تھے، کہ ہندوستان کے بدنصیب اگلے مذاق کی جانب نہ ماننے کی کس قدر کم توجہ ہے۔ جا بجا بعض نازک اور نگاہ میں کھُپ جانے والے پھولوں کے ناخدے رکھے ہوئے تھے۔ سب طرح سے باغ کے عمدہ اور پُر فضا بن جانے کے علاوہ یہ امر اس رونق کو بے انتہا ترقی دے رہا تھا، کہ وہ جمنا کے کنارے پر واقع تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے مستانہ ادائی کے ساتھ صاف اور چمکتے پانی کی موجوں میں اُلجھتے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے آنے کے باعث ایسے آہستہ رو ہو جاتے تھے کہ جوانانِ چمن تو کیاریوں پر ٹہلنے والوں تک کے چہروں پر

ان کی سنک پاتے ہی تازگی آجاتی تھی۔ موسم بھی مناسب تھا۔ عروس بہار جوانان چمن کی مہمان تھی۔ سبزہ رنگانِ باغ کے جوبن اُبلے پڑے تھے۔ بہرحال موجودہ صورت پر رہنے کی حالت میں باغ کے لئے اس سے زیادہ پُر فضا ہونے کی بہت کم اُمید کی جا سکتی تھی۔

کوٹھی کے کھلے ہوئے دروازے خوشگوار ہوا کو کبھی جمنا سے باغ میں آنے، اور کبھی باغ سے جمنا میں جانے کا راستہ دیا کرتے تھے یہ ایک متوسط درجے کی ایک منزلی کوٹھی تھی۔ جس کی کرسی بلندی کے باعث نسیم سحر کو اس حوصلے کے موافق اونچے جھونکوں کے ساتھ چلنے کا موقع دیتی تھی۔ علاوہ خوبصورت برآمدے کے جو چاروں طرف نکلا ہوا تھا، بیچ میں ایک بڑا ہال تھا۔ جس میں اندازاً چاروں طرف ایک مربع حلقے میں ساٹھ ستر کرسیاں بچھ سکتی تھیں۔ پورے کمرے بھر کی بڑی شطرنجی پر ایک لمبی نصف کمرے کی برابر میز بیچ میں بچھی ہوئی تھی۔ جس کے گرد انیس بیس کرسیاں تھیں۔ میز کے پیچھے ایک جانب بنی ہوئی دو ٹوکریاں رکھی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک میں وہ خطوط ڈال دیئے جاتے تھے، جو پڑھ چکے جانے کے بعد بیکار ہوتے ہیں۔ اور ایک میں عام پھٹے اور سکڑے سمٹے کاغذ پریشان پڑے رہا کرتے تھے۔ دروازوں پر سرخ ریشمی انگریزی وضع کے پردے تھے، جو باندھے نہیں جاتے ہیں۔ بلکہ کسی بازو پر ہٹائے جانے سے سمٹ جاتے ہیں۔ دیواروں پر علاوہ عام چھوٹی بڑی بارہ تصویروں

کے چاروں طرف چار بڑی اور نہایت عمدہ نظر فریب اور دل رُبا تصویریں لگی ہوئی تھیں

اس درمیانی بڑے ہال کے دونوں پہلوؤں پر دو مستطیل کمرے تھے۔ ایک میں پلنگ تھا۔ دوسرے میں ایک متوسط درجے کی میز پر لمبا چوڑا آئینہ دیوار سے لگا ہوا تھا۔ اور اسکے برابر دو تین برش اور کنگھیاں وغیرہ تھیں۔ میز کے نزدیک ذرا تھوڑی دور ہٹ کر لکڑی کی الگنی تھی۔ جس پر کچھ انگریزی اور کچھ ہندوستانی کپڑے تھے چند ہندوستانی کپڑوں کے باعث اس الگنی کا تھوڑا حصّہ دیکھنے والے کو اس خیال میں جو باغ اور کوٹھی اور تمام فرنیچر کے دیکھنے والے کو اس خیال میں پیدا ہوتا تھا ضرور کوئی یوروپین اس میں رہتا ہے کسی قدر شک پیدا کرتا تھا۔ اور اس کمرے کے پاس ایک چھوٹا کمرہ تھا۔ جو غالباً غسل خانہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں غسل کے تمام ضروری سامانوں کے علاوہ پانی کے ایک ہی طرف بہہ جانے کے لئے زمین ایک محدود مقام تک ڈھالو بنا دی گئی تھی۔

کوٹھی کے قریب شاگرد پیشہ کے لئے چند پختہ مکانوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ نوکروں چاکروں کے رہنے کے علاوہ ان میں چار گھوڑے بندھے تھے۔ ایک سبز رنگ جوڑی تھی۔ اور ایک نہایت خوب صورت پورے قد کا سبزا گھوڑا تھا۔ اور ایک ران سواری کا عربی کمیت تھا گھوڑوں کے برابر تین گاڑیاں رہا کرتی تھیں جس میں ایک عمدہ ولایتی

فٹن تھی۔ اور ایک ملکی ٹم ٹم اور ایک بالکی گاڑی۔

یہ سوال ناظرین کو جلد جواب پانے کے واسطے بے صبر کر رہا ہوگا کہ اس کوٹھی میں کون رہتا تھا۔ اس سوال کا جواب ناظرین کے قیاس اور اُمید کے بالکل خلاف ہوگا۔ کیونکہ اس مکان میں کوئی یورپین نہیں رہتا تھا۔ ہندوستان کے اکثر معزز خاندان جن کی نسلیں برٹش گورنمنٹ کی ماتحتی میں پلیئں۔ زمانے نے اُن میں سے بہتوں میں ایسے جانشیں پیدا کر دیئے۔ جن کی سوشل حالت لوگوں کو معمولاً ایسے دھوکے دیا کرتی ہے۔ اس کوٹھی کا رہنے والا بھی ایک ایسے عالی مرتبہ اور نیک نام خاندان کی یادگار تھا۔ جو دہلی کے شہنشاہی دربار میں بھی اعلیٰ عزت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔

سَو ہی ڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں اس خاندان نے دو متضاد حالتیں دکھلا دیں۔

پہلا نمونہ ایران کی سوشل حالت پر بخوبی قیاس کر لیا جاسکتا ہے کیونکہ اس خاندان کو ایران سے ہندوستان میں آئے اسی قدر زمانہ گزرا تھا۔

دوسرا نمونہ ہم دکھا چکے ہیں۔ جیسے یورپ کی طرز معاشرت (گو وہاں کے رہنے والے تعصب کی بدولت اس بارے میں اپنے ملک تک سے بیزار ہو جائیں۔) عام نگاہوں کو دھوکا دیکر اپنے میں شریک کئے لیتی ہے۔ یہ معزز خاندان جسکی پچھلی نسل اس یوروپین مذاق کی کوٹھی میں

بسر کر رہی تھی۔ کسی زمانے میں اس وسعت کے ساتھ پھیلا تھا۔ کہ دنیا میں اس کے لئے بہت سی یادگاروں کی امید کی جا سکتی تھی لیکن اب سمٹتے سمٹتے ایسا محدود ہو گیا کہ اس خاندان کے زندہ رہنے کی امیدیں سب طرف سے کھینچ کر اکیلے فرخ کے ساتھ وابستہ ہو گئیں جو اس لبِ جمنا والی کوٹھی میں زندگی بسر کیا کرتا تھا۔

فرخ کا اس وقت چوبیس برس کا سن تھا۔ قدرت نے اگرچہ اُس کے بازوؤں کو کئی بھائیوں کے ذریعہ سے مضبوط کر دیا تھا۔ مگر مردود زمانے کے ہاتھوں ایک اس سے بڑا بھائی اس کے پیدا ہونے کے بیشتر ہی ۱۸۵۷ء کے غدر میں کسی حسرتناک موقعے پر ماں باپ سے جدا کر دیا گیا تھا۔ جس کا اب لوگوں کو خیال بھی نہیں رہا تھا۔ اور فرخ کو تو اُس کا نام بھی بخوبی یاد نہ تھا۔ لیکن اور دو بھائی موجود تھے۔ انہوں نے قوتِ بازو ہونا تو درکنار فرخ کی اس قدر فارغ البالی کو بھی نقصان پہنچا دیا۔ جو بغیر کسی بھائی کے اکیلے ہونے کی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ دونوں بالکل آوارہ تھے۔

فرخ نے عمدہ طور پہ انگریزی تعلیم پانے کی کوشش کی تھی۔ ایف اے کے امتحان تک کامیاب ہو چکا تھا، کہ اس کے باپ نے انتقال کیا۔ جس کے بیٹے کو دیکھ کر بیوہ ماں کے آنسو چھپتے تھے، وہ فرخ ہی تھا فرخ نے بہت ہی کچھ کوشش کی کہ اپنی تعلیم کو یہیں تک محدود نہ کرے مگر بھائیوں کی ناجائز دست درازیاں (جن کے سننے سے فرخ کی

عاقبت اندیش طبیعت اسے آئندہ کا افلاس یاد دلا کر اکثر خوف دلاتی رہتی تھی، آخر فرخ کو کالج سے ہمیشہ کے لئے باہر نکال ہی لائیں۔

فرخ کا باپ ایک دولت مند رئیس تھا۔ جو اپنی بہت سی غیر منقولہ جائداد کے علاوہ چھ لاکھ روپیہ نقد چھوڑ مرا تھا۔ فرخ کی ہوشیاری سے اس کے بھائیوں کو اگرچہ عام طور پر باپ کی جائداد کے لٹانے سے مجبوراً ہاتھ روکنا پڑا۔ مگر ترکے کے تقسیم کرا پانے کے دعوے میں اُن کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ گو بڑھیا ماں سے بہت کچھ فہمائش کی۔ مگر اُن کو اپنے ارادے میں جو شہر کے بدمعاش وکیلوں کے بھڑووں سے روز بروز مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ کامیابی ہوئی۔ وکیلوں کے ہاتھ سے بچ کر جو روپیہ فرخ کے بھائیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ مع اُن کے حصول کی تمام تقسیم شدہ غیر منقولہ جائداد کے تھوڑے ہی عرصے میں تمام ہوگیا اور یہ نئی دولت چند روز دولت مند رکھنے کے بعد اُن کو انتہا سے بھی زیادہ مفلس اور پریشان چھوڑ گئی۔ کیونکہ دولت جاتے وقت خصوص ہندوستان میں اپنی یادگار کے طور پر بے انتہا قرضہ چھوڑ جایا کرتی ہے۔ یہ ہندوستانی روسا کی ایک معمولی شناخت اس قابل ہے۔ کہ ہر موقعے پر ملحوظ رکھی جائے۔ کہ "جو جس قدر زیادہ مقروض ہے۔ اس سے پہلے اُسی قدر دولت مند تھا۔"

تباہ حال اور آوارہ بھائیوں سے خاندان کو سوا بدنامی کے اور کیا امید ہوسکتی تھی۔ اس وجہ سے تمام خاندان کی امیدیں صرف فرخ

کی ذات سے متعلق تھیں۔ فرخ کے بھائیوں کو اُن کے چال چلن نے باپ کے علاوہ اور جائدادوں سے جو جلد تر ملنے والی تھیں بالکل ناامید کر دیا۔ ان کے دو بڈھے چچا جو اُن کے باپ سے کچھ تھوڑی ہی کم جائداد کے مالک تھے۔ عنقریب لاولد مرنے والے تھے۔ اُن کی بیوہ پھوپھی جو اپنی خوبصورت اور نازک بدن لڑکی کو فرخ کے ایک بھائی کے ساتھ کتخدا کرنے والی تھی۔ ان کی حرکتوں سے ایسی ناراض ہوئی کہ اپنی بیٹی کی نسبت چھوڑ دی۔ گو زبان سے نہ کہا ہو۔ مگر اب اسکی خواہش یہی تھی کہ اپنی پیاری بیٹی کو فرخ کے ساتھ کتخدا کر دے۔

فرخ کا چال چلن اگرچہ ظاہر میں بُرا نہیں معلوم ہوتا تھا، مگر اس میں بھی یہ سخت عیب تھا کہ انتہا درجے کا فضول خرچ تھا۔ ایک تو یونہی وہ اپنا ہاتھ فضول خرچیوں سے نہیں روک سکتا تھا۔ دوسرے انگریزی تعلیم اور فیشن ایبل بننے کے شوق نے اس کے مصارف اور بھی بڑھا دیئے تھے۔

باپ کے ترکے کا جو حصّہ اُس کے قبضے میں آیا تھا، اگرچہ اور بھائیوں کے حصوں کی طرح عیاشی اور مے کشی میں نہیں غارت ہوا۔ مگر انگلش فرنیچر اور باغ کے سامانوں نے اس کی تمام دولت ایک غیر ضروری شوق کے پورا کرنے میں ضائع کرا دی۔ اس کے اس شوق نے نقدی روپے ہی کو نہیں صدمہ پہنچایا۔ بلکہ اسکی ملکیت کی تمام غیر منقولہ جائدادیں بھی انہیں فضول شوق کی نذر ہو گئیں۔ فرخ کے

اس باغ کی نسبت اگرچہ یہ مختصر جملہ کہا جاوے کہ "فرخ نے اپنی تمام جائداد اور دولت قیمت میں دے کر اس کوٹھی اور باغ کو مول لیا تھا" تو بہت صحیح ہوگا

باغ کے بیان میں ہم نے جو کچھ ظاہر کیا وہ بہت تھوڑا ہے۔ کیونکہ اتنی بڑی ریاست کو بگاڑ کر جو باغ بنا ہو اس میں تمام خوبیاں نہ ہوں، تعجب ہے۔ فرخ کی آمدنی اب صرف دو تین گاؤں پر منحصر تھی جو اسکی غیر منقولہ جائداد میں سے بچ رہے تھے۔ عام قرض خواہوں کو ہرگز منظور نہیں تھا کہ اُن کے وطن کا شریف زادہ بالکل تباہ ہو جاوے۔ اسکے علاوہ فرخ کو اپنی ماں کی دولت پر بہت بھروسا تھا جو تدریجاً اسکی ضرورتوں میں کام آیا کرتی تھی۔ روزانہ مصارف کے لئے ایسے بے انتہا بار پڑتے جاتے تھے کہ پریشانی روز بروز اسکے چہرے پر غالب آتی جاتی تھی۔

ان مصارف کی وجہ سے اسکو صرف یہی فکر نہ تھی۔ کہ وہ بخوبی اجڑا نہیں پائے۔ بلکہ جو اجڑا پا چکے تھے، ان کا قرضہ فکروں کا سب سے بڑا بوجھ اسکے سر پہ لادتا جاتا تھا۔ اگرچہ ظاہرا سنبھلی ہوئی حیثیت نے فرخ کو اُس کے بھائیوں کی طرح عام نگاہوں میں بے اعتبار اور کم مایہ نہیں ثابت ہونے دیا۔ مگر حقیقت میں اس کی خوشنما کوٹھی اور اسکے بیش قیمت کپڑوں میں جو جسم رہا کرتا تھا۔ وہ مقروضی کے باعث نہایت ہی نحیف ہو رہا تھا۔ زمانے کی موافقت حد سے گزرے ہوئے

شوق نے ایسی ناعاقبت اندیشی کے ساتھ اسکے روپے کو صرف کرادیا۔ کہ اپنے ملک میں وہ اُن بدتہذیبوں اور غلط فہمیوں کا نمونہ خیال کیا جاسکتا تھا۔ جو تہذیب کے پردے میں ہندوستان کو خراب کر رہی ہیں۔ اور اس وجہ سے حقیقت میں وہ اپنے بھائیوں سے کچھ کم ناعاقبت اندیش نہ تھا۔ اور سب سے زیادہ خرابی یہ تھی کہ فرخ کے بھائی تو دیوالئے بن کر قرض خواہوں کی جانب سے کسی قدر مطمئن ہوگئے تھے۔ مگر فرخ کی ظاہری حیثیت نے اُسے اُس بے حیائی کے اطمینان سے بھی بدنصیب رکھا۔ لہذا اس باغ اور کوٹھی کی فضا سے جو خوشی حاصل ہوتی اُس کو قرض خواہوں کا خوف بہت جلد مبدل بہ غم کرادیا کرتا تھا۔ بعض قرض خواہوں کی ڈگریاں بھی جاری تھیں جن کے خوف سے اُس کو اپنی کوٹھی میں آزادی کے ساتھ بیٹھنا بہت کم نصیب ہوتا تھا۔

علاوہ بریں چونکہ خاندان میں فرخ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اپنے دونوں چچاؤں اور پھوپھی کی دولت پر بغیر کسی کی شرکت کے قابض ہونے کا امیدوار خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے اس کے نامہربان بھائی اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ اُس کی جان لینے کی فکر میں صرف کرتے رہتے تھے۔ فرخ کی جان ایسے بکھیڑوں میں پڑی ہوئی تھی کہ وہ محدود اور تھوڑی فارغ البالی کے علاوہ اپنی زندگی کی جانب سے بھی مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ اُس کو

جس کسی سے ملنے کا اتفاق ہوتا اس سے حتی الامکان بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ ملتا۔ جو نیا شخص ملنے کو آتا فرخ کو بڑی پس و پیش کے بعد اس سے ملنے کی جرأت پڑتی۔

دوسرا باب

اس وقت تقریباً دو بجے ہونگے۔ جب کہ دھوپ بہت شدّت پر ہوتی ہے۔ درخت دیر تک کڑی دھوپ برداشت کرتے کرتے کچھ مرجھا سے گئے تھے۔ پھولوں کی پنکھڑیاں ایک دھوپ میں چلنے والی نازک بدن لیڈی کی پرشکن جبین اور خشک سمٹے ہوئے ہونٹوں کی طرح افسردہ ہونے لگی تھیں۔ خندہ گل حدتِ آفتاب سے کسی دیرینہ سال بڈھے کی ہنسی کا نقشہ یاد دلا رہا تھا جب اس کے منہ کی جھرّیاں پڑی ہوئی کھال پھیلنے لگتی ہو۔ جہاں تک بن پڑتا تھا، درخت تمازت سے بچانے کے لئے پھولوں کے نازک رخساروں کو اپنی مرجھائی اور جھکی ہوئی پتیوں کے سائے میں کئے لیتے تھے۔ چمنوں کی زمین پر حرارت سے جو پیڑیاں پڑ گئی تھیں، وہ اکثر جگہ سے کھنچ رہی تھیں۔ جا بجا ابر کے سفید پھٹے پھٹے ٹکڑوں کے بیچ میں آسمان کی صاف اور کھلی ہوئی نیلگونی نظر آ رہی تھی۔ فرخ کی کوٹھی کے دریائی

بڑے کمرے میں ایک کرسی پہ بیٹھ کر کچھ لکھتے لکھتے دونوں کہنیاں میز پہ رکھ کے آگے کو جھک گیا تھا۔ سامنے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور پردہ داہنی جانب سے سمٹا ہوا تھا۔ جہاں سے کوٹھی کا پھاٹک اور اسکے برابر والی سڑک بخوبی نظر آ رہی تھی۔ فرخ قلم اٹھانے کے قصد ہی ہونے کو تھا کہ آفتاب پہ ابر کے ایک موٹے بھورے ٹکڑے کے آجانے سے پھولوں اور درختوں کو تھوڑی دیر کی تازگی ملی۔ اُس کی ٹھنڈک نے ڈھونڈھنے والی آنکھوں کو پھر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اُس کی نگاہ باغ کے اُس حصّے میں جو کمرے کے اندر سے نظر آسکتا تھا چاروں طرف دوڑتی پھرتی تھی۔ ہوا کے یک بیک سرد ہو جانے کی کیفیت فرخ کو کوٹھی سے باغ میں لایا ہی چاہتی تھی۔ کہ پھاٹک کے اُس طرف والی سڑک پہ ایک گاڑی آتی ہوئی نظر پڑی۔ گاڑی کی کھڑکیاں کھلی تھیں جن کے اندر سے ایک ہندوستانی مگر اجنبی چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ کسی گاڑی پہ سوار ہو کر جانے والے کا سڑک کی مشرقی جانب کو (جدھر سے دہلی کے خلاف راستہ گیا ہے) فرخ کی کوٹھی سے آگے جانا کسی اجنبی شخص کے ایسے غیر معمولی وقت میں خود فرخ کے پاس آنے سے زیادہ خلافِ قیاس تھا۔ اسلئے گاڑی کے پھاٹک کی جانب موڑنے سے پیشتر ہی فرخ چونکا تھا۔ اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے گزرتے تھے۔ مگر جب گاڑی پھاٹک پہ ٹھہرنے کے بعد بجسبِ اجازت کوٹھی کی جانب موڑی تب وہ اور گھبرایا۔ پھاٹک سے کوٹھی

کو سڑک ایک خوشنما خوب صورت چکر کھا کر آئی تھی۔ اسلئے جب تک، گاڑی سڑک کے اس جانب کے حصے پر تھی، اندر بیٹھنے والا بخوبی نظر آسکتا تھا۔

فرخ۔ (دل میں) میں نہیں کہہ سکتا۔ ایسے بے وقت کون ملنے آیا ہے۔ میں اس کی صورت بھی نہیں پہچانتا۔ ورنہ کہتا کہ کوئی قرض خواہ ہوگا۔ جن جن لوگوں کا روپیہ میرے ذمے ہے اُن سب کو میں خوب پہچانتا ہوں۔ ہاں ہاں شاید میرے بھائیوں نے کسی کو میری عداوت پر آمادہ کرکے بھیجا ہوگا۔ مگر میری دشمنی کے لئے آتا تو مجھ سے چھُپ کر آتا۔ کچھ طبیعت کھٹکتی ضرور ہے آخر کون ہے؟" دگردن اُٹھا کر غور سے دیکھ کر) "ایں! گاڑی آدھے سے زیادہ باغ طے کر چکی۔ نہ ملوں۔ آدمی کہہ دینگے۔ وہ نہیں ہیں۔ مگر نہیں اس سے کیا فائدہ؟"

آخر گھبرا کر اُٹھ کے پردہ کھینچ لیا۔ تاکہ گاڑی کے کھڑے ہوتے وقت سامنا نہ ہو۔

گاڑی برآمدے کے سامنے زینوں کے برابر ٹھہری۔ اسکا دروازہ کھلا اور برآمدے میں آنے کے لئے زینوں پر چڑھتے وقت بوٹ کے چرچرانے کی آواز آئی۔

شخص۔ (اِدھر اُدھر دیکھکر) "کوئی ہے؟" کوئی نہ بولا۔ (بآواز بلند) "کوئی ہے!"

ایک آدمی۔ "حاضر!"

"فرخ تشریف رکھتے ہیں؟ جاؤ یہ کارڈ دے آؤ۔"

"ہیں تو مگر (آہستہ سے) سوتے ہونگے۔"

"کیا سوتے۔"

"جی سوتے ہونگے۔"

"ہشت (قہقہہ لگا کر) معلوم نہیں۔ مگر عقل سے جوڑتا ہے۔ بے تمیز کہنے لگا، سوتے ہونگے۔ پہلے دیکھ تو آ جا کے (کارڈ اس کی طرف بڑھا کر) لے یہ لیتا جا۔"

آدمی کوٹھی کی بغل کی جانب جا کے دوسرے دروازے سے خوابگاہ کے کمرے میں ہو کر اندر آیا۔ اور کارڈ فرخ کے ہاتھ (جو اسکے لئے پہلے ہی بڑھا تھا) میں دیدیا۔ فرخ نے کارڈ دیکھکر ایک ہلکی آواز سے جو صرف کمرے ہی کی ہوا میں گونجی) پڑھا "مہدی"۔ نام پڑھنے کے بعد فرخ نے سر اُٹھا کر نیچے کا ہونٹ دانتوں میں داب لیا۔ اور ایک متفکر صورت بنا کر سوچنے لگا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس نام کے کسی شخص سے مجھ سے ملاقات ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون شخص ہے؟ (آدمی با آہستہ) کیوں؟ تو جانتا ہے یہ کون ہیں؟ کبھی ان کو میرے پاس آتے دیکھا ہے؟"

آدمی "حضور میں نے تو آج ہی دیکھا ہے۔"

فرخ۔ (پریشان ہو کر بہت آہستہ سے) خدا جانے کون آدمی ہے کارڈ میں تو کچھ پتہ بھی نہیں لکھا ہے۔ کیا کروں؟ پوچھوا بھیجوں کہاں سے

آئے ہیں۔"

آدمی۔ (بات کاٹ کر) "دیکھئے میں پوچھے آتا ہوں۔" یہ کہہ کر آدمی جانے کے لئے بڑھا۔

فرخ۔ (ایک ایسی آواز سے جسے وہ پست کرتا تھا۔ مگر بلند ہوئی جاتی تھی) "ہاں! ہاں! ٹھہر۔ تجھ سے کس نے کہا جو چلا۔ بالکل اخلاق کے خلاف ہے۔ ہم ہرگز نہیں پسند کرتے کہ ایسی خلافِ تہذیب بات ہمارے مکان میں دیکھی جائے۔"

یہ کہہ کر فرخ نے (ایسے لہجے میں جو صاف بتا رہا تھا کہ اس قول کو دل سے کچھ تعلق نہیں حرف اوپر کی زبان سے کہا گیا ہے) آدمی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اچھا جاؤ، کہو سلام کہتے ہیں۔"

آدمی کے چلے جانے کے تھوڑی دیر کے بعد کسی کے ہاتھ کی گندم گوں موٹی اور لمبی انگلیاں سامنے والے دروازے کے پردے کو ہٹاتی نظر پڑیں۔ یہ انگلیاں اُس شخص کے جسم کا (جو پردہ ہٹا کر اندر آنا چاہتا تھا) پہلا حصّہ تھیں جس کو فرّخ کی عرصے سے گھبرائی ہوئی آنکھوں نے دیکھا۔ فرخ فوراً کرسی سے اُٹھ کر آگے بڑھا۔

ایک طویل القامت موٹے تازے سر اور پیچ کھائے ہوئے موٹے بالوں کی دونوں گالوں سے نیچے گزری ہوئی لمبی سیاہ مونچھوں والے آدمی نے پردے سے نکلتے ہی موٹی اور اونچی آواز سے "السلام علیکم"

کہہ کے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وعلیکم السّلام ساتھ ہی جو فرخ کی زبان سے نکلا گیا۔ فرخ کا ہاتھ اس اجنبی چوڑے اور گوشت بھرے ہاتھ سے ملا۔ جس کے جدا ہوتے ہی مصافحے کی رسم ادا ہو گئی۔ مزاج پرسی کے بعد جو فرخ کی جانب سے ہوئی تھی۔ اس نئے شخص نے ایک کرسی اس جگہ سے جہاں وہ رکھی ہوئی تھی، ذرا پیچھے ہٹائی اور اپنے تئیں آئندہ دوست کی درخواست کے موافق بیٹھ گیا۔ جس کے بیٹھتے ہی فرخ بھی اُس کرسی کے علاوہ جس پہ پہلے تھا، ایک کرسی پہ جا بیٹھا۔

فرخ نے بیٹھتے ہی اس نئے ملاقاتی کو سر سے پاؤں تک بڑی حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اسکی چوڑی اونچی پیشانی میں کئی لمبی لکیریں عرضاً دونوں کنپٹیوں کے قریب تک چلی گئی تھیں۔ جو کھال ان لکیروں میں ہر ایک کو دوسری سے جدا کر رہی تھی، وہ ایسی اُبھری ہوئی تھی کہ سر سے نیچے کو ڈھلک آنے والے پسینے کے قطروں کو اس نشیب و فراز کی وجہ سے پیشانی پر کئی ٹھوکریں کھا کر گرنے کی نوبت آتی تھی۔ اسکی اونچی نکیلی منہ کی جانب جھکی ہوئی ناک ایک بہت بڑا گہرا اور دے کر پیشانی سے جدا ہوئی تھی۔ گالوں کے اوپر کی دونوں طرف بلند ہڈیاں جو معمولاً اونچی ہوا کرتی ہیں اسکے چہرے پہ ایسی بدنما بلندی کے ساتھ اُبھری ہوئی تھیں۔ کہ ہنستے وقت گڑھے میں پڑ کر اُبھری ہوئی بڑی سیاہ آنکھوں کے چھپانے کے لئے لمبی مگر بھدی بھوؤں سے مل جانے کے قریب ہو جاتی تھیں۔ اگر خس خسی داڑھی گالوں کو پھولا ہوا ثابت کرنے میں مدد نہ دیتی تو وہ اگر چہ

بچے نہ تھے مگر ادبہ کی ہڈیوں کے سامنے بہت ہی بڑے معلوم ہوتے۔ لمبی نوکدار ٹھوڑی جو ادھر اُدھر بے انتہا طویل موچھوں کے بیچ میں نکلی ہوئی تھی۔ اُس میں ایسا حد سے زیادہ غیر مزیت لمبان تھا کہ خس خسی ڈاڑھی بھی اس نقصان کو پورا نہ کر سکی۔ بشرے سے ذہانت بالکل نہ پائی جاتی تھی۔ بلکہ یہ عجیب وغریب چہرہ فرخ کے اکثر اُن خیالات کی تائید کرنے کے لئے کافی تھا۔ جو اس کو پہلے سے ڈرا رہے تھے۔ مگر ایک سرسری نگاہ سے معلوم ہو سکتا تھا کہ اس چہرے والا شخص محنتی ضرور تھا۔ رنگ عام نگاہوں کو بتاتا تھا کہ اگر اُس بدن سے دھوپ میں چلنے کی محنت نہ لی جاتی تو کھلتا ہوا گندم گوں ہوتا۔ چھوٹے دو دو انگل کے بالوں پر ایک مخملی گول مندیل نما سبز ٹوپی جمی تھی۔ جس کے گرد زینت کے لئے سنہری لیس ٹانکی گئی تھی۔ عام وضع اُن لوگوں کا نمونہ دکھا رہی تھی۔ جو ایشیا کی مسندوں سے اُٹھ کر یورپ کی کرسیوں پر بیٹھنے کے قابل بننے کی رفتہ رفتہ کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ عمدہ چھالٹین کی ایک چست نیچی چولی اور اونچے دامنوں کی اچکن بدن کو چھپائے تھی۔ اسی کپڑے کے پتلون نما پاجامے کے پائنچے جس میں ہنوز بریسز اور بٹنوں کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ ایک ڈبل موٹے اور روکھے چمڑے کے مضبوط ہاف بوٹ پر پڑے تھے۔ ایک ٹیڑھا موٹے سر کا ڈنڈا ہاتھ میں تھا۔ جسے اُس نے آتے ہی میز سے لگا کر ایک پائے کے پاس کھڑا کر دیا تھا۔

فرخ کی نگاہ کو جو بڑی حیرت سے اس شخص کے چہرے کے مختلف مقامات پر ایک گھبراہٹ کی عجلت کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی حرکت نے اپنی طرف کھینچ لیا جو داہنے چاک کی جیب کی طرف بڑھتا تھا۔ اس نے جیب سے سفید حاشیے دار رومال نکالا۔ اور چہرے کا پسینہ پونچھ کر پھر جیب میں رکھنے کے ساتھ ہی اپنی کرسی پر سنبھل بیٹھا۔ فرخ کو خیال تھا کہ اس کا اجنبی ہم صحبت خود سلسلۂ کلام شروع کرے گا بلکہ اُس کے کرسی پر سنبھل بیٹھنے سے کسی بات کے سننے کا اُمیدوار بھی ہو گیا تھا۔ لیکن تھوڑے سکون کے بعد فرخ نے مجبور ہو کر اپنے ہم صحبت کی طرف اس نگاہ سے جو مخاطب بنانے کے وقت ڈالی جاتی ہے، دیکھکر کہا "مجھے اس دوست کا نہایت ممنون ہونا چاہئے جس نے ایسی گرمی کے وقت میری ملاقات کو اپنے آرام پر ترجیح دی"۔

دوست۔ "نہیں! نہیں! ممنون ہونے کی کوئی بات نہیں، آپ جانتے ہیں کہ آج کل ٹرین اسی وقت آتی ہے، نہ آتا تو کیا کرتا"۔

فرخ۔ "تو کیا آپ اس وقت کی ٹرین پر تشریف لائے ہیں؟ مہربانی فرما کر اپنے ٹھیک پتے سے مطلع فرمائیے۔ تا کہ میں آپ کو پہچان سکوں"۔

دوست۔ "بیشک آپ نہ پہچانتے ہونگے۔ دیکھا ہو تو پہچانئے۔ صرف نام سے آدمی ذرا دیر میں پہچانا جا سکتا ہے"۔

فرخ۔ "بجا۔ مگر افسوس مجھے اس وقت تک آپ کا اسم شریف بھی نہیں معلوم (کارڈ دیکھکر) معاف فرمائیے گا۔ کارڈ کا مجھے مطلق خیال

نہیں رہا (مسکرا کر) حضرت اللہ اپنے نام کو بدلئے یا اس میں کوئی لفظ اور بڑھا دیجیے۔ اس نام سے تو آجکل خوف معلوم ہوتا ہے۔ یہ نام کچھ افریقہ ہی والوں پر خوب پھبتا ہے اور انہیں کے ساتھ مخصوص رہے تو اچھا ایشیا کو بدنام نہ کیجیے۔"

مہدی:۔ اگر کسی دوسرے نام کو میں آپ کی کوٹھی سے لے جا کر عام زبانوں پر پھیلا سکتا تو بیشک آپ کے ارشاد کی تعمیل میں کچھ عذر نہ ہوتا مگر افسوس اس پر مجھے کامیابی نہیں ہو سکتی۔"

فرخ:۔ مگر میں آپ کو اس وقت تک پہچان نہ سکا۔ آپ کا نام سُنا تو ضرور ہوگا۔ کیونکہ آپ فرماتے ہی ہیں۔ مگر یہ نہیں یاد آتا کہ کب سُنا تھا، اور کہاں سُنا تھا۔

مہدی:۔ افسوس! مجھے آج معلوم ہوا۔ کہ زمانے میں بھول جانے کے قابل چیز ہوں۔ آپ اپنے خیال کو ہندوستان سے باہر تک لے جائیں، تو شاید یاد آجاؤں۔"

فرخ۔ (ایک مرتبہ اور غور سے دیکھکر) "عقل کچھ کام نہیں دیتی۔" سوچ کر۔ اب کیا ہاں۔ آپ کو کبھی بمبئی میں بھی قیام کا اتفاق ہوا ہے؟"

مہدی:۔ کبھی کبھی کیا معنی۔ حضرت ایک عمر وہیں گزر گئی (مسکرا کر) میں، خیال کرتا ہوں، اب آپنے پہچان لیا ہوگا۔"

فرخ:۔ (خوش ہو کر) اُٹھئے آپ سے تو دوبارہ ملنا چاہیئے۔"

جب دونوں بغل گیر ہو کر بیٹھے۔ تو فرخ نے بہت کچھ اشتیاق ظاہر

کرنے کے بعد پوچھا۔" اب آپ کو بخطِ مستقیم بمبئی ہی سے آنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

مہدی۔" جی اور کیا! ہاں صرف دو ایک روز کے لئے ایک اور مقام پر قیام ہوا تھا۔"

فرخ۔" یہ غضب کیا آپ نے! خط نہ لکھا تھا تو تار ہی دے دیا ہوتا آپ کو اتنا خیال نہ ہوا۔ کہ سفر ہے۔ مبادا کسی قسم کی تکلیف ہو۔ یہ بھی کیا کم ہے کہ مکان کا پتہ خواہ مخواہ پوچھنا پڑا ہوگا۔ آپ کو یہ بھی تو نہ معلوم ہوگا کہ میں شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر رہتا ہوں۔ خواہ مخواہ کی تکلیف کرنے سے فائدہ؟"

مہدی۔" یہ تو سُنا تھا کہ کوٹھی ذرا دور ہے۔ مگر جب صاف صاف پتہ ہی معلوم نہ تھا تو خط آپ کو کیونکر بھیجتا؟ اور تار کس پتہ پر روانہ کرتا؟"

فرخ۔" اسباب وغیرہ تو اُتروا لیا گیا نہ؟"

مہدی۔" اسباب تو میں نے مال گاڑی میں دے دیا تھا۔ دو ایک روز میں مل جائے گا۔ چونکہ دو ایک جگہ قیام کا قصد تھا۔ اسلئے بریک میں دینا مجھے مناسب نہیں معلوم ہوا۔"

تیسرا باب

فرخ کا باپ ایک ایشیائی مذاق کا رئیس تھا۔ بین زمانے کی کشمکش نے متضاد سوسائیٹیوں میں پھنسا کر از حد پریشان کر دیا تھا۔ گو اس کا خاندان سوا سو برس سے ملک فارس کو چھوڑ چکا تھا۔ مگر اس ملک کی محبت اس کو اپنے وطن سے بڑھ کر تھی۔ ہندوستانی فاتح مسلمان اپنے خاندان کو عموماً مغربی ایشیا کے مشہور ملکوں عرب اور فارس کی جانب منسوب کرنے کے علاوہ مذہبی حیثیت سے بھی ان دونوں ملکوں کو اپنا مقدس مرجع خیال کرتے ہیں۔ خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی دیندار جماعت عرب اور فارس کی سوسائٹی کی پیروی کرنے اور ان سے رشتے داری پیدا کرنے کی انتہا سے زیادہ شائق رہا کرتی ہے فرخ کے باپ کو فارس کا شوق اور پاک سرزمین عرب کی محبت اس کی عمر کے کسی ابتدائی حصے میں وہاں کھینچ لے گئی تھی۔ اس نے ایسے سفر کو صرف مذہبی فیضیابیوں ہی کے ساتھ محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ان ملکوں

سے سوشل سبق حاصل کرنے کے لئے بھی بہت کچھ کوششیں کی تھیں۔ کربلا سے واپس آنے کے وقت جب وہ طہران سے شیراز ہو کر خراساں کا سفر کر رہا تھا۔ راستے میں کسی دلچسپ مقام پر سال دو سال کے قیام میں اس نے ایک ایرانی بی بی حاصل کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ وہاں کے سوشل معاملات کا ایک بے نظیر فتادے اسکے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس کتخدائی کے بعد ہندوستان سے باہر کے تمام سفروں میں یہ بی بی اسکی ہمدم و ہمراز تھی۔

ہندوستان میں پہنچنے کے بعد فرخ کے باپ کو مناسب نہ معلوم ہوا کہ سفر کی اس دلچسپ اور دلفریب کمائی کو خاص اپنے وطن دہلی میں لاکر عام خاندانوں کی اُن نگاہوں کے سامنے پیش کرے۔ جو ذلت کی نظر دیکھ کر اس کا حال کھائیں گے۔ کیونکہ ہندوستان کی زمین کی خاصیت نے اُس کے خاندان کی تمام عورتوں کو ویسا ہی بنا دیا تھا جیسی کہ ہندوستان کے عام اسلامی خاندانوں کی عورتیں ہیں۔ سب گھروں کی طرح اسکے گھر میں بھی کوئی خاندان کی عورت اپنے شوہر کی ماتحتی میں دوسری خصوص غیر کفو عورت کو ہرگز نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ان امور کا خیال کر کے اس کو کب امید ہو سکتی تھی کہ اسکی بی بی اپنی سوت کو صدمہ پہنچانے میں کوئی بات اُٹھا رکھیگی ان خیالات کے سبب سے اس بی بی کو بمبئی میں ہی چھوڑ دیا۔ جس کو وہ دہلی سے برابر کافی خرچ اپنے عزیزوں سے چھپا کر بھیجتا رہتا تھا۔

اور یہ بی بی معمولاً فرخ کے باپ کے اکثر سفروں کا ذریعہ ہوا کی۔ کیونکہ

وہ سیر و سیاحت کے حیلے سے بارہا ہندوستان پھرتا رہا۔ مگر اس امر کا حال اس شادی کے کھلنے پر معلوم ہوا کہ اس کے عام سفروں کی حد کیوں بمبئی ہی رہا کرتی تھی"۔

اس بی بی سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی تھی۔ لڑکی پلوٹھی کی تھی۔ جو خراسان میں پیدا ہوئی تھی۔ اور اسی جگہ خاک میں مل گئی۔ بمبئی میں آکر تلے اوپر دو لڑکے ہوئے۔ چھوٹا کوئی دس برس کا ہو کر ہیضے میں مبتلا ہوا۔ اور دو ہی روز میں اپنی ماں کو داغ مفارقت دے گیا۔ صرف بڑا لڑکا باقی تھا جس کے خیال سے اُس کی بیوہ اور بے کس ماں اپنی اُمیدوں کو مضبوط رکھتی تھی۔ کیونکہ ضعیف ہونے کے بعد فرخ کے باپ نے اسکی نیک بخت بی بی کی خبر گیری موقوف کر دی تھی۔ ماں کی اُمیدوں نے انگریزی تعلیم کی سیڑھی پر چڑھتے وقت اس ہونہار لڑکے کو صرف انٹرنس ہی کے زینے تک دیکھا۔ بہر حال نوکری کے ذریعہ سے وہ اپنا تھوڑا بہت کام چلا سکنے کے قابل ہو گیا تھا۔ فرخ کے باپ نے ابتدائی زمانے میں اس بی بی کو ایسا کچھ دیا تھا کہ اس وقت تک اسے کسی قسم کی فکر نہ تھی۔

اس غریب الوطن بی بی کے شوہر کے خاندان کو آخر وقت دوسری سفری شادی کا حال کسی قدر معلوم ہو گیا تھا۔ اور فرخ نے ایک آدھ بار اپنے سوتیلے بھائی کا نام بھی سُنا تھا۔ عام خاندان نے فرخ کے باپ کی اس حرکت کو ناپسند کیا اور فرخ کی ماں کو کسی اپنی سوت کا ایک مدت

کے بعد حال کھلنے سے سوت ہونے کے علاوہ اس امر کا بہت زیادہ قلق تھا کہ اُسے کسی سوت کا حال اسی وقت کیوں نہ معلوم ہوا، جس وقت وہ سوت بنی تھی۔ کیوں اتنے دنوں کے بعد اسکو گالیاں دینے کا موقع ملا۔

فرخ کے باپ کے مرنے کی خبر اُس کی اس ہمسفر بی بی کو بھی پہنچی، جو بمبئی میں مقیم تھی۔ گو اپنے شوہر کی زندگی میں اس نے بہت کچھ صبر کیا۔ مگر اس کے مرنے کے بعد نہ ہو سکا۔ بے اختیار ہو کر اپنے بیٹے کو دہلی روانہ کیا۔ جس میں حال دریافت کرنے کے علاوہ یہ بھی غرض رکھی گئی تھی کہ باپ کے ترکے کا ایک حصّہ جس طرح بن پڑے اپنے سوتیلے بھائیوں پر دعویٰ کر کے وصول کرے۔ یہ وہی فرخ کے باپ کا ایک چوتھا بیٹا ہے، جو اس جمنا کے کنارے والی پر فضا کوٹھی میں بیٹھا فرخ سے باتیں کر رہا ہے، جیسے فرخ نے بڑی دیر میں پہچانا ہے۔

فرخ: "آپ کی ملاقات ایسے لطف پیدا کرتی ہے جس کی مشکلوں سے امید کی جا سکتی تھی۔"

میز کی جانب جُھک کر گھنٹی بجا دی۔ آدمی جلدی میں گھبرایا ہوا آ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

فرخ: "جلدی چائے تیار کرو۔" (مہدی کی طرف اس طرح دیکھ کر گویا وہ کسی بات کے سُننے کا منتظر ہے۔) "غالباً آپ کو تو پہلی ہی دفعہ دہلی میں آنے کا اتفاق ہوا ہو گا۔"

مہدی۔ "بڑی آرزوؤں سے آج وہ دن نصیب ہوا ہے۔ جس میں ایک ایسے معزز شخص کا مہمان ہوں۔"

فرخ۔ "جناب والد صاحب کے انتقال کا حال تو غالباً آپ نے سُنا ہی ہوگا۔"

مہدی۔ "اسی غم نے مجھ کو اس مقام تک پہنچایا۔ افسوس بدقسمتی نے ان کی زندگی میں آپ لوگوں سے ملنے کا موقع نہ دیا۔ بلکہ اسی حسرت وغم کے سفر کو طے کر کے مجھے مجبوراً اُن کے جانشینوں سے ملنا پڑا۔"

یہ کہہ کر مہدی فرخ کے چہرے کو نہایت غور سے دیکھنے لگا۔ کہ یہ جملہ اس پر کیسا اثر ظاہر کرتا ہے۔ فرخ اپنے رشتہ دار مہمان کی طرف ایک قسم کے استغراق اور بے خودی کے ساتھ دیکھا جاتا تھا کہ یکایک اس پچھلی تقریر نے اس کے چہرے کی کیفیت بدل دی۔ چونک پڑنے کے بعد جس سے اس محویت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک استعجاب کے ساتھ اس قسم کے استفہام کے طور پر جو کسی بڑی دور کی بات کے متعلق ہوتا ہے، ذرا آگے کو جھک کر کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد اُن کے جانشینوں سے ملنے پر آپ کو مجبور کس نے کیا؟"

مہدی۔ (ٹالنے کے طور پر) نہیں۔ مجبوری کیا! مگر پھر بھی ہم ان سے علیحدہ ہو کر دنیا میں اپنا نام سامنے نہیں پیش کر سکتے ہیں۔"

مہدی کا دبی زبان سے ایسے مبہم الفاظ کہنا۔ جن کے مختلف معنی

ہو سکتے ہیں۔ فرخ پر بہت کچھ اثر کر گیا۔ یکبارگی متفکر ہو کر اس نے گردن جھکائی اور دل ہی دل میں غور کرنے لگا۔

" افسوس میری فکروں کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا۔ مہدی یقیناً اپنی حقیت ثابت کرنے آیا ہے۔ لیکن کیا پا سکتا ہے؟ میرے پاس رہا کیا ہے! اسکے آنے کا جیسا اثر مجھ پر پڑا۔ ویسا ہی میرے بھائیوں پر بھی پڑنا چاہیئے۔ شاید یہ مہدی مجھ ہی کو کسی قدر دولت مند سمجھتا ہے ورنہ اور بھائیوں کو چھوڑ کر میرے یہاں کیوں آتا؟ اُن کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ ہائے میری امید دلانے والی وضع کیوں ایسی نہ ہوئی، کہ لوگ انکی طرح مجھ سے بھی کوئی امید نہ رکھ سکتے"۔

مہدی کے معاملے میں خاندان بے شک میری مدد کرے گا۔ آہا بڑا غضب ہوا۔ یہ میرے یہاں ٹھہرا ہے۔ میرے مکان پر اس کا رہنا اب کسی طرح مناسب نہیں۔ اگر میری کوٹھی میں رہا۔ تو مشکل سے مجھے اپنے ارادوں میں کامیابی ہوگی۔ اچھا آج اپنی ماں سے رائے لوں گا وہ اسکا یہاں رہنا کبھی گوارا نہ کرے گی"۔

"خیر ابھی کچھ جلدی نہیں ہے۔ سوچ سمجھ کر جو مناسب معلوم ہوگا کیا جائے گا"!

یہاں تک پہنچ کر فرخ کے خیالات پلٹ گئے۔ ناتجربے کاری کا تذبذب جہاں عرصے تک اسے پریشان رکھتا تھا۔ وہاں کبھی کبھی دو ایک تسلی کے جملے بھی سوجھا دیتا تھا۔ اسلئے چند منٹ کے توقف میں بے خیال

رہنے کے بعد پھر اس کے دل نے ایک نئے پہلو پر خیالات کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر اس وقت تک ٹھیک اس بات کا بھی اندازہ نہیں ہوا کہ یہ اپنی حقیقت ثابت کرنے ہی کی نیت سے آیا ہے۔

"اس کی باتوں سے تو صاف صاف کوئی بات نہیں نکلتی، ہاں! ہاں! مجھے خیال نہیں رہا۔ "میرے باپ کے جانشینوں سے ملنے پر اپنی مجبوری بیان کر کے وہ ایک غیر معمولی نگاہ سے میری صورت دیکھنے لگا تھا۔"

فرخ کے خیالات ابھی زیادہ پہلو نہیں بدل چکے تھے۔ کہ آدمی کے پیروں کی چاپ نے سلسلۂ خیالات کو ایسی حرکت دی۔ کہ یک بیک اس کی نگاہ اُٹھ گئی۔ آدمی نے سادی چائے کی ایک پیالی مہدی کے آگے میز پر رکھدی، اور ایک پیالی فرخ کے سامنے رکھنے کو تھا، کہ اُس نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔

مہدی نے پیالی میز سے اُٹھا کے ایک بہت چھوٹا گھونٹ پی کر جس میں سر سرانے کی کرخت آواز نکلی کہا۔ "افوہ

"افوہ بہت گرم ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے پیالی پھر میز پر رکھدی، اور فرخ کی طرف دیکھ کر کہا "شاید آپ بہت گرم چائے پیتے ہیں؟"

فرخ۔ (پیالی کو جو منہ سے لگی ہوئی تھی ہٹا کر اور چائے کا ایک گھونٹ حلق سے اُتار کر) "نہیں میں ایسی گرم تو نہیں پیتا۔ مگر اسوقت شاید

جلدی کے سبب سے گرم ہی رہ گئی ہو گی۔"

مہدی نے پھر پیالی اُٹھائی۔ اور پھونک کر ہلکے گھونٹ پی رہا تھا کہ پشت کی جانب ایک آہٹ معلوم ہوئی۔ جس نے اُسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ وہی پردہ جسے اُٹھا کر وہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ایک جانب سمٹنے کے ساتھ ہی ذرا اوپر کو بھی اُٹھا۔ پردہ کی اس حرکت نے فرخ کی نگاہ کو بھی جو مہدی کے چہرے سے بمشکل جدا ہونا گوارا کرتی تھی، اپنی طرف بڑھا لیا۔

ایک پست قامت بھینگا سیاہ فام آدمی بائیں آنکھ دبا کر داہنی سے مہدی کو بغور دیکھتا ہوا کمرے میں آیا۔ جیسے فرخ اور مہدی کی آنکھیں پردے سے ایک کرسی تک لے آئیں جس پر وہ فرخ کے "بیٹھو" کہنے سے بیٹھ گیا۔

یہ نیا ہم صحبت اگرچہ مہدی کے نزدیک بالکل اجنبی تھا۔ مگر فرخ کی کم توجہی سے ایک ادنیٰ درجے کا معمولی آنے جانے والا سمجھا گیا۔ مہدی اس کو اسی قدر غیر مانوس سمجھنے والی نگاہ سے دیکھ رہا تھا جس قدر اجنبیت کے ساتھ وہ اپنی ٹیڑھی نظر اس پر ڈالتا تھا۔ دو متحیر نگاہیں ایک دوسرے کو مانوس بنانے کے لئے جھجک جھجک کر مل رہی تھیں۔

فرخ۔ (چائے کی پیالی خالی کر کے میز پر رکھ کر مذاق کے لہجے میں) بھئی مشتاق خوب وقت پر آئے۔ دو تو دو۔ آج تمہیں چار آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں (مہدی کی طرف اشارہ کر کے) آپ وہیں سے آئے ہیں آپ آپ

سے بڑھکر مفصل حالات کس سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ آنکھوں سے دیکھے ہی چلے آتے ہیں"۔

فرخ کی اکثر دلچسپیاں جو کبھی گھڑی بھر کے لئے ایسے افکار سے نجات دلوایا کرتی تھیں۔ وہ انھیں "مشتاق" سے حاصل ہوتی تھیں مشتاق نااہل جاہل اور نہایت ہی بامذاق آدمی تھا۔ ملک کی اُس ناعاقبت اندیش جماعت میں اکثر اپنا عزیز وقت صرف کیا کرتا تھا۔ جو گورنمنٹوں کی باہمی جنگ وجدال کی نئی نئی وحشت انگیز خبروں کو اپنی زندگی کا قابل قدر سرمایہ سمجھتی ہے۔ اسکے علاوہ مشتاق میں اپنے بشرے کے موافق لوگوں میں فساد ڈلواتے اور لڑادینے کا بھی کامل مادہ پایا جاتا تھا۔ فرخ مشتاق کو صرف اس وجہ سے اکثر اپنی صحبتوں میں آنے دیتا تھا۔ کہ اسکی باتوں سے دل بہلے۔ فرخ نے اس وقت مشتاق کے خیالات کے موافق مذاق کے طور پر مہدی کی جانب اشارہ کرکے کہہ دیا تھا۔ "آپ ابھی وہیں سے آتے ہیں"۔ مہدی جو مشتاق کے خیالات سے بالکل ناواقف تھا۔ کچھ نہ سمجھ سکا۔ کہ "وہیں" سے کیا مراد ہے۔ مگر مشتاق نے البتہ یک بیک ایک پُر شوق اور بہت جلد جواب پانے کا انتظار کرنے والی نگاہ سے مہدی کی جانب دیکھ کر کہا "ہاں حضور فرمایئے۔ کیا خبریں ہیں! آپ تو دیکھ ہی آئے ہیں۔ آج کل سرحد پر کیسا ہو رہا ہے؟"

سرحد کا لفظ سننے کے بعد جب مہدی کو معلوم ہوا۔ کہ مشتاق ایک

بیہودہ شخص ہے۔ اور لغو خبروں کا شائق رہا کرتا ہے، تب وہ ایک خوف دلانے والے ایسے لہجے میں جس میں مذاق کی بھی اس قدر بو پائی جاتی تھی جس قدر مشتاق کی موٹی عقل میں نہ آسکے۔ بولا "حضرت اصل یوں ہے کہ میں آتا تو وہیں سے ہوں، اور بہت سی خبریں مجھے معلوم بھی ہیں، مگر سرکار کی جانب سے ظاہر کرنے کی ممانعت ہے آپ مجھے معاف فرمائیں۔ کیونکہ میں ہرگز کوئی خبر نہیں بتا سکتا۔"

مشتاق کا شوق ان باتوں سے زیادہ ترقی کر گیا۔ مہدی کے اس جواب نے مشتاق کی عجیب صورت بنا دی۔ چہرے سے مسرت کے ساتھ فخر کے بھی آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کے سیاہ لمبے چہرے کے درمیان میں سفید دانتوں کو بدنمائی کے ساتھ ظاہر کرنے والی یوں ہی سی مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ اپنی ان جھوٹی خبروں پر ناز کر رہا ہے۔ جن کو روز فرخ سے بیان کیا کرتا تھا۔ خصوص جب وہ مسکرا کر فرخ کی طرف دیکھنے لگتا تھا، تو گویا فرخ کو ہمیشہ اسکے جھوٹا ٹھہرانے پر طعن کرتا تھا۔ اس کی ٹیڑھی نگاہ جب چہرے کی تھوڑی حرکت کے بعد ایک قسم کے فخر کے ساتھ فرخ پر پڑنے لگتی تھی تو اس سے ایک عجیب با ترتیب ترچھی ادا اور بدنما بانکپن ظاہر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ مشتاق کا شوق اس مرتبے سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا۔ جسے انسان ضبط کر سکتا ہو۔ وہ ایک اور کرسی پر مہدی کے قریب جا بیٹھا اور خوشامد کے لہجے میں بڑے اصرار کے ساتھ خواستگار ہوا۔ کہ مہدی

کچھ حالات ضرور بیان کرے۔ مشتاق کی یہ باتیں جنہوں نے مہدی کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ فرخ کی خواہش کے بہت موافق ہوئیں، کیونکہ بڑی فکرمندی کے باعث وہ ایسے موقعے کو ڈھونڈ رہا تھا۔ جو ماں کے پاس جانے کے لئے مناسب ہوتا۔ کہ وہ مہدی کے آنے کی خبر کر کے اس کے ارادوں کے متعلق رائے لے۔ فرخ نے جیسے ہی دیکھا کہ مشتاق اسکے نئے مہمان کو بخوبی اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے، مناسب الفاظ میں معافی مانگنے کے بعد فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ کھڑے ہو کر اس نے مشتاق سے اس امر کی خواہش کی کہ وہ اس کے پھر باہر آنے تک منتظر رہے" اور بغل کے اس دروازے سے جدھر سے آدمی کئی بار آیا گیا تھا، نکل کر خواب کے کمرے میں ہو کر ساگر پیشہ سے ملی ہوئی ایک وسیع عالیشان محل سرا میں چلا گیا۔ بیرونی دروازے سے اس دروازے تک جس پر کپڑے کا خوب صورت ہندوستانی وضع کا پردہ پڑا تھا۔ ایک وسیع اور عالیشان ڈیوڑھی تھی۔ پہرہ دینے والے سپاہی رہا کرتے تھے۔ یہ ڈیوڑھی عام ادنیٰ طبقے کے ہندوستانیوں کی طرز معاشرت کا سچا نمونہ کہی جا سکتی تھی۔ کیونکہ اکثر اطراف خصوص چاروں کونے اور وہ مقامات جو پہرے والوں کی چار پائیوں کے متصل تھے بالکل غیر ضروری، اور بے فائدہ جگہ رو کنے والی کثیف بو اور خراب چیزوں کی وجہ سے ڈیوڑھی کو طبیعت پریشان کرنے والا بد نما کرکی خانہ ثابت کر رہے تھے۔ فرخ اپنی نئی فکر کی بے خودی میں بغیر کسی طرف دیکھے، ڈیوڑھی کو طے کر کے اس

دور تک پھیلے ہوئے صحن میں جنوبی رُخ کو جانے لگا۔ جو محل سرا میں جانے والے کو بڑے رکے بعد ملا کرتا تھا۔ صحن طے کر کے تین پختہ ایک فٹ اونچے زینوں پر چڑھ کے بلند اور نئی استرکاری کئے ہوئے دالان میں ہو کر بائیں جانب کے بغلی ٹھنڈے اور ستھرے کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں ایک خوشنما نازک پلنگڑی پر اس کی ماں یوں ہی سی غفلت میں آنکھیں بند کر کے لیٹی تھی۔ سرہانے ایک خواص پنکھا جھل رہی تھی۔ فرخ پلنگڑی کے نیچے چاندنی پر جو شطرنجی کے اوپر بچھائی گئی تھی۔ بیٹھ گیا۔ اور خواص سے باآہستہ پوچھا۔

"کیا آرام کرتی ہیں؟"

خواص۔ (آواز سے نہیں، بلکہ کچھ اشارے سے اور کچھ پھُس پھُسا کر) ابھی ابھی ذرا آنکھ لگ گئی ہے۔"

ماں۔ (بغیر آنکھیں کھولے ایک بھیانک اور بھرائی ہوئی آواز سے) "کون ہے؟" (آنکھیں کھول کر) بیٹا! تم اس وقت دھوپ میں کیوں آئے۔ اے ایک تو یوں ہی جی نہیں اچھا رہتا ہے۔ اس پر ایسی جل جلاتی دھوپ میں مارے مارے پھرتے ہو بیٹا! ("ٹا" کو خوب بڑھا کے) تمہارا مزاج اس طرح کا نہیں کہ دھوپ میں مارے مارے پھرو۔"

فرخ۔" میں تو خود کمرے سے باہر کم نکلتا ہوں۔ اس وقت آپ سے کچھ عرض کرنا تھا، اسلئے حاضر ہوا۔ اور اب تو چار بج گئے۔ دھوپ میں وہ تیزی نہیں رہی۔"

ماں :- "شوق سے کہو۔"

فرخ :- "آج وہ آئے ہیں، کیا نام ہے! لے توبہ! بھولتا ہوں --! لاحول ولا قوۃ - کیا کم بخت حافظہ ہے - ادھر بات سُنی اور ذہن سے اُتر گئی۔ ہادی" نہیں، نہیں، دل میں ہے - مگر زبان تک نہیں آتا! ہاں! مہدی"!!

ماں :- "مہدی کون؟"

فرخ :- "وہی جو بمبئی میں رہتے ہیں ہمارے دوسرے بھائی" (ذی کو خوب بڑھا کر) والد کے انتقال کا حال سُن کر آئے ہیں - مجھے معلوم ہوتا ہے - کچھ نہ کچھ جھگڑا فساد ضرور ہوگا - یقیناً وہ اپنا حق ثابت کرنے کے لئے آئے ہیں - اور خرابی یہ کہ میرے ہی مکان میں وہ ٹھہرے ہیں۔"

ماں :- (غصے میں شور کر کے) "لے وہ ہوتا کون ہے؟ واہ خوب حق ثابت کرنے آیا ہے - بڑا حق دار بنا ہے - بکنے دو تم کچھ گھبراؤ نہیں آخر تم نے اپنے ہاں ٹھہرنے کیوں دیا؟ کیا اور جگہ نہ تھی؟"

فرخ (متانت کے ساتھ) "یہ تو آج ناممکن ہے کہ انکو یہاں سے اُٹھا دیں - مگر آپ خود سمجھ لیجئے - بے مروتی کرنے کے بعد ندامت ہوئی تو مرجانے کی جگہ ہوگی - اور یہ بھی جان لیجئے کہ ذرا بھی بے اعتنائی کی گئی تو وہ بھی کوئی بات اُٹھا نہ رکھیں گے۔"

ماں :- (طیش کھا کر) "وہ کر کیا لے گا؟ میں ہرگز ہرگز تمہارے پاس

ٹھہرنے کی روادار نہیں ہوں۔ تم آج ہی اُٹھا دو۔"

فرخ "بہتر۔"

فرخ اس گفتگو سے اور زیادہ فکر مند ہو کر کوٹھی کو پھرا۔ راستے بھر دل ہی دل میں طرح طرح کی باتیں کرتا گیا۔ "میری ماں کے خیالات ہی سخت ہیں ایسی بے مروتی ہرگز ہرگز مناسب نہیں۔ مگر کیا کروں اب وہ کہتی ہیں۔ اُٹھانے ہی بن پڑے گا مجھے یہ آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ضرور کوئی نہ کوئی خرابی اُٹھ کھڑی ہوگی۔ عدالت تک نوبت پہنچ گئی تو معاملہ بہت نازک ہو جائیگا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔" فرخ کوٹھی کے برآمدے پر چڑھ کر سونے کے کمرے میں داخل ہوا۔ اور پردے کے پاس ہٹانے کے لئے ہاتھ لے ہی گیا تھا کہ کچھ سمجھ میں آنے والی باتوں نے جو مہدی اور مشتاق آپس میں چپکے چپکے کر رہے تھے۔ اس کا ہاتھ روک دیا۔ اور دم سادھ کے چپ چاپ کھڑا ہو کر وہ ان باتوں کو سننے لگا۔

مشتاق "۔ آپ اُن کے بھائی ہیں۔ بے شک آپ کی خواہش نہیں ہے۔"

مہدی "۔ مجھے دعوے کرنے میں تو بہت تامل ہے۔ مگر نہ کروں گا تو آخر کروں گا کیا؟"

مشتاق "۔ فرخ نہایت نیک نیت اور معقول آدمی۔ بغیر کسی رنجش کے تصفیہ ہو جائے تو کچھ عجب نہیں۔"

مہدی "۔ کوشش کیجئے۔ آپ تو کہتے ہی ہیں کہ فرخ کے مزاج میں

مجھے بہت دخل ہے۔ میری رائے میں آپ ہی اس معاملے کو اُن سے چھیڑیں تو مناسب ہوگا۔"

مشتاق "میں! بہتر۔ بھلے میں کل ہی موقع دیکھ کر ذکر کردوں گا مگر مناسب۔"

اتنا سُن کر فرخ نے آہستہ سے پردا اُٹھا کر اندر قدم بڑھایا۔ چاپ پاتے ہی مہدی اور مشتاق دونوں یکبارگی چونک پڑے۔ مشتاق چپ ہو کر فرخ کی صورت دیکھنے لگا۔ اس کے علاوہ مہدی بھی اس بات کے دریافت کرنے کے لئے کہ فرخ نے یہ باتیں سُنیں تو نہیں؛ اس کے چہرے پر غور کر کے نگاہ دوڑانے لگا۔ پھر ایک سرسری نظر اندازی کے بعد مشتاق نے ندامت کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی ٹیڑھی آنکھیں جھکالیں جن کی شعاع گز بھر سامنے بائیں جانب ہٹ کر زمین پر پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر تک کوٹھی میں سناٹا رہا جس کو گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ نے مٹایا۔ جو کوٹھی کے زینوں کے برابر لاکر کھڑی کی گئی۔ فرخ گھنٹی بجا کر جو میز پر رکھی تھی۔ بغل کے اس کمرے میں جو کپڑے پہننے کے لئے موضوع تھا، چلا گیا۔ آدمی فوراً آیا۔ اور مہدی کے اشارے کے موافق اسی کمرے میں جاکر فرخ کو کپڑے پہنانے لگا۔ ایک گرمی کا سوٹ زیب بدن کر کے فرخ اپنے سوتیلے بھائی کو ساتھ لے کر سوار ہوگیا۔ مشتاق بھی اُٹھ کر کسی اور طرف کو راہی ہوا۔

چوتھا باب

موسم بہار کی چاندنی رات کا دل فریب سماں بندھا ہوا ہے۔ ہوائے سرد کے ہلکے ہلکے خوش گوار جھونکے چاروں طرف اُن لہراتی ہوئی زلفوں کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں جو رُخِ جاناں پر بکھری ہوں۔ ماہتاب کا چمکدار عکس گورے رخساروں سے مایوس ہو ہو کر کسی خوشنما کوٹھی کی سفید استرکاری کی ہوئی دیواروں سے ٹکرا رہا ہے۔ مضبوط اور اونچا پشتہ جو کوٹھی کے مسطح صحن کے خاتمے پر ہے۔ مستانہ ادائی کے ساتھ ساتھ چاند کی دلگیر روشنی پر رہ رہ کے چلنے والی موجوں کے تھپیڑے کھا کھا کر ہجراں نصیبوں کو کسی کے ڈھیلے ہاتھوں کی مار یاد دلا رہا ہے۔ دور تک موجیں لے لے کر بہتا ہوا پانی اپنے نشیب و فراز سے ماہتاب کی کھِل کھِل کر چمکنے والی شعاعیں ہزاروں پہلوؤں سے دکھا دکھا کر آسمان کو زمین کی اُن صلاحیتوں کا نمونہ دکھلا رہا ہے۔ جو حسنِ مہوشاں کو لاکھوں بناؤ کے ساتھ ظاہر کرتی ہیں۔ دریا کی شوخ ادا لہریں جب چاندنی کی سنہری چادر اوڑھ کر

جھوم جھوم کے چلنے لگتی ہیں، تو بادخشک کے گستاخ جھونکوں کے بے خود ہو کر چھیڑ بیٹھنے سے اس جگمگاتی چادر ہی کے نیچے اُن کا مچل مچل جانا کسی افشاں چنی ہوئی جبین نازکے چین آشنا ہونے کا لطف یاد دلاتا ہے اس پار نگاہوں کو بڑی وسعت کے ساتھ سیر کرانے والی ریت باغِ نیچر کی نہایت ہی دلچسپ نمائش گاہ ہو رہی ہے۔ جہاں قدرت نے پُر شوق اور بلند پرواز نگاہوں کی بآسانی سیر کرنے کے لئے نکھری چاندنی کا اُجلا اور صاف فرش بچھا رکھا ہے۔ کوٹھی کے صحن کا مربع حلقہ نظر فریب پھولوں کے نافذوں کی سڈول قطار سے آراستہ کیا گیا ہے۔ ٹھنڈی ہوا جو کوٹھی کے دروازوں سے نکلتی ہے، جگمگاتی ہوئی موجوں پر فریفتہ ہو کر از خود رفتگی کی شوخیوں کے ساتھ دریا کی سطح پر سیر کرنے لگتی ہے۔ اس کی تازگی کسی اور پُر فضا کی خبر دیتی ہے۔ جو قریب ہی کوٹھی کے کسی دوسرے پہلو پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ آسمان بالکل صاف ہے چاندکی روشنی قدرت کے خوش نما و نورانی نقش و نگار کو جو بکھرے ستاروں نے آسمان پر بن گئے ہیں۔ مٹائے دیتی ہے۔ بے شمار متوازی خطوں کا سلسلہ دکھا کر آسمان دریا کے اس پار کی چین آشنا رنگ کا مقابلہ کر رہا ہے کوٹھی کے ایک وسیع صحن میں ایک مسہری بچھی ہے جس پر کوئی شخص اس خاص مقام کی چاندنی کے لطف کو اجنبی اور نہ سیر ہونے والی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ مگر چاند کے خوشنما موقعوں کی طرف اس کی رُک رُک کر پڑنے والی نگاہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ اگر متفکر نہ ہوتا تو جی بھر کے لطف

اُٹھاتا۔ یہ ہمارے مہذّب نوجوان "فرخ" کا خوف دلانے والا "مہدی" ہے۔

فرخ اور مہدی رات کو واپس آئے۔ گھنٹہ بھر کی صحبت کے بعد کھانے سے فراغت پاکر فرخ محل سرا میں گیا۔ مہدی کے لئے اس کی خواہش کے موافق کوٹھی کے اس مختصر او نچے صحن میں مسہری بچھادی گئی۔ جو لب دریا تھا۔ جو دلچسپ سماں اس مقام پر نظر آرہا تھا۔ وہ شاید مہدی کو کسی اور جگہ نصیب نہ ہو سکتا تھا۔ مگر فکروں نے اس کے دل کو کسی لطف کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیا۔ اس نے موقع پاکر دل ہی دل میں سوچنا شروع کیا اور اپنے اُس خاص معاملے میں غور کرنے لگا۔ جس کے لئے وہ دہلی میں آیا ہے۔

"فرخ آج میری باتوں سے کھٹکتا ضرور ہوگا۔ اسکو یقین ہوگیا کہ میں اسے کسی بڑی پریشانی میں ڈالنے آیا ہوں۔ میرا دعوٰی سراسر صحیح ہے۔ کوئی میرے حق کو مٹا نہیں سکتا۔ مگر فرخ کا تمام خاندان میری جان کا دشمن ہو جائے گا۔ مجھے اسکے خاندانی عزیزوں کے ہاتھوں بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کرنے پڑینگی۔ عدالت میں بھی سمجھ نہیں سکتا کہ مجھے جیتنے کی کہاں تک امید رکھنا چاہیے۔ تمام عملہ بلکہ شاید حاکم کو بھی میرے مقابلے میں فرخ ہی کے ساتھ ہمدردی ہوگی۔ فرخ کے چچا مالدار ہیں۔ اس مقدمے میں کوئی تعجب نہیں کہ وہ لوگ بھی اپنے روپئے سے اسکی پوری شرکت کریں۔ میں بالکل تنہا اور بے یار و مددگار

ہوں۔ اتنا روپیہ بھی میرے پاس نہیں کہ فرخ کے پورے خاندان کا چند روز مقابلہ کرسکوں۔ افسوس مجھے یہاں کوئی گواہ بھی نہ مل سکے گا۔ بمبئی سے گواہوں کے طلب کرانے میں صرف بہت زیادہ پڑیگا۔ مگر کچھ ہو میں اپنے ارادے سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں اپنے تئیں ایک مستقل مزاج اور اپنی غریب دکھیا ماں کی آرزوئیں پوری کرنے والا شخص ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہاں اب مجھے فرخ کے یہاں رہنا بھی نہ چاہیئے اوّل تو وہ خود اس بات کو دل سے گوارا نہ کریگا۔ دوسرے مجھے اب اپنے دشمنوں سے بچنا چاہیئے۔ فرخ کے مزاج سے ایسا امر نا ممکن ہے۔ لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔ کل مشتاق فرخ سے اس بات کا ذکر کرکے اس کا منشا دریافت کرے گا۔ میں اس سے پوچھ کر کل ہی شام تک یہاں سے اُٹھ جاؤنگا۔ مشتاق کو ملائے رکھنا چاہیئے۔ اس سے بہت مطلب نکلیں گے۔ مجھ سے اُس سے آج جو باتیں ہو رہی تھیں وہ فرخ نے سُن ضرور لی ہیں۔ بے شک اُس سے بدگمان ہو گیا ہو گا۔ کل صبح میں یہاں کے بعض وکیلوں سے ملوں گا۔ دیکھو وہ کیا رائے دیتے ہیں"۔

اسی فکر میں پڑے پڑے مہدی کی آنکھ لگ گئی۔ تڑکے ہی مہدی کی آنکھ کھلی۔ مسہری سے اُٹھ کر وضو کے لئے کوٹھی کے سامنے دریا کی جانب اُن پختہ سیڑھیوں سے اُترنے لگا۔ جو پانی کے اندر تک چلی گئی تھیں۔ غیر متعصب نوجوان مہدی کو اپنے ہموطن ہندو بھائیوں کے پاک چشمے کا حال ایسا معلوم ہوا کہ نماز صبح کے وضو سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہر کر دریا

کے چاروں طرف نگاہ دوڑانے لگا۔ بڑوس کا عالی شان شوالہ جس میں سے اگلی مقدس زبان سنسکرت کے صبح کی ہواہیں گونجتے ہوئے الفاظ سُنے جاتے تھے۔ کسی خوش اعتقاد حور وش صنم پرست کے شکن پڑے اور پھیلے ہوئے آنچل کی طرح لمبے سمٹ سمٹ کر جھکتے ہوئے زینوں سے مذہبی اداؤں کے ساتھ گر گرا کر باغ حسن کے نو شگفتہ پھول جمنا کی نذر کر رہا ہے۔ مہدی نے اندازاً بیس منٹ تک یہ دلچسپ سیر دیکھ کر وضو کیا۔ اندر جا کر نماز سے فراغت کی اور کوٹھی کے بائیں باغ میں ٹہل ٹہل کر ان باتوں پہ غور کرنے لگا، جن کی فکر میں رات کو سویا تھا!

"مجھے اب اپنی حقیقت کا دعویٰ کرنا ہی ہے۔ تاخیر سے کیا فائدہ؟ آج ہی کسی وکیل سے مل کر کارروائی شروع کر دوں گا۔ ہاں پہلے مجھے یہاں سے اُٹھنے کی فکر کرنا چاہیے۔ آج ہی اُٹھ بھی جاؤں گا۔ اتنے میں سامنے سے ایک روز بیشتر کے دوست نونہالان چمن ٹیڑھی نگاہ سے نظر لگائے ہوئے دکھائی دیئے۔ جن سے سلام کے بعد مہدی نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔ جب معمولی مزاج پرسی سے فراغت ہو چکی تب وہ کوٹھی میں مہدی کی رائے کے موافق اس نیت سے جا بیٹھے کہ فرخ کے باہر آتے ہی مہدی کے ارادوں کی اطلاع دیکر اس کا منشا دریافت کریں۔ فرخ کا ناموفق مہمان باغ میں ٹہل رہا تھا کہ وہ محل سرا سے برآمد ہو کر اپنی نشست کے معمولی کمرے میں آ کے ایک کرسی پہ بیٹھ گیا۔ جہاں مشتاق اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مشتاق سے صاحب سلامت ہو چکنے کے بعد

اِدھر اُدھر دیکھتے دیکھتے فرخ نے باغ کی ایک روش پر مہدی کو ٹہلتے دیکھکر فکرمندی کی وضع سے گردن جھکالی۔ مشتاق فرخ کو چپکا رہنے دینے کیلئے یہاں آکر نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی قدیمی پالیسی کے موافق کچھ رئیسوں کی خبریں بیان کرکے مہدی کا تذکرہ شروع کردیا۔

مشتاق ایک ہوشیار آدمی تھا۔ اور اس قسم کے لوگوں میں تھا جن کے ذریعے سے ایشیائی روسا کے درباروں میں لوگوں کی غرض نکلا کرتی ہے۔ گو اب فرخ اس قسم کا رئیس نہیں رہا تھا۔ مگر مشتاق نے اس کا منشا دریافت کرہی لیا۔

مشتاق کو تنہائی میں گفتگو کرکے جواب پالینے کے لئے کافی موقع دیکر مہدی بھی باغ سے واپس آیا۔ اور ہاتھ ملاکر سلام وغیرہ کے بعد فرخ کے داہنی جانب ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ مہدی نے اس وقت فرخ کو صرف متفکر ہی نہیں بلکہ اپنی جانب سے کچھ رکا ہوا بھی پایا۔ اس وقت فرخ کی صورت دیکھتے ہی وہ اس بات کا منتظر ہوگیا تھا۔ جو مشتاق اُس سے تنہائی میں بیان کرنے والا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد فرخ محل سرا اُٹھ گیا۔ شاید وہ تمام باتیں جو مشتاق کی زبان سے سُنی تھیں، ان کو اپنی ماں سے بیان کرنے گیا ہوگا۔ موقع پاکر مشتاق مہدی کی جانب متوجہ ہوا۔ جن کے شوق میں مہدی اس کے پاس جا بیٹھا۔

مشتاق۔ "میں نے تمام باتوں کا تذکرہ کیا تھا۔ فرخ پہلے بے پرواہی

کے ساتھ ٹالتا رہا۔ مگر آخر برہم ہو کر کہنے لگا۔ کہ مہدی میرا کچھ نہیں کر سکتے عدالت کبھی اُن کو کامیاب کرنے کی جرأت نہ کرے گی۔ گو شرعاً جائز ہو مگر ہمارے خاندان میں کبھی ایسا نہ ہوا۔ میری والدہ مہدی کے آنے کا حال سُن کر بہت برہم ہوئیں۔ نہ یہاں تک گوارا نہیں کرتیں کہ مہدی میرے یہاں ٹھہریں۔ اور اب یہاں سے اُٹھ جانا ان کے حق میں ضروری ہے میں تمام خاندان کو اس معاملے میں شریک کر سکوں گا۔ مہدی کو اس قسم کی جرأت کر کے سخت ندامت ہو گی"

"میں خیال کرتا ہوں کہ آپ اب یہاں سے کسی اور مکان میں جانے کا ارادہ کیجئے"

مہدی "میں بھی اس ارادے میں ہوں۔ گر آپ کو اس معاملے میں مدد دینی ہو گی۔ میں بالکل یکہ و تنہا ہوں"

مشتاق "(طمع آمیز خوشامد کے ساتھ) "میں تو خادم ہوں۔ جہاں فرمائیے ہمراہ چلنے کو تیار ہوں۔ مگر یہ امر فرخ کے خلاف ہو گا۔ بس اتنا"

مہدی "(بات کاٹ کر) "نہیں اُن کو کبھی اس کی خبر نہ ہو گی۔ میں ہر طرح آپ کی خدمت کو موجود ہوں (لہجہ بدل کر) اب چلنا چاہیئے۔ اسی لئے فرخ کے محل سرا جاتے وقت ہیں نے اُن سے جانے کی اجازت لے لی تھی" یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور مشتاق کا ہاتھ پکڑ کے کوٹھی کے باہر آ کر کہنے لگا۔

"چلو ابھی ٹھنڈا وقت ہے۔ شہر تک پیدل چلے چلیں۔ یہاں کوئی

گاڑی نہیں مل سکتی - شہر میں پہنچ کر کوئی کرلیں گے - فرخ کی گاڑی پر چلنا ٹھیک نہیں "

مشتاق - (دل میں) " یہ خست تو نہیں کرتا ہے ؛ مگر بے شک یہاں گاڑی نہیں مل سکتی - اسکے ساتھ رہنے میں فائدہ ضرور ہے - چلئے بھی چلو " (زبان سے) بسم اللہ اس میں مضائقہ بھی کیا ہے ؛ اور اس وقت تو پیدل ہی چلنے کا لطف ہے -

مہدی ، مشتاق کو ساتھ لیکر دہلی پہنچا - پہلے مشتاق کی صلاح کے موافق مولوی بشیر الدین وکیل ہائی کورٹ کے مکان پر جاکر اُن سے ملاقات کی - فرخ کے مقابلے میں ایک ایسے مقدمے کا مول لینا ، جو اس کے تمام خاندان کو جوش دلادے گا - اُن کے خلاف تھا - مگر مہدی کو سچا حقدار خیال کر کے انہوں نے وکالت منظور کرلی - محنتانہ طے پانے پر اسی وقت عرضی دعوٰی تیار ہو کر یہ رائے قرار پائی کہ آج ہی گزرجائے کورٹ فیس کی تعداد دریافت کر کے مہدی نے اپنے منی بیگ ٹکٹ جو بیشتر ہی اس نے لے رکھے تھے نکالے - ضرورت کے موافق چسپاں کردیئے - اور باقی پھر منی بیگ میں رکھ لئے -

اس کارروائی کو پورا کر کے مہدی نے اپنے لائق وکیل سے کسی عمدہ مکان کی درخواست کی جو عمدہ موقع پر ہونے کے علاوہ وسیع اور مختصر باغ کی وجہ سے پرفضا بھی ہو - چنانچہ شہر ہی کے اندر ایک خوش نما کوٹھی انہوں نے تجویز کردی - جس کے مالک سے گفتگو ہونے

کے بعد پچاس روپے ماہوار کرایہ بھی اُسی وقت طے پا گیا۔ مہدی نے مشتاق کو اِس کوٹھی میں بٹھلا دیا۔ خود ایک کرایہ کی گاڑی پر سوار ہو کر عدالت ہوتا ہوا (جہاں وہ عرضی دعویٰ گزارنے اور طلبانہ داخل کرنے کے لئے گیا تھا) فرخ کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ فرخ جو بڑے کمرے میں تنہا بیٹھا تھا، دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ مہدی فرخ کو بٹھا کر اسکے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فرخ۔ (ایک سست آواز سے) "فرمائیے کہاں کہاں جانے کا اتفاق ہوا"۔

مہدی۔ (رومال سے منہ پونچھ کر) "شہر میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ اور کہاں جاتا؟ ہاں ایک مکان چند روز کے لئے ٹھہرا لیا ہے۔ وہیں اُٹھ جانے کا ارادہ ہے۔ آپ کو نہایت تکلیف ہوئی۔ اب میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھے جانے کی اجازت دیں گے"۔

فرخ (اوپر کی زبان سے) جب تک آپ اس شہر میں تشریف رکھتے ہیں۔ اس وقت تک مناسب تو یہی تھا کہ آپ کی میزبانی کا فخر مجھی کو حاصل ہوتا۔ مگر صرف آپ کی تکلیفوں کا خیال کر کے میں زیادہ اصرار نہیں کر سکتا"۔

مہدی۔ (اس طرح پر جس طرح کوئی بڑی چبھتی بات کہی جاتی ہے) "نہیں، میں یہاں سے اُٹھ جانے کے بعد بھی، اگر آپ کو ناگوار نہ ہوگا۔ تو معمولاً حاضر ہوتا رہوں گا۔ اپنے اس قول کو جو میں نے پیشتر عرض کیا تھا۔

کبھی نہ بھولوں گا۔ کہ بغیر اپنے والد کے جانشینوں سے ملے ہم دنیا میں اپنا نام کسی کے سامنے نہیں پیش کر سکتے۔ مجھے یقین ہے، آپ مجھے بھلائیں گے نہیں"۔

فرخ یہ جملہ سُن کر حیران سا رہ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مہدی رخصت ہو کر گاڑی پہ سوار ہوا۔ اور دم بھر میں اُس نئے مکان میں جہاں مشتاق کو بٹھلا آیا تھا پہنچ کر اُتر پڑا۔ مہدی نے اپنے حوائج ضروریہ کے لئے میز کرسی اور فرش اور شیشہ آلات کی قسم کے کچھ سامان کرایہ پہ منگوا لیا چار روز کے بعد ریلوے گودام سے اس کا اسباب بھی مل گیا۔ جس نے کرائے کے سامان میں سے اُسے بہت کم چیزوں کا محتاج رکھا۔ مہدی نے دو خدمت گار ایک باورچی اور بہرے کے لئے دو جوان نوکر رکھ لئے۔ اسکے ساتھ فرخ کی کوٹھی کے یادگار دوست (مشتاق) وہیں رہنے لگے۔ اس سے پیشتر ذرا فرخ کی مروت تھی۔ اب وہ بھی نہیں رہی۔

پانچواں باب

ہوا میں کچھ کچھ گرمی پیدا ہونے لگی ہے۔ آفتاب آسمان کے مشرقی کنارے پر ذرا بلند ہو گیا ہے۔ دھوپ کا سنہرا رنگ ہلکی تیزی کی وجہ سے آنکھوں کو ناگوار گزرنے لگا ہے۔ بلند پرواز طیور بسیرا چھوڑ اونچے ہو جاتے ہیں۔ بالوں کے دمکتے ہوئے ذرے نگاہوں میں کھٹکنے لگے ہیں۔ پھولوں کے نازک رخساروں کا پسینہ خشک ہوا ہے۔ مگر مہوشوں کی گوری پیشانیاں عرق آلود ہوتی جاتی ہیں۔ غنچوں کے ہنسی کے لئے پھیلتے ہوئے باریک ہونٹوں پر خشکی سی آگئی ہے۔ جوانانِ چمن بہارِ صبح کو رخصت کر کے اُداس ہو گئے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ مشغول ہیں۔ فرخ اپنی کوٹھی میں تنہا بیٹھا ہے۔ مہدی کا بُرے بُرے نتائج یاد دلانے والا خیال کسی دل دکھانے والے ہمصحبت کا کام دے رہا ہے۔ آج فرخ محل سرا سے برآمد ہونے کے بعد خلافِ دستور کوٹھی میں بیٹھا نظر آتا ہے

کیونکہ اس کا معمولی دل بہلانے والا مصاحب "مشتاق" اس کوٹھی میں
ہے جو کئی روز ہوئے مہدی نے کرائے پر لی ہے۔ تنہائی میں گھبرا کر فرخ
نے اپنے دل سے یوں باتیں شروع کیں۔

"مشتاق نے یقیناً مجھے چھوڑ دیا۔ جب ہی دو روز سے اس کی
صورت نہیں دکھائی دی۔ خیر اب دیکھئے مہدی کیا کارروائی کرتا ہے
اسکی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارادے سے باز آنے والا
شخص نہیں ہے۔ کیا عجب جو اس نے کوئی کارروائی شروع کی ہو۔!
یہاں سے اُٹھ جانے کے بعد اب وہ بالکل آزاد ہو گیا۔ اس کو کچھ
میری مروت نہ رہی ہو گی۔ اور بے شک مکان سے اُٹھا دینے کے بارے
میں میں نے اس سے بے مروتی کی۔ ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ مگر میں اپنی
ماں کو کیا کرتا۔ وہ کسی طرح راضی ہی نہ تھیں۔ یہ بات سخت بے جا تھی۔"

سامنے سے کوئی چپراسی آتا ہوا نظر پڑا۔

"یہ کون شخص ہے؛ خدا جانے کہاں سے آیا ہے؟"

چپراسی آدمیوں سے دریافت کرکے کوٹھی کے اندر آیا۔ اور فرخ
کو سلام کرکے کہنے لگا "حضور سمن آیا ہے۔"

فرخ۔ (چونک کر) "سمن! سمن کیسا! کیا کسی اور قرض خواہ نے
نالش کر دی۔ (ہاتھ بڑھا کر) لاؤ، دیکھوں تو سہی۔"

چپراسی نے بڑھ کر سمن ہاتھ میں دیدیا۔

فرخ۔ (خوب غور سے پڑھ کر) "لو وہی ہوا جو میں کہتا تھا۔ تھوڑی

دیر فکر میں مستغرق رہ کر دوسری پشت پر دستخط کر دیا۔ اور بڑھکر گھنٹی جو میز پر رکھی تھی۔ بجا کر وہیں رکھدی۔ آدمی حاضر ہوا، جس کو دیکھکر چپراسی کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا " اس کو کچھ انعام دلوادو " آدمی چپراسی کو ہمراہ لے کر چلا گیا۔

فرخ۔ (دل میں) " میں تو پہلے ہی سمجھا ہوا تھا۔ سمّن خالی میرے نام نہیں آیا ہے۔ یقیناً میرے اور بھائیوں کے نام بھی گیا ہوگا۔ وہ بھی برہم ہونگے اب اسکے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کہ اپنے دونوں چچاؤں اور بھائیوں اور عزیز واقارب کو جمع کر کے خاندانی غیرت دلاؤں۔ سب میں ایک سخت جوش پیدا کر دوں۔ اچھا اس وقت چل کر والدہ سے تو اس کا ذکر کر دوں "

یہ کہہ کر فرخ اُٹھ کر محل سرا میں چلا گیا۔ ماں سے مہدی کے اُٹھا دینے کا حال بیان کر کے کہا۔ " آج میرے نام کا سمن آیا ہے۔ یہ مقدمہ عدالت میں پہنچ گیا ہے۔ اب بہت طول کھینچے گا "

ماں۔ (گھبرا کر) پھر بیٹا کیا کیا جائے ؟ یہ تو بڑی خرابی ہوئی ! ایک تو یوں ہی جو طرف سے مہاجن دم نہیں لینے دیتے۔ یہ نئی مصیبت جو سر پر آ پڑی ہے، اس میں کیا تدبیر کی جائیگی ! خدا کے لئے تم آج ہی اپنے چچاؤں کو بلواؤ۔ بغیر اُن کی رائے لئے کچھ نہ بنے گا "

فرخ " اُن سے تو رائے لی ہی جائے گی۔ مگر میرے نام سمن آیا ہے تو میرے بھائیوں کے نام بھی گیا ہوگا۔ گو وہ دشمن سہی۔ لیکن اس بارے میں

ان کا شریک کر لینا ضروری ہے اور وہ خود شریک ہونگے - یہ کچھ روپے پیسے کا معاملہ نہیں ہے، خاندانی عزت کا ہے۔"

ماں - (منہ بنا کر) "لے وہ کیا کریں گے! کسی کام کے ہوتے تو آج رونا کاہے کو ہوتا۔"

فرخ - "جی نہیں وہ ضرور اس بارے میں کوشش کرینگے - آپ گھبرائیے نہیں - خدا کچھ بہتر ہی کرے گا۔" (بدن سمیٹ کر اکڑ و بیٹھ کر) اچھا تو میں جاتا ہوں۔"

ماں - "بسم اللہ کرو - دیکھو اپنے دونوں چچاؤں کو اسی وقت خبر کرو۔"

فرخ - (کھڑا ہو کر) "میں خود جاتا ہوں، ابھی خبر کئے دیتا ہوں بلکہ شام کے آنے کا وعدہ بھی لیتا آؤں گا - باہر آکر فرخ نے گاڑی تیار کرائی اور سوار ہو کر اپنے دونوں چچاؤں کے پاس جا کر سمن دکھلا کے شام کو بلایا - اُن سے یہ بھی کہتا آیا کہ جہاں تک بن پڑے اُس کے بھائیوں کے بلوانے کی بھی کوشش کریں - اسکے بعد اور عزیزوں کے گھر پر جا کر اُن سے بھی شام کا وعدہ کرا لیا - اور اپنی کوٹھی میں واپس آیا تنہائی میں وحشت نے ایسا گھیرا کہ مسہری پر جا کر لیٹا - پڑے پڑے آنکھ لگ گئی - اُن افکار سے جو اُس کے دل سے دیر تک جدا ہے تھے نہ رہا گیا، ہجوم کر کے چار بجے کے قریب جگا ہی دیا - ہاتھ منہ دھو کر فرخ نے اپنے معمولی کپڑے پہنے اور باغ میں ٹہلنے لگا - مغرب کے بعد

اُس کے چچا اور بعض عزیز جن میں مدت کے بعد اُس نے اپنے نامہربان بھائیوں کو بھی دیکھا۔ آکر جمع ہوئے۔ سب لوگ محل سرا میں بیٹھے جہاں فرخ کی ماں نے اپنے جیٹھوں سے تازہ مصیبت کا ذکر کیا۔ فرخ نے سمن سب کو دکھا کر کہا۔

"یہ کوئی معمولی معاملہ نہیں ہے۔ اس میں ہماری خاندانی عزت کو بہت کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ ہم سب لوگوں کو مل کر اس مصیبت کے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے بھائیوں کو ابھی جن کو خوش نصیبی سے میں یہاں موجود پاتا ہوں۔ مجھ سے اور آپس میں اسی طور سے اتفاق کرنا چاہئے۔ جس طرح حقیقی بھائیوں کو مناسب ہے۔"

فرخ کے ایک چچا نے اپنے پوپلے منہ کو حرکت دیکر کہا۔

"میں اس میں ہر طرح شریک ہوں۔ روپیہ ایسے ہی معاملے میں کام آنے کے لئے ہے۔ تم پریشان نہ رہو۔ اور تمہارے بھائی اتفاق کرینگے یہ ایسے ناسمجھ نہیں ہیں۔"

دوسرے چچا نے اپنے ہلتے ہوئے سر کو ذرا اُٹھا کے، اُگالدان میں کتا ہوا پان منہ سے اُگل کر کہا۔

"ہم کو کیونکر گوارا ہوگا کہ مرحوم بھائی کی عزت میں ذرا بھی دھبہ آنے دیں۔" اس کے بعد اور سب عزیزوں نے بھی شرکت کا اقرار کیا خاندان کے دو بزرگوں کی مخالفت کے سوا فرخ کے دونوں بھائیوں کے اور کسی سے امید نہ تھی۔ اس لئے فرخ نے پھر ایک مرتبہ اپنی

زبان سے موثر الفاظ ظاہر کئے۔

فرخ۔ (اونچی آواز سے رو رو کر) "صرف شریک ہی نہیں بلکہ ہم لوگوں میں ایک خاندانی جوش پیدا ہونا چاہئے۔ ہم میں سے ہر ایک کے امکان میں جہاں تک ہو وہ ہمارے خاندان کے صدمہ پہنچانے والے کو ضرر رسانی کے متعلق کوئی بات اُٹھا نہ رکھے۔"

فرخ کا ایک بھائی (شرمندگی کے لہجے میں) "ہمارے امکان میں کیا ہے، مگر اس بارے میں ہم اپنے نیک نام بھائی کی ہرگز مخالفت نہ کرینگے۔"

دوسرے بھائی نے بھی اپنا جوش ظاہر کیا۔

آخر الامر رائے قرار پائی کہ صرف جوابدہی نہیں، بلکہ جہاں تک بن پڑے مہدی کو تکلیفیں پہنچائی جائیں۔ اسکے بعد سب لوگ رخصت ہو ہو کر چلے گئے۔

چھٹا باب

دو گھڑی دن رہے کا وقت ہے۔ گرمی کی تپش کم ہونے لگی ہے۔ دنیا والوں سے رخصت ہونے کے لئے آفتاب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ کیونکہ شعاعیں میلی پڑتی جاتی ہیں۔ کہیں بچھڑوں کے ملنے کا انتظار ہے۔ کہیں فراق کی سر پہ آنے والی پہاڑ سی گھڑی کا خوف ہے۔ دل ربا مہمانوں کے لئے سامان ہو رہے ہیں۔ خس کی ٹٹیوں میں بیٹھنے والے مکانوں سے نکل نکل کر تفریح کو چلے ہیں۔ بازاروں کی چہل پہل کا وقت ہے۔ شہر کے سفید پوش بھی فوق البھڑک کپڑے پہنے۔ کشادہ سڑکوں پہ پھیلے ہوئے ہیں۔ سب قسموں کی ہندوستانی وضعداریاں مختلف سوسائیٹیوں کے نمونے دکھا رہی ہیں۔ رنڈیاں بناؤ سنگار کر کے کمروں کے برآمدوں پر آ بیٹھی ہیں۔ زندان آزاد منش کے جتھے مختلف مقامات پہ رُک رُک کر باغِ حسن کے ہر ہر پھول کا لطف اُٹھاتے پھرتے ہیں۔ چوری چھپے سے حسن نظر فریب کا مزہ لوٹنے والی نگاہیں اِدھر اُدھر دیکھ

کے لبِ بام جا جا کر فوراً پلٹ آتی ہیں۔ دو نوجوان سفید پُر تکلف کپڑے پہنے ایک کشادہ سڑک پر چلے جا رہے ہیں۔ دونوں صورت شکل کے اچھے ہیں۔ تیار اور کرارے بدن کا گورا پن اس مہین شربتی سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہا ہے۔ جو انگرکھوں میں استعمال کی گئی ہے۔ گول خوشنما چہروں سے ریاست اور عالی خاندانی ظاہر ہے۔ مہین لمبی بھویں، جو نہایت ہی بلندی کے ساتھ اُبھری ہوئی ناک کے بانسے سے جُدا کی گئی ہیں۔ چوڑی آبدار پیشانی اور بڑی بڑی سیاہ نرگسی آنکھوں کے درمیان میں بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لمبی لمبی باریک نوک دار پلکیں جو قدرتاً شرمندگی کی ادا کو زیادہ دل فریب ثابت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر معمولاً کروں پہ نگاہ دوڑانے کے لئے نہ اُٹھتی رہتیں تو بہت خوبصورت نظر آتیں۔ نگاہ کو لغزش دینے والی گولائی لئے ہوئے بھرے رخسارے بڑے دہانے کی مہین لمبی باچھوں سے کانوں تک نہایت چکنے پن اور نرمی کے ساتھ اپنا کھلتا ہوا گورا پن ظاہر کرتے ہیں۔ مگر تھوڑی لمبان کے ساتھ اوپر کو اُٹھی ہوئی ٹھڈی اور پتلے پتلے گلابی ہونٹوں کے درمیان کے مدور گہراؤ میں گورے رنگ پر سائے کے پڑنے سے ہلکے سانولے پن کا پیدا ہو جانا عجب دل فریبی کے ساتھ حسن کی نازک موجوں کا نمونہ دکھا رہا ہے۔ ٹھڈی کے نیچے گلے تک بھرا اور گدا گدا غبغب چہرے میں اس قسم کا بھاری پن پیدا کر رہا ہے جس کی شریفانہ وجاہت کے لئے شدید ضرورت ہے کہ ایک دانت دوسرے کی طرح

نوکیلے اور باہم ملے ہوئے جبیں ہیں۔ ان نوجوانوں کی وضع البتہ اس شائستگی اور متانت کے خلاف ہے۔ جو قدرت نے اُن کے چہروں پر پیدا کی ہیں - تجربہ کار نگاہوں کو اُن کے رئیسانہ اور شریفوں کے ایسے چہرے ایسی وضع میں دیکھ کر جو مہذب سوسائٹی میں معیوب خیال کی جاتی ہے، ان چہروں کی ناقدری پر افسوس آتا ہے۔ سیاہ اور کچھ کچھ خمدار سر کے بال خوبصورتی کے ساتھ لوؤں تک پہنچے ہیں۔ منڈی ہوئی ڈاڑھی اگر ہمیشہ ویسی ہی رہتی ہے جیسی اس وقت ہے تو غالباً نائی کے بلانے کے لئے کھونٹیوں کے نکلنے کا انتظار نہ کیا جاتا ہوگا - دونوں جانب موچھوں کی لمبی نوکیں بل دیکر بڑی خوشنمائی کے گھماؤ کے ساتھ اوپر کو موڑ دی گئی ہیں۔ سر پر ایک دوپلڑی ٹوپی ہے جس کی گوٹ کے برابر سنہری کلابتون کا حاشیہ چلا گیا ہے۔ ولایتی عمدہ چکن کے کرتوں پر دہلی کی وضع کے موافق شربتی کا نیچے دامنوں کا چست انگرکھا ہے جس میں دونوں بغلوں کے نیچے کمر توئی کے پاس چنت دی ہوئی ہے عمدہ نین سکھ کا تنگ مہری کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تک چلا گیا ہے جس میں بو تام نہیں ہیں۔ ان تمام وضع کے خلاف ایک کے پیر میں سیاہ وارنش کا ولائتی بوٹ ہے - اور دوسرا ایک قیمتی کامدار سلیم شاہی جوتا پہنے ہے۔ بہرحال تصویر چہرے اور وضع کا لحاظ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شریف اور نامی خاندان کے بگڑے یادگار ہیں۔ جس سے زیادہ قوم کے ہمدردوں کو کسی کا افسوس نہیں ہے۔ دونوں

کے ہاتھوں میں بانس کی مہندی میں رنگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ اور آپس میں باتیں کرتے چلے آتے ہیں۔

ایک (منہ پہ کچھ یونہی سا غصہ ظاہر کرکے) "ہم سب طرح سے بُرے ہی سہی۔ مگر خاندان کی بے عزتی نہ دیکھی جائیگی۔ مہندی چاہے ہمارے خاندان میں داخل ہو جائے، یہ کبھی نہ ہوگا۔"

دوسرا (جبیں بہ جبیں ہو کر) "اجی توبہ کرو۔ ہم بدمعاش تو مشہور ہیں ہی ہیں۔ چاہے ایک آدھ کا سر پھٹ جائے۔ فوجداری ہو۔ مگر مہندی کروڑ برس تک ہم میں نہیں مل سکتا۔"

پہلا (برافروختہ ہو کر) "فوجداری کیسی! یہ نہیں کہتے کہ ایک آدھ کی جان جائے۔ ہم مہندی کی جان تک میں بند نہیں ہیں۔"

دوسرا (آپ سے آپ) "اب تو ہونا ہی ہے، وہ ہمارا کرہی کیا لیگا۔ سو تدبیریں معلوم ہیں۔ ابھی کسی کو لگا دیں تو سلیکڑوں جوتے پڑ جائیں۔ اور بچا کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ تھا کون!

پہلا (تیز ہو کر) وہ ہے کیا۔ مال لاحول و لاقوۃ (لہجہ بدل کر) اچھا لاؤ۔ اسکے جوتے ہی لگا دیں۔ لے اسکے نانے گا۔ ہم بڑے آغا کے وہاں چلتے ہیں۔ تم اسکی کوٹھی پہ جا کر کسی چیلے وہاں تک لگا لاؤ۔ کہنا بمبئی سے ایک نیک بخت آئی ہیں۔ بیچاری بہت غریب ہیں۔ آپ سے کچھ کہنا ہے۔ بلللہ چلیے چلیے۔ جسطرح بن پڑے خوشامد در آمد کرکے لے ہی آنا۔ وہاں تک آجانا چاہیئے۔ پھر ہم سب مل کر

مردود سے سمجھ لیں گے۔" یہ صلاح ٹھہر گئی تو ایک سڑک کے داہنی جانب ایک تیلی گلی میں چلا گیا۔ اور دوسرا جلد جلد قدم بڑھا کر مہدی کے وہاں پہنچا۔ مہدی اسوقت تنہا اپنی کرائے کی کوٹھی کے مختصر پائیں باغ میں ٹہل رہا تھا۔

مشتاق کسی ضرورت سے بازار گیا تھا۔ اس نے جا کر مہدی کو سلام کیا۔ اور نہایت ہی خوشامد کے لہجے میں کہا۔

"اس وقت ایک ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ذرا تکلیف کرنا ہوگی۔ بمبئی سے ایک نیک بخت آئی ہیں۔ انہیں آپ سے کچھ کہنا ہے۔ شاید کسی نے کچھ پیغام دیا ہوگا۔ پہلے فرخ کے وہاں پتہ لگا تھا۔ جا کر معلوم ہوا کہ آپ کہیں اور اُٹھ گئے ہیں۔"

"یہ فرمائیے آپ کا نام مہدی ہے نا؟"

مہدی (غور کے ساتھ صورت دیکھ کر) "ہاں مہدی تو میرا ہی نام ہے۔"

نوجوان "بڑی مشکلوں سے پتہ لگا کر یہاں تک آئے ہیں۔ ہاں تو انہوں نے کہا ہے کہ ذرا کھڑے کھڑے یہاں ہو جائیے۔"

مہدی "میرے پاس بمبئی سے اس قسم کے پیغام کا آنا تعجب کی بات ہے اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھے انکار نہیں۔ چلنے کو حاضر ہوں (سامنے سائیس کو دیکھ کر) گاڑی تیار کرو۔"

نوجوان۔ "دو قدم پر تو منجی ہی ہے۔ گاڑی کی کون ضرورت ہے"۔

مہدی "(سائیس سے)" اچھا رہنے دو"۔

یہ کہہ کر مہدی نے کپڑے پہنے۔ اور اپنے اجنبی ملنے والے کے ساتھ ہولیا۔ مہدی جوں جوں راستہ طے کرتا جاتا تھا، اس کو تعجب معلوم ہوتا تھا کہ باوجود سڑک ہونے کے اسے پیدل چلنے کی کیوں تکلیف دی گئی۔ (دل میں)، ظاہرا کچھ ایسا نہ دیک بھی نہیں معلوم ہوتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ پیادہ پائی کو سواری پر کیوں ترجیح ہے"۔

مہدی ایک اجنبی شخص کے ساتھ چلا جاتا تھا کہ سامنے سے اُس کا دوست مشتاق نظر پڑا۔ جس نے ایک حیرت کے ساتھ اس شخص پر نگاہ ڈالی۔ مشتاق نے بڑی سرعت کے ساتھ بڑھ کر مہدی کے کان میں کچھ کہا۔ جس کے سنتے ہی مہدی ذرا تشویشناک ہو کر رُک گیا اور پھر مشتاق کو ہمراہ لے کر آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگا۔ گویا وہ گہری فکر کے باعث چلنا بھی بھولا جاتا تھا۔

مشتاق پہچان گیا تھا کہ مہدی کے ساتھ کون شخص ہے۔ اُس نے مہدی کے کان میں کہا تھا کہ "یہ فرخ کا بدمعاش بھائی ہے۔ ہوشیار رہنا۔ آخر چلے کہاں؟"

مہدی دونوں کے ساتھ جاتے جاتے ایک اور سڑک کے نکڑ پر پہنچا مہدی کے دشمن ہمراہی نے مڑنا چاہا۔ مگر مشتاق کی رائے ہوئی کہ "آگے بڑھ کر دوسری سڑک پر مڑیں گے"۔ مہدی نے بھی اس رائے کی

موافقت کی۔ اور دونوں کو ہمراہ لے کے آگے بڑھا۔ پولیس کی ایک چوکی کے قریب پہنچکر مہدی نے رُک کے اس نئے ہمراہی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کی عقلمندی سے بعید ہے کہ باوجود اس قدر مسافت کے آپ نے گاڑی کی ممانعت کر دی" جس پر مشتاق بول اُٹھا۔ میری رائے میں تو آج کا جانا ملتوی کیا جائے"

نوجوان (بگڑ کر) "واہ یہ خوب کہی! اب اتنی دور آئے ہیں تو چلے ہی چلنا چاہئے۔ پلٹ جانے سے کیا فائدہ؟"

مہدی۔ "اوّل تو آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ کہ گاڑی پر نہ چلنے میں آپ کے نزدیک کیا مصلحت تھی۔ دوسرے بخلاف آپ کے وعدے کے وہ مقام جہاں آپ مجھے لئے چلتے ہیں دور نکلا۔ اب میں جانا ہرگز نہیں پسند کرتا۔ آپ نیک بخت کو فنس میں سوار کر کے میری کوٹھی پر بھیجدیجئے۔ جو کچھ کہنا ہو گا کہہ لیں گی۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

نوجوان۔ "اب سامنے ہی تو ہے۔ ذرا ہو لیجئے۔"

مہدی۔ "میں اب ہرگز نہ جاؤں گا۔"

نوجوان۔ (غصے کی نگاہ سے) "خیر کیا مضائقہ ہے پھر سمجھا جائیگا۔" اسی قدر اس کی زبان سے نکلا تھا۔ کہ مہدی نے جھپٹ کر زور سے اس کے بازو پکڑ لئے!

نوجوان۔ (چھڑانے کے لئے جھٹکے دیکر) اچھا آپ جانیئے میں جاکر

انھیں بھیج دوں گا۔"

مہدی "جانا کیسا؟ اب آپ پولیس میں تشریف لے چلئے۔ یہ کہہ کر مہدی اسے تھانے میں لے گیا۔ تھانے دار کے حوالے کر کے کہنے لگا۔

"اس نے ہمارے یہاں کمرے میں ایک بڑے لیمپ پہ ہاتھ بڑھایا تھا؛ آدمی کی نگاہ پڑ گئی اس نے فوراً گرفتار کر لیا۔ اس لئے ہم اسے پولیس کی حراست میں دیتے ہیں۔ تاکہ اس کا چالان کر دیا جائے مجسٹریٹ کے یہاں ہم پوری شہادت پیش کر سکتے ہیں۔"

پولیس فرخ کے بھائیوں کی شرافت اور وجاہت سے خوب واقف تھا۔ لہذا تھانے دار کو مہدی کی سماعت کرنے کی کسی طرح جرأت نہیں پڑتی تھی۔ مگر مہدی کی دلائی ہوئی اُمیدوں اور کچھ اس کی قانونی دھمکیوں نے اسکو مجبور کر دیا تھا۔ آخر پولیس نے فرخ کے اس بدمعاش بھائی کو ماخوذ کیا۔ مہدی تفصیلی رپورٹ لکھوا کر مشتاق کے ساتھ اپنی کوٹھی کو واپس آیا۔

اس بلا سے بڑی کامیابی کے ساتھ نجات پا کر مہدی مشتاق کا بڑا ممنون ہوا جو ایسے نازک وقت اسکے کام آیا۔ مگر اب وہ سخت تشویش میں پڑ گیا۔ جب رات زیادہ آئی۔ کھانے وغیرہ سے فراغت پا کر مسہری پہ جا کے لیٹ گیا۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا۔

"اب یہ لوگ اور قسم کی کارروائی پہ آمادہ ہوئے ہیں۔ اگر مجھے اپنی عزت اور جان بچانا ہے تو ہوشیار رہنا چاہئے۔ آج خدا ہی نے

بچالیا۔ مگر انشاء اللہ تعالےٰ اب کسی کے فریب میں نہ آؤنگا۔" آنکھ لگ گئی۔

صبح کو تقریباً آٹھ بجے کوٹھی کے مالک نے مہدی سے آ کر ملاقات کی اور کہا "بہت مناسب ہوگا اگر آپ اس کوٹھی سے اُٹھ جائیں۔ آپ کا قیام میرے اکثر دوستوں کے خلاف ہے۔"

مہدی۔ (حیرت کے ساتھ) "آپ کے وہ کون دوست ہیں جن کو میرا رہنا ناگوار ہے۔"

مالک مکان "آپ کو اس سے کیا غرض؟ آپ کا رہنا مجھے نامنظور ہے چلئے فراغت ہوئی۔ وہ کوئی دوست ہوں۔"

مہدی "ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ آپ مجھے میرے قابل مکان دیجئے ورنہ تا وقتیکہ میں دوسری کوٹھی نہ مہیا کرلونگا ہرگز نہ اُٹھونگا۔ آپ قانوناً مجھے مجبور نہیں کرسکتے۔"

مالک مکان۔ (برہم ہو کر) "اجی قانون کیسا! ہمارا مکان ہے۔ ہم نہیں رہنے دیتے۔"

مہدی۔ (بے پرواہی کے ساتھ) "ہم کبھی نہ اُٹھیں گے۔ آپ جائیے نالش کیجئے۔"

مالک مکان (سخت غصہ کر کے) "اچھا آپ نہ اُٹھئے آخر! یہ کہکر چلا گیا۔

مہدی (مشتاق سے جو سامنے بیٹھا تھا) "یہ سب فرخ کے عزیزوں کی شرارتیں ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں مجھے بڑی بڑی مصیبتیں برداشت کرنا پڑینگی۔

مشتاق "خیر دیکھا جائے گا۔ ہمیں اب خوب سوچ سمجھ کر کسی امر میں جرأت کرنا چاہئے۔ ورنہ زک اُٹھائیں گے۔"

ساتواں باب

اندھیری رات ہے۔ اندازاً دس بجا چاہتے ہیں۔ چاروں طرف تاریکی چھائی ہے۔ ستارے خوب کھِلے ہیں۔ جگمگاتے ہوئے اجرامِ فلکی کی بہار دیکھنے کے قابل ہے۔ نگاہیں اندھیری میں بھٹکی پھرتی ہیں بوئے گل آسمان کی نگاہِ بد سے بچ بچ کر پری رخوں کے دماغوں تک پہنچتی ہے ٹھنڈی ہوا کی سنسناہٹ کسی مستانہ روی کے ساتھ آنے والے کا دھوکہ دے کے پرشوق نظروں کو تاریکی میں اُلجھا اُلجھا کے دور تک بڑھائے جاتی ہے۔ ارمان کسی کے استقبال کو دلِ پُر آرزو سے نکل کر وہیں تک جاتے ہیں۔ جہاں تک نگاہِ شوق لے جاتی ہے۔ ہجراں نصیب ابھی سے صبح کا انتظار کرنے لگے ہیں۔ مہوشوں کے وعدوں پر آسرا لگائے بے چین دل کے بہلانے کو کہہ رہے ہیں کہ ابھی شام ہی ہے۔ چراغوں کی روشنی بہت دور تک شعاع کو اپنے ساتھ لگائے جاتی ہے۔ پروانے اندھیری رات کی شمع کا جلوہ دیکھ کے بے چین ہو کر دوڑے آتے ہیں۔

فتنہ قامتوں کی چال معمول سے زیادہ قیامت خیز ہے۔ کیونکہ اندھیرے میں ٹھوکر پر ٹھوکر لگتی ہے۔ تاریکی بہت ہے۔ خدا ہی ہے جو مریدان پیر مے فروش گھر تک پہنچیں۔ رات کا وعدہ کرنے والے حورشوں کو نہ آنے کا بہانہ اچھا ہاتھ لگ گیا۔"

ایک مختصر خوش قطع کوٹھی کے تین خوب صورت دروازوں سے لیمپ کی صاف اور تیز روشنی نکل کر اُن چھوٹے نازک ولایتی پھولوں کے درختوں پر پڑ رہی ہے۔ جو تنگ صحن کے پائیں باغ میں لگائے گئے ہیں۔ اس کوٹھی میں برآمدہ نہیں ہے۔ مگر ایک متوسط کمرے کے علاوہ جو پون پون فٹ کے دو زینوں پر چڑھ کے کوٹھی میں داخل ہونے والے کو سب سے پہلے ملتا ہے۔ پشت کی جانب دو اور چھوٹے کمرے ہیں جن میں ایک خواب کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اور دوسرے میں مختلف قسم کا اسباب بے ترتیب پڑا ہے۔ کوٹھی اسقدر ہوادار نہیں ہے۔ مگر ایسی ہے کہ اُس کے اندر گرمیوں کی تپش کا بہت کم اثر پہنچتا ہوگا۔ بڑا آگے کا کمرہ کسی قدر آراستہ کر لیا گیا ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اسباب اس کوٹھی میں ہے وہ خاص اسکے واسطے نہیں موضوع ہے۔ کیونکہ شطرنجی جو اس میں بچھی ہے۔ وہ طول میں تو تھوڑی موڑ دی گئی ہے۔ اور عرض میں چھوٹی پڑنے کے باعث ایک جانب تھوڑی زمین کھلی ہوئی ہے۔ چند معمولی کرسیوں کے درمیان میں ایک مربع میز ہے۔ جس پر ایک طرف دو دن پیشتر کے پائنیر کی ایک کاپی اور کئی اُردو اخبار پڑے ہیں۔ دوسری جانب دو تین

اُردو اور انگریزی ناولوں کے اوپر چند کاغذات لپٹے ہوئے رکھے ہیں جن کے دیکھنے سے خیال کیا جاسکتا ہے۔ کہ کسی مقدمے کے متعلق ہیں بیرونی دروازے کے سامنے اندر والی دیوار پر ایک بجنے والی گھڑی لگی ہے جسکی کھٹ کھٹاہٹ معمولاً اُس سناٹے کو دفع کیا کرتی ہے۔ جو ہر وقت آدمیوں کی کثرت سے رہا کرتا ہے۔ دو آرام کرسیوں میں سے ایک عین گھڑی کے نیچے دیوار سے ملی رکھی ہے۔ دوسری اندر کی جانب بیرونی دروازے کے سامنے بائیں طرف کو ذرا سا راستہ چھوڑ کر ایسے موقع پر رکھی گئی ہے جہاں اگر اندھیرا نہ ہوتا تو دور تک کا دکھاؤ تھا۔ اس دوسری آرام کرسی پر بے انتہا فکروں کے نیچے دبا ہوا ایک متحمل اور متین شخص اس وضع سے بیٹھا ہے کہ منتشر خیالات سے بھرا ہوا سر دونوں ہاتھوں پر رکھا ہوا ہے۔ جن کی چند اُنگلیاں رخساروں سے گزر کر کانوں تک پہنچی ہیں۔ اسکی نگاہ لیمپ کی روشنی میں نظر آنے والی پتیوں کے دیکھنے کے لئے اُٹھنے کی بہ نسبت کسی معاملے پر غور کرنے کے لئے جھکا رہنا زیادہ پسند کرتی ہے۔ اس نئی کوٹھی میں اسقدر فکرمندی کے ساتھ بیٹھنے والا مہدی کے سوا کون ہو گا۔

مہدی اس وقت تنہا بیٹھا ہوا ہجومِ افکار سے پریشان ہو رہا ہے اپنے دل میں کہہ رہا ہے۔

"مجھے ہرگز نہیں معلوم تھا کہ اس معاملے میں ایسی ایسی دقتیں پیش آئیں گی۔ اس شہر میں بالکل اجنبی ہوں۔ افسوس کوئی ہمدرد نہیں۔

ایک مشتاق ہے۔ گو دو بڑے عمدہ موقعوں پر میرے کام آیا۔ مگر اس کا اثر ہی کیا ہے۔ وہ کیا کر سکتا ہے۔ فرخ کے بھائی سخت بدمعاش ہیں۔ میری جان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی خواہ پرائی کسی کی عزت کا خیال نہیں ہوتا۔ شریف آدمیوں کو ایسے آوارہ مزاجوں سے ہمیشہ ڈرنا چاہیے۔ اس روز ایک کو میں نے پھنسا دیا تھا۔ مگر خاندان کی وجاہت نے جرمانہ ہی پر نجات دلوا دی۔ اب وہ اور دشمن ہو گیا ہوگا۔ دونوں شہر بھر کے بدمعاشوں اور شہدوں کو لگاتے پھرتے ہیں۔ عزت و آبرو کا خدا ہی حافظ ہے۔ ایک صاحب نے مکان والے ہی کو بہکا دیا۔ لیکن اس میں کیا پیش جا سکتی تھی۔ سُنا ہے فرخ کے دونوں چچا اپنے بھتیجے کی گرفتاری کا حال سن کر بہت برہم ہوئے۔ کل مشتاق کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ بعض بدمعاش میرے مار ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ اپنی حفاظت کے لئے یا کیا سامان کر سکتا ہوں۔ کہ مجسٹریٹی میں درخواست دے کر پولیس کے دو جوان اپنے یہاں معین کرا لئے جائیں۔ پیشی کا دن آ پہنچا۔ یہاں میرا کوئی گواہ نہیں۔ خرچہ داخل کر کے بمبئی سے گواہوں کو بلوایا ہے۔ وہ ابھی تک نہیں آئے۔ خود بھی کئی بار لکھ چکا ہوں۔

فرخ کے دولتمند عزیزوں نے دے دلا کر عدالت کے کل عملے کو اپنا کر لیا ہے۔ حاکم یورپین ہے۔ کوشش تو بہت کچھ کی گئی۔ مگر اس وقت اس کی نسبت کوئی بات خلاف نہیں سُنی گئی۔ اس کی وجہ سے اس وقت تک کچھ اُمید بندھتی ہے۔ روپیہ تو میں نے بھی اپنے مقدور

سے زیادہ صرف کیا ہے۔ اگر کچھ یہاں کے گواہ بہم پہنچ جائیں تو زیادہ تقویت ہو جائے۔ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ طمع دلا کر دو ایک آدمی مہیا کر لئے جائیں۔ مگر مجھ سے تو کسی سے شناسائی بھی نہیں اچھا مشتاق آئے تو اس سے کہوں، وہ اس کا سامان ضرور کر دے گا۔ اور غالبًا خود بھی دے دے۔ فرخ سے اور اس سے اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ فرخ بھی اس سے بدگمان ہو گیا ہے۔ اور اس نے بھی فرخ کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ خوشامدی آدمی ہے کچھ طمع دلاؤں گا راضی ہو جائے گا۔ مولوی بشیر الدین صاحب بے شک لائق اور شریف آدمی ہیں۔ بڑے نیک نیتی سے میرا کام کر رہے ہیں۔ فرخ کے عزیزوں نے انھیں بھی بھڑکانا چاہا تھا۔ مگر وہ کب ایسے فقروں میں آتے ہیں۔ میں اُن کا بہت ممنون ہوں"۔

رات کے باعث صورت تو نہیں دکھائی دی۔ مگر کسی کے پیروں کی چاپ سُن کر (با آواز بلند) کون؟ مشتاق؟"

مشتاق۔ "حکم"۔

مہدی۔ "خوب آئے تمہیں کو یاد کر رہا تھا۔ آؤ بیٹھو"۔

مشتاق۔ ایک کرسی مہدی کے قریب کھینچ کے بیٹھ کر (نہایت متوحش صورت سے) "اب تو بہت ہی ڈر کی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ سُنا ہے کہ آج تڑکے کئی آدمی بغل میں چھریاں دبائے کوٹھی کے آس پاس اس تاک میں پھر رہے تھے۔ پہرے والے ہوشیار تھے اندر

آنے کا موقع نہیں ملا۔ اور صبح کو مایوس پلٹ گئے۔

مہدی (چہرے پر یک بیک ظاہر ہونے والے خوف کو زبردستی کی ہنسی سے چھپا کر) ”خدا نگہبان ہے۔ پہرے والوں کو ذرا تاکید کر دی جائیگی، خیر، یہ تو سب ہو رہے گا۔ اصل میں تو مقدمے کی فکر کرنا چاہئے۔ تم سے ایک مطلب ہے“

مشتاق ”خدا کے لئے جلد کہئے۔ اب تو ہم آپ ہی کے ہیں فرخ سے کوئی واسطہ نہیں رہا“

مہدی (مشتاق کی طرف ذرا جھک کے نیچی آواز سے) بمبئی سے اسوقت تک گواہ نہیں آیا۔ اور آئے بھی تو یہاں کے لوگوں میں دو ایک گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ میں خیال کرتا ہوں ایک تو تم گواہی دیدو۔ اور دو ایک آدمی کو اور ٹھہراؤ، اور جو کچھ کہو گے اُنہیں دیدیا جائیگا۔ اور تمہارے لئے تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں“

مشتاق۔ (صفائی کے ساتھ) ”کچھ مضائقہ نہیں، کوئی جھوٹ بات ہے۔ سچ کے کہنے میں حجاب ہی کاہے کا۔ جتنے گواہ کہئے گا موجود ہو جائینگے کوئی گھبرانے کی بات نہیں“

مہدی ”بہتر“ کہہ کر (کھانا پہلے ہی کھا چکا تھا) مسہری پر گیا۔ مشتاق بھی ضرورتوں سے فراغت کر کے چارپائی پر لیٹ رہا۔

کچھ رات رہے مہدی کے گواہ ممبئی سے آگئے۔ جن کو مہدی نے بڑے تپاک کے ساتھ کوٹھی میں اُتارا اور ساری سرگذشت بیان کی۔

گواہ (متفق اللفظ ہو کر) "کچھ پرواہ نہیں دیکھا جائے گا۔"

مہدی کا یہ وقت نہایت لطف و آرام میں گزرا۔ گواہوں کے پہنچ جانے سے مقدمے کی نسبت تھوڑا بہت اطمینان ہو گیا تھا۔ بمبئی چھوٹنے کے بعد اس کو خلوص کی صحبت بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ بمبئی کے لوگ اس کے یاران وطن تھے۔ جو لطف اسے ان کی صحبت سے حاصل ہوا وہ شاید سفر کی بہت کم صحبتوں میں حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک نہایت ہی دلچسپ مہمان داری میں یہ مبارک دن تمام ہوا۔

اس پیاری شام کو جو بہت مشکل سے شامِ غریباں کہی جا سکتی تھی۔ مشتاق دہلی کے تین معمولی حیثیت کے آدمی لے آیا۔ یہ لوگ فرخ کے باپ کے اکثر حالات سے اس قدر واقف تھے کہ گواہی میں بگڑنے کا خوف ان سے بہت کم کیا جا سکتا تھا۔ ان لوگوں نے مہدی کے مقدمے کی نوعیت بخوبی دریافت کر کے اپنے مضبوط وعدے سے اسے گواہی دینے کا پورا اطمینان دلایا۔

مہدی "آپ لوگوں سے تو بے شک اُمید ہے کہ اپنے ناانصاف ہموطنوں کی ہمدردی کی نسبت انصاف پسندی کو زیادہ ترجیح دینگے لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ فرخ کے بڑے چچا جن کی نسبت ایمانداری کا لفظ بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ جب مذہبی مقدس کتاب قرآن ان کے ہاتھ میں دیدی جائیگی اس وقت ایک برانہ سالی بے ایمانی سے جان بوجھ کر میرے واجبی حقوق کے مٹا دینے کی کس طرح جرأت کرینگے

یا جیسی ان کی ایمانداری سُنی جاتی ہے۔ اگر وہ صحیح ہے تو شاید کبھی اُن سے ایسا نہ ہوگا۔"

مشتاق (کسی قدر استہزا کے ساتھ) "واہ اس کا حال ہم سے پوچھئے۔ پرسوں فرخ کی کوٹھی پر ان کے سامنے اس کی گفتگو چھڑی تھی۔ پہلے وہ شہادت سے انکار کرتے تھے۔ مگر آخر اوروں کی ترغیب سے کہنے لگے۔" اور صاف کہہ دینگے کہ ہمارے مرحوم بھائی نے کوئی اور شادی نہیں کی تھی۔" کیا آپ کو نہیں معلوم کہ یہاں کے شرفا کو خاندانی معاملات میں حلف اُٹھا کر جھوٹ کہہ دینا بھی گوارا ہوتا ہے۔"

مہدی۔ (حیرت سے) "اوہ! حلف! حلف اُٹھایا کریں۔"

مہدی کا بمبئی کا ایک گواہ۔ "اوہ حلف! حلف اٹھایا کریں۔ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

رات زیادہ گزر گئی۔ مہدی نے ان گواہوں کو جو مشتاق کے ہمراہ آئے تھے۔ بہت کچھ اُمیدیں دلا کر رخصت کیا۔ اپنے ہموطن معزز مہمانوں کو پر تکلف کھانا کھلایا۔ چائے وغیرہ سے فراغت کر کے جب سب اپنے اپنے بچھونے پر گئے۔ تو مہدی بھی مسہری پر گیا۔ آج ذرا سویرے ہی مہدی کی آنکھ لگ گئی۔ کیونکہ اسقدر اطمینان جتنا آج ہے دہلی میں کسی روز نصیب نہیں ہوا تھا۔

صبح گواہوں کو لیکر مہدی پہلے اپنے لائق وکیل مولوی بشیر الدین صاحب کے یہاں گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ان کو ساتھ لیکر عدالت میں پہنچا جہاں

اُس کی دشمن جماعت کی غصّہ بھری آنکھیں اُسکے مختصر سا تھیوں پر بہت تیزی کے ساتھ پڑ رہی تھیں۔ گیارہ بجے مقدمہ شروع ہوا۔ فرخ کی جانب سے صرف اسکے دونوں چچا باقی تھے۔ اور سب گواہ پہلی ہی پیشی میں گزر چکے تھے۔ دونوں کے بعد مہدی کے گواہوں کا اظہار شروع ہوا۔ شام تک صرف تین گواہوں کے علاوہ سب گزر گئے۔ اسکے گواہوں میں کوئی ایسا نہیں بگڑا جس کا اثر مقدمے پر پڑ سکتا۔ اسکے بعد والی پیشی میں دو گواہ بھی عمدہ طور پر گزر گئے۔ اور وکیلوں کی اسپیچیں بھی ہو گئیں۔ اور حکم سُنائے جانے کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔ جس کو پندرہ روز باقی تھے۔

مولوی بشیر الدین (عدالت سے باہر نکل کر مہدی کی جانب ایک مسرت کے ساتھ دیکھ کر) آپ ضرور کامیاب ہونگے۔ حاکم کے چہرے اور طرز کلام سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ کے دعوی کو سچّا جانتا ہے۔ جب فرخ کے چچا نے اس پہلی پیشی میں قرآن اُٹھایا تھا اُسوقت لوگوں کی نگاہوں سے تو وہ پہچان ہی گیا تھا کہ یہ جھوٹا قرآن اُٹھا رہا ہے۔ بلکہ اسکے بعد فرخ کے چچا کو اس نے بڑی ذلت کی نگاہ سے دیکھا تھا مگر آج کی پیشی میں بھی اسکے کلام سے کئی بار ثابت ہوا کہ آپ کی نسبت اسکے خیالات اچھے ہیں۔ فرخ کو ایک قسم کا کھٹکا ہو گیا ہے۔ واقعی نیک نیت حاکم ہے۔"

مہدی۔" اُمید تو ہے۔ اب آگے خدا کے ہاتھ ہے۔"

حکم سُنائے جانے تک مہدی اپنی جان کو بمشکل بچا سکا۔ اس کی جان کے خواہاں ہر وقت موقع ڈھونڈھتے رہتے تھے۔ کئی مرتبہ ان کے ہاتھوں میں پڑ کر بچا۔ ایک دفعہ بارہ بجے رات کو کوئی شخص ہاتھ میں تلوار لئے کوٹھی کے دروازے پر کھڑا اندر جانے کی فکر کر رہا تھا، کہ زینے پر پاؤں پھسل گیا۔ جس کی آہٹ پاتے ہی لوگ جاگ پڑے اور وہ پھرتی کے ساتھ نکل بھاگا۔

تاریخ معینہ پر حکم سُنایا گیا۔ جو فرخ کے لئے اسی قدر حسرت پیدا کرنے والا تھا۔ جس قدر مہدی کو اس سے خوشی ہوئی۔ مہدی نے اس مقدمے میں کامیابی کیا حاصل کی۔ یوں کہنا چاہیئے کہ ایک اعلیٰ درجے کے استقلال کے ساتھ اپنی جان بچالی۔ اب تمام دشمن جماعت کے رخ ڈھیلے ہو گئے۔ فرخ سُست پڑ گیا۔ اور مہدی ڈگری جاری کرانے کے لئے معمولی مدت کے گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔

آٹھواں باب

برسات کی نکھری شام ہے۔ آسمان پر گرد و غبار کا کہیں نام نہیں۔ سیاہ بادلوں کے پھٹے پھٹے ٹکڑے پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کے درمیان سے جگہ جگہ آسمان کا صاف اور کھلتا ہوا رنگ نظر آرہا ہے۔ معمول سے بڑھی ہوئی تازگی بتا رہی ہے کہ کوئی ابر کا ٹکڑا برس کے نکل گیا ہے! مینہہ نے سبز درختوں کا لباس دھو دیا ہے۔ جنگلی جنگلی ہری ہری پتیوں پر شفق کی ساعت بساعت بڑھنے والی چمکتی ہوئی زردی کی کیفیت دکھا رہی ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے برسات منانے والے بادہ کشوں کی لغزش کے ساتھ جوانان چمن کا ایک مستانہ ادا سے جھوم جانا ارمان بھرے دلوں کو بے چین کئے دیتا ہے۔ باد صبا کی مستانہ چھیڑ چھاڑ سے سبز رنگان باغ شفق کا سماں دیکھنے کے لئے کوٹھوں پر چڑھنے والی پیاری صورتوں کے گلے میں ڈالنے کے شوق میں از خود رفتہ ہو کر اپنی پر آرزو بانہیں بڑھا بڑھا، اور پھیلا پھیلا کے

رہ جاتے ہیں۔ بجلی کو کسی کے خوف زدہ ہو کر سہم جانے والے چہرے کی خوفناکی کی ادا ایسی بھلی معلوم ہوئی۔ کہ وہ رہ رہ کر چمک رہی ہے۔ چڑھی ہوئی جمنا کے بہاؤ کا بادہ کشی کے حوصلے بڑھانے والا لطف پہلے ہی دور میں بوتل خالی کر دینے والوں پر ستم ڈھا رہا ہے۔ لہراتی ہوئی موجیں لطفِ باراں سے بدمست ہو ہو کر زمین کے ان خوشنما لبوں کو مزہ لے لے کے چوستی جاتی ہیں۔ جن پر ابھی تک مینہہ کے پانی کی تری باقی ہے۔ ہائے اس ہوشربا عالم سے لطف اُٹھانے والا کوئی نہیں معلوم ہوتا۔ ایک فرخ ہے تو دل کی پریشانی سے یہ دماغ کہاں کہ ادھر متوجہ ہو۔

فرخ اپنی پُر فضا کوٹھی کے باہر اس پشتے پر جو دریا اور کوٹھی کے درمیان میں ہے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دیواروں کی سفیدی پر شفق کا سنہرا شام کی ہلکی سیاہی ملا ہوا رنگ دو وقتوں کے ملنے کو آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ فرخ کا انتہا سے زیادہ شکستہ دلی کیفیت دکھانے والا چہرہ آج جس قدر افسردہ نظر پڑتا ہے پہلے اسقدر کبھی نہ تھا۔ اس کا سر فکر کی ڈراؤنی خیالی صورتوں سے ڈر کر خود اسی کے سینے سے لپٹنے کے لئے چلا ہے۔ جس کی کہنی بائیں زانو پر ہے اپنی ہتھیلی پر روک لیا ہے۔ جو اس کی پیشانی کو گود میں چھپائے ہوئے ہے۔ فرخ دل میں کہہ رہا ہے، سخت ندامت ہوئی۔"

مہدی کو پوری ڈگری مل گئی۔ اب وہ جاری بھی کروا دے گا۔ حاکم نے فیصلہ دیا۔ لکھا ہے کہ اس میں کلام کی بالکل گنجائش نہیں،

اپیل کرنے کو تو کروں۔ مگر جب کچھ اُمید بھی تو ہو۔ چچا اپیل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ والدہ بھی اُن کی رائے کے موافق اپیل ہی کے لئے تاکید کرتی ہیں۔ مگر روپیہ خراب کرنے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں۔ اس معاملے میں مجھے ہر طرح ناکامی ہوئی۔ میرے بھائیوں نے مہدی کی جان لینے تک میں کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی۔ لیکن ہر بار زک پائی۔ ایک مرتبہ ایک بھائی ہی پھنس گیا تھا۔ بہت کچھ روپیہ خرچ ہوا تب جا کے وہ کہیں چھوٹ سکا۔ اگرچہ اب تک وہ لوگ اس فکر میں ہیں۔ لیکن مہدی اب ہشیار رہتا ہے۔ ہماری کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ خالی مجھکو نہیں مہدی نے تمام خاندان کو زک دی۔ حقیقت میں وہ بڑا مستقل مزاج اور متین شخص ہے۔ اس تنہائی کی حالت میں ایک ایسے معزز اور پر جوش خاندان کا مقابلہ کرنا اسی کا کام تھا۔ ڈگری اسے مل گئی ہے۔ میری کوٹھی میں قرقی آئے گی۔ میری گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری ہوگا۔ کہاں کہاں چھپا پھروں گا۔ سُنا ہے قرقی ہی کی درخواست دیجائے گی۔ میرے بھائی اُن مصیبتوں سے محفوظ رہیں گے۔ وہ عدالت میں دیوالئے ثابت ہو چکے ہیں۔ اور میرے پاس کیا ہے۔ اس کوٹھی میں جو کچھ ہے بس یہی ہے۔ مگر بے عزتی کتنی بڑی ہے۔ مہاجنوں نے بارہا مجھ پر ڈگری پائی۔ مگر میرے وعدوں اور اخلاق کی وجہ سے کبھی جاری ہونے کی نہیں نوبت آئی۔ میری جانب سے مہدی کے ساتھ وہ بدسلوکیاں کی گئی ہیں کہ اسے ذرا بھی مروت نہ ہو گی۔ میرے نزدیک

تو یہ ہے۔ کہ میں اسے ملالوں۔ وہ بے شک حق دار ہے۔ شرعاً کوئی اس کا حق مٹا نہیں سکتا۔ عدالت سے البتہ اُمید تھی کہ شاید غلطی میں پڑ کر اس کو حقیقت سے محروم رکھے۔ وہاں کچھ نہ ہوا۔ مجھے تو اس کے حقوق اور دلانا چاہئے تھے۔ افسوس! اس سے پہلے میں کیوں نہ سمجھا اور سخت اُٹھانے کے بعد ذلت کے ساتھ ملا تو کیا۔ اصل تو یوں ہے کہ جس قسم کا ظلم میں نے اس پر کرنا چاہا تھا۔ وہ میرے علم اور میرے خیالات کے بالکل خلاف تھا۔ مگر خدا جانے اب وہ ملنا پسند کرے گا کہ نہیں..! مجھ سے وہ کھلتا ضرور ہے۔ اس کو بھی کوئی فریب ضرور سمجھے گا۔ لیکن میں ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے ضرور اس سے مل جانا چاہیئے۔ اچھا آؤ، ایک دفعہ اپنی ماں کو اور سمجھاؤں۔ مگر ان کے مزاج سے کبھی امید نہیں کہ وہ راضی ہوں"۔ یہ خیال کرکے فرخ محل سرا میں گیا۔

ماں (اسکی پژمردہ صورت دیکھکر) "بیٹا تم ایسے پریشان کیوں ہو؟ مہدی کو جو ڈگری مل گئی، مل جانے دو وہ کیا کرے گا؟"

فرخ (نیچی اور سست آواز سے) "میں تو کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں اور پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ مجھے مہدی سے مل جانے کی اجازت دیجئے۔ بلکہ مناسب ہو اگر ہم اُس کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ آخر اس میں قباحت ہی کیا ہے؟"

ماں۔ (بہت برہم ہوکر) "یہ کبھی نہ ہوگا۔ وہ ہے کون؟ تجھ کو

بھلا کس نے دیا؟ آخر معلوم تو ہو۔ اپیل کرنے کو کہتی ہوں تو اس سے بھی انکار کرتا ہے۔ چچا اور سب عزیز بھی یہی کہتے ہیں۔ مگر اُن کی بھی نہیں سماعت کرتا۔ یوں ملنے ہی کو جی چاہتا ہے تو جا مل جا۔! میری جوتی سے آپ ہی خراب ہو گا۔ مگر اتنا جان لے جس روز وہ موا اس کوٹھی میں آیا۔ پھر میں یہاں قدم نہ رکھوں گی۔ حاشا میں اُسکے آنے سے ہرگز راضی نہیں"۔

فرخ :۔ "آپ تو سمجھتی نہیں ہیں۔ میں تمام وکیلوں سے رائے لے چکا۔ کسی کے نزدیک اپیل کرنا مناسب نہیں۔ اپیل تو سو دفعہ کروں مگر مقدمے میں کچھ جان بھی تو ہو"۔

ماں (آزردگی سے) "جو چاہو کرو۔ پھر مجھ سے پوچھنے کی کون ضرورت ہے؟"

فرخ۔ باہر آیا۔ گاڑی تیار کرنے کا حکم دیا۔ کوٹھی میں جا کر کپڑے پہنے۔ میز پر ہاتھ ٹیک کر کھڑا دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ آدمی نے آکر کہا کہ "گاڑی تیار ہے"۔

آؤ اسی وقت مہدی سے ملوں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہو جائے گا۔ (کوچمین سے پکار کر کہا) "مہدی کے وہاں چلو، جامع مسجد کے اُتر جانب جو سڑک نئی گئی ہے۔ اُس پر جاتے جاتے جہاں پر داہنی طرف کو راستہ مڑا ہے، بس اُسی نکڑ پر جو کوٹھی ہے۔ اُس میں رہتے ہیں"۔

کوچمین۔ "بہت خوب"

فرخ۔ (دل میں) "دیکھوں اس سے کیا باتیں ہوتی ہیں۔ اور کیسے ملتا ہے! بن پڑے تو دو ہی چار روز میں اسے اپنے وہاں اُٹھا لاؤں۔ والدہ ناراض ہونگی اسکو میں کیا کروں؟ مگر اس امر سے تمام خاندان جیسا آج مہدی کا دشمن ہے ویسا ہی میرا دشمن ہو جائے گا۔ لیکن مہدی کی معیت میں میں ان سب باتوں کو دفع کر سکوں گا۔ وہ بہت بڑا مدبر آدمی ہے"

گاڑی مہدی کے وہاں پہنچ گئی۔ فرخ اتر کر کوٹھی کے اندر گیا۔ مہدی صورت دیکھتے ہی خندہ پیشانی کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ بڑھا کر بڑے اخلاق سے بٹھایا۔

مہدی (مسرت کے ساتھ) آپ کے یہاں آنے سے جیسی آپ کی صاف باطنی قیاس کی جاسکتی ہے۔ خدا کرے اُسی صاف باطنی سے آپ تشریف لائے ہوں"

فرخ۔ (خوش ہو کر) فی الحقیقت آپ کے اس جملے سے میری اس صاف باطنی کی پوری داد ملتی ہے۔ جو مجھے اس مکان تک لے آئی"۔

فرخ کا باوجود خاندانی مخالفت اور اس قدر رنجش کے ایسی صفائی کے ساتھ مہدی کے پاس چلے آنا۔ ہندوستانی خاندانوں کے عام طریقے کے بالکل خلاف تھا۔ مگر فرخ کی عمدہ تعلیم اسے لے آئی۔ اور مہدی کی شائستگی نے اُسکے آنے کی داد دی۔ ڈیڑھ گھنٹے

کی پرائیوٹ صحبت کے بعد فرخ رخصت ہو کر واپس گیا۔ فرخ یہاں سے اُٹھ کر پہلے اپنے بڑے چچا کے وہاں گیا۔ جہاں اس نے مہدی سے مل جانے کا معاملہ ایک مرتبہ اور اپنے خاندان کے بڑے بزرگ کے سامنے پیش کیا۔ پھر دوسرے چچا کے وہاں بھی جا کر اس امر کی تحریک کی۔ مگر دونوں جگہ ناکامی ہوئی۔ جس وقت وہ اپنی کوٹھی پر پہنچا تھا اسوقت باوجود اسکے کہ تمام خاندان میں ایک رائے کی موافقت سے بھی مایوسی ہو گئی تھی۔ اس کا ارادہ زیادہ مضبوط ہو چکا تھا۔

فرخ کے جانے کے بعد مہدی نے اپنے دوست مشتاق سے رائے لینے کے لئے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔

"آج فرخ آئے تھے۔ ہاں تم تو بیٹھے ہی ہوئے تھے۔ الگ لیجا کر ایک بڑی تمہید کے بعد مجھ سے کہنے لگے۔

اب ہم آپ موافقت کر کے ایک سچے خلوص کے ساتھ یک جا بسر کریں تو اچھا ہے۔ میرا تمام خاندان اگرچہ میری اس رائے کے خلاف ہے بلکہ دشمن ہونے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ مگر مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ والدہ بھی سخت برہم ہیں۔ مگر جب غصہ فرو ہونے لگے گا۔ رفتہ رفتہ راضی ہو جائینگی۔ اب میں آپ کے حقوق دلوانے اور آپ کو خاندان میں شریک کر لینے میں یہاں تک کوشش کروں گا۔ اور اپنی سوشل زندگی آپ کی سوشل زندگی سے یہاں تک ملا دوں گا کہ اگر میرے کچھ حقوق ہونگے تو آپ کے بھی ہونگے۔ اور اگر میں ہی اپنے حقوق سے محروم رہا

تو آپ سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ آپ میری کوٹھی میں اُٹھ چلیں۔ بمبئی سے اپنی والدہ کو بھی بلوا لیجئے۔ کیوں اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں تو فرخ کی موافقت ضروری اور بہتر سمجھتا ہوں۔ اوّل تو فرخ یقیناً نیک نیتی سے کہتے ہیں۔ دوسرے مجھے اپنی خواہشوں میں پورے طور پر کامیاب ہونے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں بہم پہنچ سکتا۔"

مشتاق (دل میں) "یہ بُری ہوئی۔ اگر دونوں مل گئے تو میں کہیں کا نہ رہا۔" (ظاہرا) "بھئی میری تو رائے اس کے خلاف ہے۔ یہ تمام خاندان آپ کا دشمن ہو رہا ہے۔ فرخ سے دوستی کی اُمید رکھنا بالکل عقل کے خلاف ہے۔"

مہدی "نہیں نہیں! فرخ کا مزاج پہچان لینے میں مجھے اچھی طرح کامیابی ہوئی ہے۔ وہ کبھی بُرا آدمی نہیں ہے۔ بہت صاف باطن شخص ہے۔"

مشتاق "یہ حقیقت ہے کہ خاندان کے معاملات ہیں کئی پڑھیوں تک تو کدورت جاتی نہیں ہے۔ جی کہیں فقروں میں آنہ جائیگا۔"

مہدی "خیر جو کچھ ہو فرخ کی تقریر ایسی مؤثر تھی کہ اس بارے میں مَیں تمہاری مخالفت کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہوں۔ میں کیا کروں، میرا دل نہیں مانتا۔"

تین چار روز کے بعد فرخ پھر آیا۔ اور بہت اصرار کر کے مہدی

کو اپنے یہاں اُٹھا لے گیا ۔ فرخ نے یہ اتنی بڑی جرات کی تھی جس سے زیادہ کی ہندوستانی نوجوان سے ابھی ہرگز امید نہیں کی جا سکتی ۔ مہدی کے کوٹھی میں داخل ہوتے ہی فرخ کی ماں نے تمام محل سرائے میں کہرام مچا دیا ۔ اور رو پیٹ کر فنس میں ہو کے اپنے بڑے جٹیٹھ کے وہاں چلی گئی ۔ جاتے وقت وہ تین بڑے صندوقچے ساتھ لیتی گئیں ۔ جن میں بعض جڑاؤ نہایت بیش قیمت زیور اور جواہرات تھے ۔ فرخ کی ماں ان صندوقچوں کو یہاں بھی ہر وقت اپنی حفاظت میں رکھا کرتی تھیں اور جاتے وقت بھی ساتھ لے گئیں ۔ کیونکہ ان کی دولتمندی کا اعلیٰ درجے کا سرمایہ انہیں صندوقچوں میں تھا ۔ فرخ کی ماں کے جانے سے لوگوں میں سخت جوش پیدا ہو گیا تھا ۔ اور تمام اعزا واقربا فرخ کے اس سے زیادہ دشمن ہو گئے ۔ جتنے کہ اس وقت سے پیشتر مہدی کے تھے ۔ اسکے بھائی اسی کی جان کے دشمن ہو گئے ۔ فرخ کو زندگی دشوار ہو گئی ۔ لیکن اگر وہ تنہا ہوتا ۔ تو کبھی ایسی شدید مخالفت کا مقابلہ نہ کر سکتا ۔ اس بارے میں اسے مہدی سے بہت کچھ مدد ملی ۔ کیونکہ وہ ایسے معاملات میں بڑا تجربہ کار ہو چکا تھا ۔ فرخ نے باوجود اس قدر ماں کی ناراضی کے اُس ماں سے ملنا نہیں چھوڑا ۔ وہ دوسرے تیسرے ماں کی خدمت میں ضرور آتا تھا ۔ گو ماں اس سے بات نہیں کرتی تھیں ۔ حتیٰ کہ اسکی طرف سے منہ پھیر لیتی تھیں ۔ مگر فرخ نے کبھی اس کا خیال نہیں کیا ۔ لیکن آخر جب

ڈیوڑھی پر پہرے والوں کے ذریعے سے روک دی گئی۔ تب مجبور ہو کر فرخ نے وہاں جانا چھوڑ دیا۔ چند روز کے بعد مہدی بمبئی گیا۔ اور اپنی ماں کو مع تمام گھرستی کے سامان اور دولت کے دہلی لے آیا۔ مہدی اور فرخ کی ڈوبر خوف جانیں اپنی حفاظت کے سامانوں کے ساتھ خاندان کے مخالفانہ حملوں سے بچ بچ کر اسی کوٹھی میں رہنے لگیں جو جمنا کے کنارے تھی۔ اور فرخ کی ماں کے اُٹھ جانے کے بعد (جو اب اپنے بڑے بیٹے کے گھر میں بسر کرتی تھیں) اس عالی شان محل سرا میں مہدی کی ماں فارغ البالی کے ساتھ زندگی گزارنے لگیں۔

نواں باب

"ہاں، ہاں! لینا، لینا!!"

"خبردار۔ جانے نہ پائے۔ میں بھی آپہنچا۔ دوڑنا۔ دوڑنا!
کسی کے پانی میں کودنے کی آواز سن کر۔

ایں! افسوس دریا میں کود پڑا۔"

(لہجہ بدل کر) "سوچتے کیا ہو کود پڑو، لنگی باندھ کے"

"اجی اب وہ ہاتھ لگ چکا۔ تیر کے نکل جائیگا۔ پچھلی رات کا وقت تھا۔ دنیا شہر خاموشاں ہو رہی تھی۔ بیداران شب ہجراں کی دردناک آوازیں سناٹے میں گونج گونج کر بہت دور تک پہنچتی تھیں۔ چاند کی پچھلی تاریخیں تھیں۔ زوالِ ماہ کا درمیانی زمانہ تھا۔ آخر شب کی چاندنی نکھرے رنگ کا لطف خوب کھل کھل کر دکھا رہی تھی۔ گستاخ ہاتھوں کے جگائے ہوئے سیم تنوں کے پچھلی رات کے سونے کی ادا چاندنی میں دیکھنے کے قابل تھی۔ سب کی آنکھ تو دیر ہی سے لگ

جکی تھی۔ مگر اب وہ آنکھیں بھی جھکی پڑتی تھیں۔ جو کسی کے انتظار میں کھلے کھلے کھٹکنے لگی تھیں۔ ستارے بھی تین پہر تک حیرت کے ساتھ دنیا کی دلچسپیوں کو دیکھتے دیکھتے غرورِ حسن سے جھپک جانے والی آنکھوں کی طرح جھلملانے لگے تھے۔ اور خود رفتگی کے عالم یاد دلانے والے سکوت میں برقندازوں کی ڈراؤنی صدائیں۔ اور خوابِ پریشاں والوں کی بھرائی ہوئی آوازیں گھڑیالی کو چونکا کر بسترِ غم پر کروٹیں بدلنے والوں کی مشکل آسان کرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ فرخ اپنی پُرفضا کوٹھی میں سو رہا تھا۔ مہدی اس محل سرائے میں تھا۔ جو پہلے اس کے باپ کی خاندانی بی بی سے آباد تھی۔ کیونکہ اب اس میں اُس کی ماں رہتی تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ نوکر چاکر خواب غفلت کے ہاتھ بک چکے تھے۔ مشتاق جسے مہدی کی سفارش سے پھر اس کوٹھی میں آنا نصیب ہوا تھا، بڑے کمرے کے سامنے والے برآمدے میں ایک چارپائی پر بڑا خراٹے لے رہا تھا۔ کہ کسی غیر معمولی آہٹ کے باعث اس کی آنکھ کھل گئی۔ ایک بے وقت کمرے میں ہونے والے کی جھلک نظر پڑی۔ مشتاق کسی قدر خوف زدہ اور متحیر ہو کے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جھپٹ پڑا۔ بڑے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ کوئی موٹا تازہ اور برہنہ شخص جو صرف جانگھیا پہنے ہے۔ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اس کمرے میں جانے کے ارادے میں ہے، جہاں فرخ سو رہا ہے۔ گو مشتاق کو

اُس کی وضع دیکھکر آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہیں پڑی - مگر وہ مشتاق کی آہٹ پاتے ہی گھبرا کر اس طرح بھاگا کہ ایک کرسی کی سخت چوٹ کھا کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا تو میز کے پائے کی ٹھوکر لگی - جلد جلد لنگڑاتا ہوا دروازے پر پہنچا - وہاں بہت زور سے ایک پٹ کی (جو بھڑا ہوا تھا) ٹکر کھا کر اپنے ہی زور میں پیچھے ہٹا تو پردے میں اُلجھ کر ایسا گرا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی - اور خود بڑی پھرتی سے اُٹھ کے اپنے کو سنبھال کر اُس دروازے سے باہر نکل گیا جو دریا کی جانب واقع تھا - مشتاق پہلے ڈر کے مارے دیکھتا رہا - مگر جب اسکو نکلتے دیکھا - بے تحاشا چلا اُٹھا - ہاں ہاں، لینا لینا "جس کی آواز سنتے ہی فرخ نے آواز دی - پھر سب لوگ دوڑ پڑے - لیکن جب تک دوڑیں دوڑیں وہ کسی طرف راستہ پا کر دریا میں کود پڑا - اور غوطہ لگا کر پانی کے اندر ہی اندر خدا جانے کدھر بھاگ گیا - یہ شور و غل سُن کے مہدی بھی گھبرا کر محل سرائے سے نکل آیا - سب طرف بخوبی تلاش کر چکنے کے بعد جب کہیں پتہ نہ لگا تو سب کوٹھی میں آ کر بیٹھ گئے -

مہدی (استعجاب کے ساتھ) "یہ ہوا کیا؟ آخر کون تھا؟ میں تو نیند میں غافل تھا - شور سنتے ہی چونک پڑا"

فرخ - "اور میں بھی تو سوتا تھا" (مشتاق کی طرف دیکھکر) انہوں نے غل مچایا - جب تک آؤں آؤں بھاگ گیا - پھر پانی میں کودنے کی آواز سنائی دی - دریا کے کنارے جا کے دیکھا - مگر کسی کا پتہ نہ لگا -

(لہجہ بدل کر) بھئی یہ نئی بات ہوئی ہے۔ اس کوٹھی میں آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ پہرہ پھاٹک پر موجود اور کوٹھی کے اندر پہنچ جائے۔ واقعی بڑی جرأت کی" (ایک حیرت کی مسکراہٹ کے ساتھ) "ہیں! کچھ جو سمجھ میں آتا ہو کہ کیا معاملہ تھا۔ بہرحال اب چوروں سے احتیاط کرنا پڑےگی"

مشتاق:" اس بھروسے بھی نہ رہیئے گا۔ یہ چور کا کام نہیں ہے۔ آپ نے تو دیکھا ہی نہیں۔ آپ کیا سمجھیں۔ مجھ سے پوچھیئے؟ آنکھ جو کھُلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کالا کلوٹا مسٹنڈا آدمی کمرے میں جارہا ہے"

فرخ۔ (بات کاٹ کر) "کس کمرے میں؟"

مشتاق:" یہی جس میں آپ بیٹھے ہیں۔ بس میں گھبرا کر اُٹھا۔ دروازے پر پہنچ کر صورت جو دیکھی تو جان نکل گئی۔ ننگ دھڑنگ جانگھیا پہنے آپ کی خواب گاہ کے کمرے کی طرف جا رہا ہے۔ لیمپ پہلے ہی گل کر دیا تھا۔ لیکن دروازہ کھلا تھا۔ باہر کی روشنی کا عکس جو پڑا تو وہ ننگی تلوار جو اس کے ہاتھ میں تھی چمکی۔ اور یہاں یقین جانیئے گا کہ روئیں کھڑے ہو گئے۔ میری آہٹ پاتے ہی ایسا بدحواس بھاگا کہ کرسی اور میز میں اُلجھ کر گرتے گرتے بچا۔ پھر سامنے کے دروازے کی ٹکر کھائی۔ اور پھُرتی کے ساتھ دریا کی طرف نکل گیا۔ اُسے بھاگتے دیکھکر میں نے غل کیا۔ تب اور لوگ بھی جاگ پڑے۔ چور کہیں تلواریں بھی چمکاتے ہیں۔ ہو نہ ہو کوئی دشمن ہوگا" (مہدی کی طرف اشارہ کرکے) ان سے پوچھیئے۔ یہ بہت

بھگت چکے ہیں" (پھر فرخ کی طرف دیکھکر) "اب خدا کے لئے ہوشیار رہئے گا" اس طرح بے خوف نہ سویا کیجئے"

مہدی "سچ کہتے ہو۔ ہم ایسی بہت باتیں دیکھ چکے ہیں۔ ہمارا تو ڈر نکل گیا۔ مگر کچھ ڈر نہیں خدا حافظ ہے" (فرخ کی طرف دیکھکر) "آپ کے خاندان نے بہت کچھ سکھا دیا۔ اس بارے میں تو ہم آپ کے ممنون ہیں"

فرخ (شرمندگی کے ساتھ بات کاٹ کر) "خیر جو کچھ ہونا تھا، وہ تو ہو چکا۔ مگر آپ کو میں اپنا ایسا عزیز سمجھتا ہوں کہ آپ کی زبان سے خاندان کو صرف انہی ہی طرف منسوب سُن کر مجھے رنج ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس خاندان کو آپ اپنا اور میرا دونوں کا نامہربان کنبہ خیال کرینگے"

مہدی (مسرّت کی ندامت کے ساتھ) میں آپ سے اس غلطی کی معافی چاہ کر خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ اس یک جہتی کو ہمیشہ قائم رکھے" (ذرا سوچ کر) "آپ کو ان باتوں سے خوف کرنا چاہیئے۔ غنیمت سمجھئے کہ آپ کے نہیں! نہیں! توبہ! ہمارے دشمن اس بیوقوفی سے دشمنی کرتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ وہ عقلمندی کے ساتھ دشمنی کرنے لگیں۔ ہاں اُس صورت میں البتہ خوف ہے۔ اور اس طرح تو خدا کے فضل سے ہمیشہ ہم بچتے ہی رہیں گے۔ بلکہ اُنہیں کو زک ہو گی"

فرخ "اب صبح ہوا ہی چاہتی ہے۔ سونے کا وقت تو رہا نہیں۔

یہیں بیٹھے رہنا صلاح ہے۔ کچھ ضروری معاملات جو کئی دن سے میرے دل میں ہیں ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مہدی: "ہاں بے فکری کا زمانہ نہیں ہے۔ فرمائیے"

فرخ: "آپ دیکھ رہے ہیں کہ تمام خاندان میری جان تک کا دشمن ہو گیا۔ والدہ ناراض ہو کر میرے یہاں سے اُٹھ گئیں۔ بھائی خون کے پیاسے ہو گئے۔ تمام عزیز کوئی نہ کوئی ضرر پہنچانے کی گھات میں ہیں۔ چچا الگ بگڑے ہوئے ہیں۔ سب نے اکیلا چھوڑ دیا۔ خاندانی دولتوں کی مجھے جو کچھ اُمیدیں تھیں اُن سے بھی یاس ہو گئی"

پھوپھی اپنی صاحبزادی کو میرے ساتھ کتخدا کرنا چاہتی تھیں۔ وہ بھی اپنی طرف کھینچی ہوئی ہیں۔ گو مجھے اس کتخدائی کا خیال نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ مگر اس بات کا البتہ افسوس ہے کہ یہ مال خواہ مخواہ میرے آوارہ بھائیوں کے ہتھے چڑھے گا تو وہ بالکل بے احتیاطی سے تلف کر ڈالیں گے۔ ملک کی دولت اور خصوص مسلمانوں کی ایسی تباہ حال قوم کی دولت کے برباد ہونے کا خیال کر کے بڑا رنج ہوتا ہے لپنے خاندان پر کامیاب ہونے کا ذریعہ اب میری نگاہ میں سوا اسکے کوئی نہیں ہے۔ کہ ان عداوتوں کو میں بڑے تحمل اور متانت کے ساتھ ٹالوں۔ اپنا مزاج نہایت ہی صابر بنالوں۔ میرے ساتھ ہزاروں سختیاں کی جائیں مگر میں خندہ پیشانی سے اُن سے بچتا ہوں۔ بدلہ لینے کا ارادہ نہ کروں خلاصہ یہ کہ خاندان کے حملے روکے جائیں۔ مگر اس پر حملے کا نام تک نہ

لیا جائے۔ اب میرے خیالات بالکل پلٹ گئے۔ اگر اپنے موجودہ خیالات پر عمل کروں گا تو میں وہ فرخ نہ رہوں گا جو پہلے تھا۔ میں ایک صابر اور متین شخص ہوں گا۔ غصہ مجھے بہت کم آئیگا۔ ہر معاملے میں فضول خرچیوں سے پرہیز کرونگا۔ اپنے روپیے کی بھی قدر کروں گا۔ کوشش کروں گا کہ خدا کی دی ہوئی دولت میں سے ایک پیسہ بھی میرے ہاتھ سے رایئگاں نہ جائے۔ میرا چال چلن بہت شائستہ ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ میرے پیارے بھائی مہدی سے اس بارے میں بہت مدد ملے گی۔ یقیناً اب میں اگر اپنے خاندان میں کسی طرح ہر دلعزیز ہو سکتا ہوں تو یہی طریقہ ہے۔"

مہدی:۔ نہیں نہیں! ہو سکتا ہوں نہ کہیے بلکہ ضرور ہو جاؤنگا کہیے۔ ممکن نہیں کہ اس مزاج کا آدمی خاندان کیسا تمام دنیا میں ہر دلعزیز نہ ہو جائے آپ کو ایسے مزاج کے ساتھ کل ارادوں میں کامیابی ہوگی۔ اور میرے امکان میں جہاں تک ہوگا ضرور مدد کرونگا۔ بلکہ اپنے مزاج اور چال چلن کو آپ کے موافق بنانے کی کوشش کروں گا۔"

باتوں باتوں میں صبح ہو گئی۔ دونوں اُٹھ کر وضو کے لئے چلے۔ یہ دونوں شائستہ اور بے تکلف مزاج کے تعلیم یافتہ نوجوان عام ایشیائی روسا کے طرح اپنے تمام کاموں میں خدمت گاروں کے محتاج نہ تھے۔ اسی وجہ سے فرخ اور مہدی دونوں کی عادت تھی کہ جہاں نماز کا وقت آتا دریا سے وضو کرتے تھے۔ مہدی جس وقت کوٹھی کے دروانے

کے پاس پہنچا تو بائیں جانب دیوار کے نیچے کوئی چیز نظر پڑی جو صبح کی سہانی روشنی کے عکس میں چمک رہی تھی۔ اُٹھانے کے لئے مڑا تو جھجک کر پکارا:۔ ایں یہاں تو ایک تلوار پڑی ہے! فرخ! فرخ! آؤ دیکھو تو سہی!

فرخ۔ (دوڑتا ہوا آکر) "ہاں معلوم ہوتا ہے بدحواسی میں بھاگتے وقت ہاتھ سے گر پڑی" تلوار اٹھا لی گئی تھوڑی دیر تک تلوار کو دیکھ دیکھ کر حیرت کرتے رہے۔ اس کے بعد جا کر وضو کیا۔ نماز پڑھی، اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوئے۔

اس روز کے بعد سے فرخ اور مہدی نے اپنے چال چلن کو نہایت عمدہ بنا لیا۔ فرخ کے وہ مصارف نہیں رہے جن کی وجہ سے روز بروز مقروض ہوتا جاتا تھا۔ بلکہ اگلے قرضوں سے بھی کسی قدر سبکدوش ہونے لگا۔

فرخ کے چال چلن نے ایسی شائستگی ظاہر کی کہ تھوڑے ہی دنوں میں دونوں چچاؤں کے دل میں اس کی طرف سے ایک قسم کا عمدہ خیال پیدا ہو گیا۔

دسواں باب

آخر سرما کے دن ہیں۔ کڑی دھوپ کی ابتدا کا زمانہ ہے۔ لُو نہیں چلتی ہے۔ مگر ہوا میں گرمی پیدا ہوگئی ہے۔ دوپہر کے بیٹھنے کے لئے مکانوں کے ٹھنڈے کمرے صاف کئے جانے لگے ہیں۔ خس کی ٹٹیاں خریدی جاتی ہیں۔

نازک پیشانیاں شرم کے علاوہ یوں بھی عرق آلود رہنے لگی ہیں۔ قریب شام سیر پہلے سے زیادہ دلچسپ ہے۔ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے بڑی آرزوؤں سے نصیب ہوتے ہیں۔ سفر کے لئے دن کے بہ نسبت رات زیادہ مناسب ہوگئی ہے۔ درختوں کے پتوں کی سبزی خوب بہار پر ہے۔ ہری ہری کونپلوں کا آنکھوں کو تازگی بخشنے والا خوشگوار رنگ باغوں کو معمول سے زیادہ دل گیر بنائے ہوئے ہے۔ ٹھنڈی چاندنی راتیں سیر کرنے والوں کو نہایت دل کش سماں دکھلاتی ہیں۔ پچھلی رات کے مسافر صبح ہوتے ہوتے عجیب لطف

کے ساتھ بہت دور نکل جاتے ہیں۔ ہلکی ہلکی خنکی پیدا کرنے والی ہوائے صبح میں نماز پڑھانے والوں کی آرزوؤں کا گونجتا بلبل صبح کی نغمہ سرائی سے کم نشاط انگیز نہیں ہوتا ہے۔ وہ سردی نہیں رہی جو صدائے ناقوس سننے پر بھی برہمنوں کو لبِ جمنا جانے سے الکسا الکسا کر روکتی تھی۔ صدائے مؤذن اور ناقوسِ دیر دونوں کا جذب گذشتہ موسم سرما کی بہ نسبت بہت بڑھا ہوا ہے۔ دوپہر کا وقت ہے دھوپ کی تیزی نے سڑکوں اور مکانوں میں تھوڑی دیر کے لئے یوں ہی سا سناٹا پیدا کر دیا ہے۔ بادیہ گرد آفتاب کی تپش سے پر شکن جبیں اور سمٹی اور چڑھی ہوئی بھوؤں کے ساتھ چلتے چلتے پریشان ہو کر سایہ دار درختوں کے سائے میں تھکن مٹانے کے لئے بیٹھ گئے ہیں۔ ایک عالیشان محل سرائے میں صیلوں کا وہ شور و غل جو ایشیائی روسا کے گھروں سے معمولاً سنا جاتا ہے۔ دوپہر کے سناٹے میں کم ہوا ہے۔ یہ محل سرائے دہلی کی شمالی جانب ایک چوڑی سڑک کے کنارے واقع ہے ڈیوڑھی کی شان و شوکت دیکھ کر خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس میں ہندوستان کا کوئی دولتمند سکونت پذیر ہے۔ ڈیوڑھی کے بعد والا دروازہ جس میں ہو کر لوگ زنانے میں جاتے ہیں۔ ایک بڑے خوب صورت پردے سے آراستہ کیا گیا ہے۔ جس کے دونوں پہلوؤں سے خوبصورت اور آشفتہ مزاج لونڈیاں اور خواصین خدمت گاروں کو بیگم کے خانگی حکم سنانے کے لئے اکثر سر نکالے کھڑی رہا کرتی ہیں۔ دروازے

سے گزر کر مسطح اور وسیع صحن ہے۔ جس میں مختلف روشیں چھوڑ کر ایک مختصر پائین باغ لگایا گیا۔ دروازے سے نکلتے ہی بغیر کسی جانب مڑے کھڑا ہونے والا اِدھر اُدھر قیاس کر سکتا ہے۔ کہ دونوں پہلوؤں پر متوسط درجے کی عمارت میں سے ایک طرف لونڈی باندیوں کے رہنے کی صحنچیاں ہیں۔ اور دوسری طرف مکانات باورچیخانے اور غسل خانے کے مثل انسانی ضرورتوں کے مکانوں کا کام دیتے ہیں اور دھوئیں کی سیاہی جو ان مکانوں کی دیواروں پر جم گئی ہے، دور سے دیکھنے والوں کو بتا رہی ہے کہ باورچیخانہ اسی جانب ہے سامنے عالی شان اور خوشنما عمارت جو پائین باغ سے گزر کر اونچی کرسی کے مختصر صحن کے بعد گول سنگین ستونوں کے برآمدے ہی سے شروع ہوئی ہے۔ وہ خاص مقام معلوم ہوتی ہے۔ جہاں صاحبِ خانہ کی معمولی نشست و برخاست رہا کرتی ہو۔ برآمدے کے بعد ایک مختصر کمرہ ہے۔ جس کی پختہ زمین شطرنجی اور ایک سفید سنہری چاندنی سے چھپائی گئی ہے۔ داہنی جانب اونی گدگدے قالین پر ایک بڑا اگاؤ تکیہ اس نازک پلنگڑی سے لگا ہوا رکھا ہے جو دیوار سے ملا کر بچھائی گئی ہے۔ پلنگڑی پر نرم غالیچے کے علاوہ اور سفید چادر ہے۔ اور چار لمبے لمبے پتلے تکیوں کے علاوہ جو سرہانے ہیں پہلوں میں اِدھر اُدھر گول بغلی تکئے رکھے ہیں۔ چھت پر اجلی اور صاف چھتگیری کھنچی ہے۔ دیواریں چند فرینوں سے آراستہ کی گئی ہیں جن میں

کچھ خوش خط قطعات اور بعض عربی اور مذہبی مقدس جملے لکھکر لگائے گئے ہیں۔ اس کمرے کے علاوہ دو خوشنما چھوٹے کمرے ہیں۔ جن کی آراستگی درمیانی کمرے کے کی سی ہے۔ گو اس قسم کا سامان نہ ہو۔ یہ عالی شان محل سرا ان ہی تین مذکورہ کمروں پر نہیں ختم ہو گئی ہے۔ بلکہ پشت کی جانب کچھ اور کمرے ہیں۔ جو اپنی آراستگی سے اس مذاق کی خبر دیتے ہیں۔ جس نے بیچ کے کمرے کو آراستہ کیا ہے۔

محل سرا عورتوں سے بھری ہے۔ ہر کمرے سے باہم آہستہ آہستہ باتیں کرنے والوں کی مختلف آوازیں آرہی ہیں۔ جن میں مل کر اکثر سروتوں کی آوازیں بھی آتی جاتی ہیں۔ جو بعض خوب صورت نازک جوان اور بعض جھریاں پڑے ہوئے بڈھے ہاتھوں سے ڈلیاں کتروا رہے ہیں۔ ٹھیک دوپہر کے سناٹے نے سروتوں کی ان آوازوں کو آدمیوں کی آوازوں پر غالب کر دیا ہے۔ ورنہ شاید اس سے بیشتر بکثرت بلند ہونے والا شور و غل ان کمروں کو نازک دماغوں کو کام کا نہ رکھتا ہو گا۔

درمیانی کمرے کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ جنکی جھلملیوں سے ہلکی ہلکی روشنی نکل کر اس اندھیرے کو کم کر رہی ہے۔ جو کمرے کے بند ہونے سے پیدا ہو گیا ہے۔ پلنگڑی پر ایک دبلی ضعیفہ عورت لیٹی ہے جس کی بند آنکھیں سے سرہانے اور پائنتی کھڑی ہو کر پنکھا جھلنے والی خواصین خواب کا قیاس کر کے بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ مگر یہ طویل العمر رئیسہ

سو نہیں رہی ہے بلکہ گہری فکر کے ساتھ کسی اہم معاملے میں غور کر رہی ہے۔ اس جواں بخت ضعیفہ کی صورت سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سِن پچاس سے گزر چکا ہے۔ بے فکری نے قویٰ کو ابھی بالکل ضعیف نہیں ہونے دیا ہے۔ چہرے پر کچھ کچھ جھریاں پڑنے لگی ہیں۔ مگر اسقدر نہیں کہ امیرانہ وجاہت کو مٹا دیں۔ دو ایک دانت ٹوٹ گئے ہیں لیکن چہرے کی حیثیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پایا ہے۔ جو چیز کہ بڑھاپے کو زیادہ ثابت کر رہی ہے وہ اس کے بال ہیں۔ جو نصف سے زیادہ سفید ہو گئے ہیں۔ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ فرخ کی پھوپھی ہے یہ ایک ایشیائی معزز خاندان کی دولتمند عورت اسوقت آنکھیں بند کئے ہوئے اپنے دل سے یہ باتیں کر رہی ہے۔

"لڑکی جوان ہو گئی ہے۔ ابھی تک اس کی شادی کے متعلق کوئی بات قرار نہیں پائی۔ آخر کب تک لئے بیٹھی رہونگی۔ اللہ رکھے بڑھاپے کی کمائی یا جو کچھ سمجھو یہی ایک لڑکی ہے۔ روپیہ پیسہ جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ میں کیا قبر میں لے جاونگی؟ یہی ارمان ہے کہ اس کے دولھا کو دیکھوں۔ یوں بات تو بہت جگہ سے آئی۔ میرے تینوں بھتیجے ہی موجود ہیں۔ کیا کہوں لڑکوں سے تو اب لیاقت اُٹھ ہی گئی ہے۔ لیکن ان سب میں فرخ ہوشیار ہے۔ میں نے تو کہا تھا کہ اُسی کے ساتھ بیاہ دونگی۔ مگر اُس نے ایسی حرکت کی کہ سب عزیزوں کو ناگوار گزری۔ خاندان بھر اسکے خلاف ہے۔ اُس کے دونوں بھائیوں

میں سے تو کوئی بھی کسی کام کا نہیں ہے۔ شریفوں کو اُن کی صحبت سے عار آتا ہے۔ ساری دولت دو ہی روز میں غارت کر کے رکھدیں گے پڑھے لکھے واجبی ہی واجبی ہیں۔ میری لڑکی کڑھ کڑھ کے ہلاک ہو گی اور خود میری بھی زندگی عذاب میں ہو جائے گی۔ جی چاہتا ہے۔ فرخ ہی کے ساتھ بیاہ دوں پھر چاہے جو کچھ ہو۔ میرے نزدیک اس نے کوئی ایسی بُری بات نہیں کی۔ سوتیلے بھائی کو اپنے یہاں جگہ دینا، اس سے کیا ہو گیا۔ کچھ اس میں عیب تو نہیں آگیا۔ میری نگاہ میں خاندان بھر میں ایک وہی جچتا ہے۔ اچھا آج اپنے بھائیوں سے کہوں گی دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں"

فرخ کی پھوپھی کے خیالات یہیں تک پہنچے تھے کہ بیچ کے دروازے کے پٹ جو ایک خواص نے کئی بار آنے جانے کی وجہ سے بے احتیاطی سے بھیڑ دیئے تھے، ہوا کے ایک تیز جھونکے سے کھل کر دونوں طرف کی دیوار میں اس زور سے ٹکرائے کہ وہ اچانک چونک پڑی۔ آنکھ کھلتے ہی تیوریاں چڑھا کر غصّے کے لہجے میں کہا "ان مرداروں سے ناک میں دم آگیا ہے"

خواص۔ (خوفزدہ ہو کر نیچی آواز سے) "کیسی تیز ہوا چل رہی ہے، بیٹھنا دشوار ہو گیا ہے"

فرخ کی پھوپھی۔ (برہم ہو کر) "ارے دروازہ اندر سے بند کیوں نہ کر لیا۔ نگوڑیوں کے مارے نیند حرام ہو گئی۔ (دروازے سے باہر

نگاہ بڑھا کر دھوپ کو دیکھکر) دوپہر ڈھل گئی ؟ ارے کیا بجا ہوگا؟"
خواص۔" تین بجا چاہتے ہیں"
فرخ کی پھوپھی۔ (اُٹھ کر) " اچھا تسلا لاؤ۔ وضو کر لوں"۔ (ذرا ٹھہر کر) ہاں جا کر پیر بخش سے کہہ آؤ کہ بڑے بھائی اور منجھلے بھائی کے گھر یہ کہہ آئے۔ بلایا ہے۔ بڑا ہی ضروری کام ہے۔ جلدی آئیں تاکید سے کہہ آنا۔ ابھی جائے"
ایک خواص ڈیوڑھی پر گئی۔ دوسری منہ دُھلانے کے لئے تسلا اور لوٹا لائی۔ فرخ کی پھوپھی نے وضو کیا۔ ظہر کی نماز پڑھی۔ اور محل کی عورتوں میں بیٹھکر باتیں کرنے لگی۔ دو گھڑی دن رہے اُسکے دونوں بھائی آئے جو بڑے اخلاق کے ساتھ بٹھلائے گئے۔ کمرے میں تخلیہ ہو گیا اور وہ واقعہ جس نے دوپہر کو ان کی بہن کی نیند میں خلل ڈال دیا تھا، پیش کیا گیا۔
بہن۔" بھائی! میں نے تمہیں یہ کہنے کو بلایا ہے کہ تم اپنی بھانجی کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ اب وہ سیانی ہوئی۔ مجھے رات دن یہی فکر رہتی ہے۔ کئی دفعہ اسکی نسبت ہوئی اور چھوٹ گئی۔ اب تو ارادہ ہے کہ جہاں کہیں مناسب ہو کر بھی دوں۔ لڑکے یہی جو ہیں۔ کچھ نئے تو پیدا ہونگے نہیں۔ سب کا حال بھی تم پر روشن ہے۔ پھر بتاؤ اب میں کہاں تک انتظار کروں"
بڑے بھائی۔" فرخ کے دونوں بھائی موجود ہیں۔ ان میں سے

کسی کے ساتھ کر دو۔ فرخ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔"

بہن۔ "بھائی دونوں میں سے تو کسی سے میرا جی نہیں چاہتا۔ یہ تو مجھ سے نہ ہوگا۔ کہ جان بوجھکر لڑکی کو چولھے میں جھونک دوں۔ بھلا اپنی پیاری بیٹی کو ان بدچلنوں کے کس طرح حوالے کر دوں۔"

بڑے بھائی۔ "پھر اور لڑکے کہاں سے آئیں گے۔ عزیزوں میں تو یہی ہیں۔"

منجھلے بھائی۔ "فرخ کے ساتھ کیسی ہیگی؟ سُنتا ہوں اب وہ بہت سنبھل گیا ہے۔ اپنے ہمسنوں میں پڑھا لکھا بھی زیادہ ہے۔ مگر ہاں ہم لوگوں کا تو اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔"

بہن۔ "میرا دھیان تو اُسی کی جانب جاتا ہے۔ آخر اس میں عیب کیا ہے۔ سوتیلے بھائی سے ملتا ہے ملنے دو۔ ہم سے کیا غرض، اور سچ پوچھو تو اللہ جنت نصیب کرے یہ سب ہمارے بھائی کا کیا دھرا ہے۔ اُن سے ملنا نہ چھوڑ دیا۔ اور فرخ تو کوئی بُرائی نہیں کرتا۔ یہ تو اسکی لیاقت ہے تمہاری رائے ہو تو اسی کے ساتھ کر دوں۔"

بڑے بھائی۔ "یہ تو مشکل ہے۔ سب کہیں گے کہ فرخ کو ہم سے چھڑا دیا اور خود ملنے لگے۔"

منجھلے بھائی۔ "اونہہ! کہیں گے تو کیا کرلیں گے۔ یہی نا کہ سب بھر وُس سے ملنے لگیں گے ملیں، یہ تو ہماری عین خوشی ہے۔"

بہن۔ "میرے نزدیک تو گھرانے بھر میں تم سب کے بڑے بوڑھے ہو۔

جو تم کہہ دو گے سب مان لیں گے۔"

بڑے بھائی "اچھا تمہاری اور منجھلے بھائی کی رائے میں فرخ ہی کے ساتھ مناسب ہے تو مجھے بھی منظور ہے۔"

بہن "تو بھائی بھابی سے تمہیں ذکر کرنا۔ فرخ سے وہ بہت ناخوش ہیں۔ جس طرح بن پڑے کہہ سن کے راضی کر دینا۔"

دونوں بھائی۔ (ہم آواز ہو کر) "اُن کا راضی کرنا کون بڑی بات ہے۔ ہنسی خوشی منظور کر لیں گی۔ فرخ کے چچا اس تقریر کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جانے کے لئے اپنی بہن سے رخصت ہوئے۔

بہن۔ "(بڑے بھائی کی طرف دیکھ کر) میرے بھائی جاتے تو ہو۔ مگر بھولنا نہیں۔ آج ہی بھابی سے ذکر کرنا۔"

بڑے بھائی "ہاں ہاں موقع دیکھکر فوراً کہوں گا۔ اچھلے اب خدا حافظ۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ یہ رات بغیر کسی کارروائی کے گذر گئی۔ صبح اُٹھ کر دونوں نے جمع ہو کے یہ بات فرخ کی ماں کے آگے چھیڑ دی۔

فرخ کے بڑے چچا "فرخ کی شادی کب تک کرو گی، اب تو ماشاءاللہ جوان ہو گیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں تمہیں اسکی کچھ فکر نہیں۔"

فرخ کی ماں "بھائی فرخ کی مجھے کیا فکر! وہ اپنی فکر آپ کرے گا۔ مجھ سے کچھ بھی تعلق ہے۔ جب سے وہاں سے اُٹھ آئی ہوں کبھی جھوٹوں بھی پوچھا۔ اپنی ماں کو لئے بیٹھا ہے۔ وہی اسکی شادی بھی کریگی۔ میں

کچھ اُسکی ماں تھوڑی ہوں، مجھ سے کیا غرض۔"

فرخ کے منجھلے چچا۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم خود نہ آنے دو تو اسکی کیا خطا۔ وہ آئے جاتا تھا۔ اور ہزار کچھ ہو پھر تمہارا بیٹا ہے۔ تینوں لڑکوں میں جو ہے۔ وہی ایک ہے۔ اور لڑکوں کا حال جانتی ہی ہو۔ اب فرخ نے اپنے تئیں بہت کچھ سنبھال لیا ہے۔

فرخ کے بڑے چچا۔" میں بتاؤں کہ تم فرخ کے پاس کہلا بھیجو۔ جس دن وہ کہے اس دن سوار ہو کے چلی جانا۔ وہاں جا کر اچھی طرح کہہ سن لینا صرف خبر کر دینا ہے۔ ورنہ وہ ہر طرح راضی ہی ہو گا۔ مگر دیکھو اور کسی بات کا ذکر نہ آنے پائے۔"

فرخ کی ماں۔" اچھا مجھے کیا؟ میں آج ہی کہلائے بھیجتی ہوں۔ کل چلی جاؤں گی۔ جب تمہارے نزدیک یہی مناسب ہے۔ تو میں بھلا انکار کر سکتی ہوں۔"

گیارہواں باب

آخر دوزنہ ہے۔ درختوں کی صبح والی تر و تازگی عود کیا چاہتی ہے ہرے پتوں پر زرد سنہری دھوپ سبز رنگوں کے طلائی زیوروں کی بہار دکھلا رہی ہے۔ درختوں کا سایہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ دلفریب نیرنگی دکھانے والا سبزہ زار دیکھنے کے قابل ہے جہاں گھانس کی ننھی پتیوں کے سائے کے گرد سنہری دھوپ کی جدولوں سے قدرت نے خوش نما نقش ونگار بنا دیئے ہیں۔ آفتاب کی زرد کشتی کی کھونٹی شعاعیں واکنگ ڈرس (سیر کرنے کی پوشاک) پہن کر نکلنے والی کم سن مسوں کی پیشانی کے بھورے طلائی بالوں میں اُلجھ اُلجھ کر عجیب لطف دکھا رہی ہیں۔ اونچی عمارتوں کے کنگورے دریائے جمنا کے سطح پر موجوں کے ساتھ لہرا رہے ہیں۔ ہوا اس قدر آہستہ آہستہ چلتی ہے کہ ٹہنیوں کو بہت کم جنبش دیتی ہے۔ ہاں بعض خوشگوار جھونکوں سے جب کہ حور وش لیڈیوں کی ٹوپی کے پروں میں ایک دلگیر حسرت محسوس ہونے

لگتی ہے۔ پتے ہل جاتے ہیں۔ بوئے گل کی چلنے والی ہوائے سرد ان نازک ادنی حرکت سے برہم ہونے والے دماغوں کے تحمل کے نہایت مناسب ہے۔ وقت کی دلفریبیاں لوگوں کو مکان سے بہکا بہکا کر ایک خوزدگی کے ساتھ صحراؤں کی طرف کھینچے لئے جاتی ہیں۔

فرخ خلاف معمول اپنی کوٹھی میں ہے۔ کیونکہ ہر روز گاڑی پر سوار ہو کر ہوا کھانے جایا کرتا تھا۔ اس کی اس وقت زیادہ لطف ڈھونڈھنے والی آنکھوں کی خواہش کے لئے گو پائینِ باغ کی بہار کافی نہیں ہے مگر کسی خاص ضرورت کے باعث وہ اُسی سے اپنی دلچسپیاں حاصل کر رہا ہے۔ کوٹھی کے باہر چند کرسیاں پڑی ہیں۔ ایک پر وہ بیٹھا ہے باقی خالی ہیں۔ اسکی نگاہ درختوں پر سیر کرتے کرتے پھاٹک کے باہر والی سڑک پر بار بار جا کر اس طرح اِدھر اُدھر پھرتی ہے، گویا کسی کو ڈھونڈھ رہی ہے۔ اور چند منٹ کے بعد مایوس پلٹ آتی ہے۔ غالباً کسی کے انتظار نے آج کہیں جانے سے اُسے روکا ہے۔ جیسے اُس کی نظر گھڑی گھڑی پھاٹک کے باہر تلاش کر آتی ہے۔ نگاہ دوڑاتے دوڑاتے فرخ پر کوئی ایسی فکر غالب ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے اس کا سر دیر تک جھکے رہنے کے بعد اُٹھتا ہے۔ وہ دیکھو پھر گردن جھکالی۔ مگر چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی غم یا خوف کی فکر نہیں ہے۔ فرخ دل میں سوچ رہا ہے۔

"میرے حال پر والدہ کو کیا ایسی شفقت آگئی۔ ماں سے شفقت کا

ظاہر ہونا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر اُن کی ناراضگی کے باعث، بہ مشکل ایسی امید ہو سکتی ہے۔ واقعی اُن کا یہاں آنا حیرت سے خالی نہیں۔ خدا جانے کیا ضرورت پڑی ہے۔ خود بخود تشریف لا کے مجھے عزت بخشنے والی ہیں۔ میں نے کہلا بھیجا تھا کہ اسی وقت تشریف لائیں دیکھئے آتی ہیں کہ نہیں! میں تو یہ خدا سے چاہتا تھا۔ اور میرے لئے تو اُن کا آنا فخر ہے۔ میں نے جو اپنا چال چلن درست کیا۔ بے شک یہ اُسی کا اثر ہے۔ مجھے یقیناً اپنے ارادوں میں کامیابی (سڑک پر دو شخص زور زور سے آپس میں باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔ اُن کی آواز سُن کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو پھر بدستور اپنے دل سے باتیں شروع کیں) ہو گی۔ مگر کیا کہوں مجھے اسوقت تک یقین نہیں آتا اُن کے مزاج سے تو امید نہیں۔ خوب یاد آیا مہدی کی ماں اپنی محل سرا میں ہیں۔ اُترینگی کہاں۔ اُن کا سامنا ہونا ٹھیک نہیں۔ مگر انہیں معلوم ہی ہے۔ اور میں یہ چاہتا بھی ہوں کہ دونوں میں موافقت ہو۔ اچھا ہے ذرا انہیں بھی دیکھ لیں گی"۔

مہدی کی ماں کو میں نے آج صبح سمجھا بھی دیا تھا۔ اور وہ خود بھی بڑی متحمل مزاج آدمی ہیں۔ اُن کی طرف سے کوئی چھیڑ بھی ہو گی تو ہر طرح دبا دی جائیگی۔ آئیں تو" (کوئی گاڑی سڑک پر جا رہی تھی جس کی گھڑ گھڑاہٹ سے چونک کے اُسکی طرف دیکھ کے) "آگئیں۔ نہیں، وہ نہیں ہیں۔ وہ تو فلنس میں آئیں گی"۔ (پھر گردن جھکا کر) ہاں تو میں کیا سوچ رہا تھا؟..

اونہہ! یاد ہی نہیں آتا۔ خیر ابھی تک نہیں آئیں! شام تو ہو گئی اب کیا رات کو آئیں گی؟ آدمی نے جھوٹ تو نہیں کہہ دیا۔ مگر نہیں پرانا معتبر آدمی ایسی شرارت نہیں کر سکتا۔ آئیں گی ضرور سوار ہوتے ہوتے دیر ہو گئی۔ (آدمیوں کی مختلف آوازیں سُن کر) "کیا وہ؟ آہا آ گئیں۔ فصیل باغ کے اندر آ گئیں اور مجھے معلوم بھی نہیں ہوا"

گو فرخ ذرا ذرا سے کھٹکے پر پھاٹک اور سڑک دیکھنے لگتا تھا۔ مگر فنس جس وقت آئی وہ اس وقت اپنے خیالات میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ جب فنس کوٹھی کے قریب پہنچ گئی تب معلوم ہوا۔ کہاروں نے محل سرا کے دروازے پر ڈیوڑھی کے اندر پہنچ کر بآواز بلند بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کے فنس زمین پر رکھی۔ اور سب لوگ سامنے سے ہٹ گئے۔ فرخ اپنی ماں کے اُترنے کے پیشتر ہی فنس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جیسے اُترتے دیکھا نہایت ادب کے ساتھ جھک کر سلام کیا۔ جس کے جواب میں ماں نے "جیتے رہو، عمر دراز ہو" کہتے ہوئے بلائیں لیں۔ اور سینے سے لگا کر بہت روئیں۔ فرخ کے بھی آنسو نکل پڑے بیٹے کے آنسو پونچھ کر محل سرا میں داخل ہوئیں۔ پیچھے پیچھے بادب آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا فرخ بھی چلا گیا۔ صحن میں ایک چوکے پر ستھرا فرش بچھا یا گیا تھا۔ جس پر جا کر فرخ کی ماں بیٹھ گئی۔ خواصیں پنکھا جھلنے لگیں۔ فرخ کی سوتیلی ماں بڑے دالان کی بائیں جانب کے چھوٹے بغلی کمرے میں تھی۔ اس کو مناسب نہیں معلوم ہوا کہ اپنے شوہر کی خاندانی

بی بی کے قفس سے اُترتے ہی سامنا کرے۔ مگر بہر تقدیر یہ پہلا دن تھا کہ اس مکان میں دو سوتیں ایک مکان میں جمع ہوئی ہوں۔ یا فرخ کے شریف خاندان کی کوئی عورت اس مقام پر آئی ہو۔ جہاں اسکی سوت بھی موجود ہو۔ فرخ بھی اپنی ماں کے سامنے دوزانوں بیٹھ گیا۔"

ماں (ذرا رونا سی ہوکر) "بیٹا خدا نے کتنے دنوں کے بعد آج تمہاری صورت دکھائی ہے! میری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ایک ہی شہر میں رہ کر اپنی اولاد کی صورت کو مدتوں ترسا کروں گی۔"

فرخ۔ (بچشم تر رکتی ہوئی آواز سے) "مجھ سا نالائق بیشک اسی قابل ہے کہ والدین اس کی صورت سے بیزار ہوجائیں۔ مگر مجھ کو آج سے زیادہ کیا خوشی حاصل ہوگی کہ اپنی پیاری ماں کو راضی پاتا ہوں۔ میں اپنی خطاؤں کے عوض میں بہت سزا بھگت چکا ہوں۔ ﷲ اب قصور معاف فرمائیے۔"

یہ کہہ کر فرخ ماں کے قدموں پر گر پڑا۔ ماں سے ضبط نہ ہوسکا بے اختیار رونے لگی اور اُٹھا کر گلے لگا لیا۔

فرخ۔ "نہیں، یوں نہیں! منہ سے کہہ دیجیے کہ میں نے معاف کیا۔"

ماں۔ "میں نے معاف کیا!"

شام ہوگئی تھی۔ ایک خواص نے کنول روشن کرکے رکھ دیا جس میں موم کی بتی جل رہی تھی۔ مغرب کا وقت تھا۔ دونوں نے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی۔ نماز سے فراغت کرکے فرخ کی ماں بڑے دالان کے اندر گئی۔ اور مدت کے چھوٹے ہوئے کمروں کو اس محبت کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔

جو اُس کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ جس میں ایک عمر گزر گئی ہو۔ فرخ کی سوتیلی ماں کو اب اس کا موقع نہیں باقی رہا۔ کہ اپنی سوت سے چھپی بیٹھی رہے فرخ کی ماں کو آتے دیکھکر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بڑھ کر ادب کے ساتھ سلام کیا۔ ایک معمولی عادت نے جو سلاموں کا جواب دیتے دیتے پڑجایا کرتی ہے۔ فرخ کی ماں سے بغیر اس کے کچھ سمجھے جواب دلوادیا۔ مگر جواب دیتے ہی وہ بڑے غور سے اسکی جانب دیکھنے لگی۔ فرخ کی ماں جب یہ سمجھ گئی کہ اُسکی سلام کرنے والی کون عورت ہے۔ اسوقت اسکا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ کیونکہ کبھی شدید غصّے کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ جو ضبط اور تحمل پر غالب آنے کی کوشش کرنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اور کبھی رحم دلی کی علامتیں نظر آنے لگتی تھیں۔ جن کو مہدی کی ماں کے مؤدبانہ سلام کا خیال اسکے دل میں پیدا کر دیتا تھا۔ ان دونوں سوتوں کی یہ پہلی ملاقات ایک تھوڑی دیر کے سکوت ہی پر ختم ہوگئی۔

فرخ کی ماں نے تمام محل سرا کو دیکھا اور پھر باہر والی چوکی پر آبیٹھی اب فرخ بھی آگیا۔ باہم باتیں شروع ہوئیں۔ باتوں باتوں میں رات زیادہ گزر گئی۔ ماں نے دیر تک بیٹے کی باتیں سن کر اس معاملے کا ذکر کرنے کی ضرورت سے جس کے لئے وہ آئی تھی، خواصوں کو ہٹادیا۔ اور فرخ کو نزدیک بلا کے اپنے پاس بٹھا کر کہا۔

"بیٹا! تمہاری پھوپھی کی لڑکی سیانی ہوگئی۔ اب وہ جلدی کرتی ہیں۔ ادھر تمہاری شادی کی بھی مجھے فکر ہے۔ تمہارے چچا بھی یہی

کہتے ہیں کہ جس طرح ہو اب جلد شادی کردو۔ اس میں تمہاری کیا مرضی ہے؟ میں فقط یہی پوچھنے کے لئے آئی ہوں۔

فرخ۔ (دل میں) یہ کیا؟ میں نے تو سُنا تھا۔ کہ اب وہ اپنی لڑکی میرے ساتھ منسوب کرنا نہیں چاہتیں۔"

ماں۔ (شرمندگی کا سکوت خیال کرکے) "اے صاف کہہ دو۔ اس میں شرم کی کونسی بات ہے! ہاں کہو!"

فرخ۔ (گردن نیچی کرکے ایک شرم بھری ملی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ) "مجھے آپ کے حکم سے انحراف ہو سکتا ہے۔ جو کچھ آپ تجویز فرمائیں گی وہ میرے حق میں بہتر ہی ہوگا۔"

ماں۔ "اے یہ تو میں جانتی ہوں۔ مگر آخر تم خود بھی پسند کرتے ہو۔"

فرخ۔ "اس امر کو میں کیونکر نہ پسند کروں گا۔ جس کے ارادے ہی نے مجھ کو اپنی والدہ کی قدم بوسی کرادی۔ حالانکہ میں مایوس ہو چکا تھا۔"

ماں۔ "بس میں یہی پوچھنے آئی تھی۔"

فرخ۔ "آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ فقط کہلا بھیجنا کافی تھا۔ میں وہیں حاضر ہوتا۔"

اس گفتگو کے بعد فرخ کسی ضرورت سے اُٹھکر باہر گیا۔ اُس کی ماں کو تنہا دیکھ کر مہدی کی ماں جو دیر سے باہر آنے کا موقعہ ڈھونڈھ رہی تھی اُس کے پاس آکر ذرا الگ ہٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ خواص جو پنکھا جھل رہی تھی پھر حاضر ہوئی تھوڑی دیر کے بعد فرخ باہر سے آگیا کسی

خواص نے آکر عرض کیا۔ "خاصہ تیار ہے"۔ فرخ کے اشارے کے موافق ہاتھ دُھلائے جانے کے بعد دسترخوان بچھا۔ اور کھانا چنا گیا۔ فرخ نے اپنی ماں کو کھانے کے لئے ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر خود بھی کھانا شروع کیا۔

مہدی کی ماں نے بغیر اس کے اپنی واجب التعظیم سوت سے صاف الفاظ میں اجازت پائے کھانے میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت کرنا بالکل نامناسب خیال کیا۔ وہ جس طرح بیٹھی تھی اسی طرح آنکھیں نیچی کئے بیٹھی رہی۔ فرخ کی ماں پر بہت دشوار تھا۔ کہ اپنی سوت سے کھانے کی درخواست کرے۔ مگر اسکے ساتھ ہی ایک تو نہ کہنا بالکل بے موقع تھا۔ دوسرے اسکی مؤدبانہ نشست فرخ کی ماں کی رحمدلی کو ایک قسم کا جوش دلا رہی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور اس نے مہدی کی ماں سے شریک طعام ہونے کی درخواست کی۔ اس عمدہ حکمتِ عملی نے بڑی دلچسپی کے ساتھ دونوں سوتوں میں گفتگو شروع کرا دی. اور مہدی کی ماں نے نہایت شائستگی کے ساتھ بتا دیا کہ بسر کرنیوالی عورت کو کیسا ہونا چاہیئے۔ کھانے سے فراغت کر کے فرخ کی ماں اس پلنگ پر گئی جو خاص اس کے لئے بچھایا گیا تھا۔ فرخ رخصت ہو کر باہر آیا۔ مہدی کی ماں کا پلنگ اسکی سوت کی پلنگ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ جہاں تک معمولی گفتگو کی آواز پہنچ سکتی ہو۔ آنکھ لگنے سے پیشتر کی تنہائی نے فرخ کی ماں کو ایسا گھبرا دیا کہ اسے اپنے شوہر کی غیر خاندانی

بی بی سے ہمکلام ہونے کی ناگوار زحمت کرنی پڑی۔ مہدی کی ماں نے اس گفتگو میں جو عاجزی ظاہر کرنے والی حکمت عملی ملحوظ رکھی تھی وہ فرخ کی ماں پر بڑا اثر کر گئی۔

صبح کو فرخ کی ماں اپنے بیٹے اور اس کی سوتیلی ماں سے رخصت ہوکر اپنے بڑے جلیٹھ کے گھر سوار ہو گئی۔ اسی روز فرخ کے دونوں چچاؤں سے ظاہر کیا کہ فرخ بخوشی منظور کرتا ہے۔ وہاں پہنچ کر فرخ کی ماں سے اس کی مہمانداری کے متعلق بہت حالات پوچھے گئے۔ جو اس کی خود اس کے گھر میں کی گئی تھی۔ تمام امور اس نے ظاہر کئے۔ مگر اس رحم دلی کے خیال کو جو اسکے دل میں سوت کے متعلق پیدا ہو گیا تھا۔ صرف اس وجہ سے نہ ظاہر کر سکی۔ کہ عام گھرانے کے خلاف ہوگا۔ خاندان میں ایک بہت بڑی تقریب تھی۔ اور ایسی شادی تھی جس پر سینکڑوں اُمیدیں اور آرزوئیں منحصر تھیں۔ دونوں طرف سے بے انتہا فضول خرچیوں کے ساتھ سامان ہونے لگا۔

دو تین مہینے کے بعد یہ امر عموماً ظاہر کر دیا گیا کہ بہت جلد فرخ کے ساتھ اسکی بچپھی کی لڑکی کی شادی ہوگی۔ خاندان نے بیشتر کسی قدر ناراضی ظاہر کی۔ بہ کثرت یہ بات مختلف جلسوں میں سُنی گئی کہ فرخ کے جھوڑنے میں اس کے چچاؤں نے عام اعزا و اقربا کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی فریب کیا تھا۔ خصوص فرخ کے بد اطوار بھائی اپنا نقصان دیکھکر اس خیال کو زیادہ تر بر زور کر رہے تھے۔ مگر چند ہی روز میں یہ خیال

دلوں سے جاتا رہا۔ اور فرخ اپنے تمام عزیز و اقارب میں اسی طرح جانے لگا جس طرح پہلے جاتا تھا۔

فرخ کو جب یقین ہوگیا۔ کہ تمام عزیزوں کو اُس سے جو رنجشیں تھیں۔ سب جاتی رہیں۔ تب یہ تازہ خیال اسکے دل میں پیدا ہوگیا۔ کہ اپنے ارادے کے موافق مہدی کو خاندان میں ہر دل عزیز بنانا چاہئے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔

"میں اپنی آرزوؤں میں کامیاب ہوا چاہتا ہوں۔ مگر نہیں جبتک مہدی اور اسکی ماں کو خاندان سے نہ ملادوں اُسوقت تک کبھی نہ سمجھنا چاہئے کہ میں کامیاب ہوا۔ والدہ کے خیالات مہدی کی ماں کی نسبت اب وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ صبح کو جاتے وقت جس چہرے سے انہوں نے مہدی کی ماں کو رخصت کیا اُس سے صاف سمجھا جا سکتا تھا کہ کچھ ناراضی گئی یا نہیں۔ مگر ابھی اس معاملے میں کسی قدر پیچیدگی ضرور رہوگی۔ ابھی مجھ کو صبر کرنا چاہئے۔ جب شادی کے دس بارہ روز رہ جائیں گے اُسوقت میں آزادی کے ساتھ کہہ دونگا کہ اگر مہدی اور اس کی ماں کو میرے اور سب خاندانی عزیزوں کی طرح شریک ہونے کی ممانعت کی جائے گی تو میں ہرگز نکاح نہ کرونگا۔ مگر اس پر سخت برہمی ہوگی تو۔ ہو مہدی سے جس طرح ملا ہوں۔ اُس کے خلاف مجھ سے کبھی نہ ہوگا۔ جس کے لئے تمام خاندان کا چھوڑنا گوارا کر لیا۔ پھر اسی کو ترک کر کے خاندان سے ملنا بڑی بے استقلالی کی بات ہے۔ شادی کا جوں جوں

ساماں ہوتا جاتا تھا، فرخ کے دل میں یہ خیالات مستحکم ہوتے جاتے تھے۔
تاریخ قرار پا گئی۔ اور اس باشان و شوکت تقریب کو بہت ہی تھوڑا زمانہ رہ گیا۔ فرخ کی ماں اُس کے معزز اور باوقعت چچاؤں کی صلاح سے بیٹے کی شادی کرنے کے لئے اپنے قدیمی محل سرا میں اُٹھ آئی۔ گو اسے اپنی سوت سے اس قدر اجنبیت نہیں رہی تھی۔ مگر پھر اُس کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنا کم ناگوار نہ تھا۔ مہدی کی ماں نے پیشتر ہی سے وہ مزاج پیدا کر لیا تھا جو کسی دوسرے کی اطاعت میں بسر کرنے والی عورت کے لئے ضروری ہے۔ فرخ کی ماں کے وہ خیال جو عورتوں کو معمولاً اپنے شوہر کی دوسری بی بی کی نسبت ہوا کرتے ہیں کم ہوتے ہوتے چند ہی روز میں بھول گئے اس زمانہ میں جب تک کہ فرخ کی شادی سر پر آ پہنچی۔ مہدی کی ماں اس کے باپ کی خاندانی بی بی کے لئے ایک نہایت خوب صورتی کے ساتھ دل بہلانے والی ہم صحبت تھی۔ مگر کتخدا ہونے سے کچھ پیشتر فرخ نے اپنی ماں کو ایک خاص سبب سے پھر یاد دلایا کہ مہدی کی ماں اس کی سوت ہے۔ جس کے ساتھ اس کو دشمنی نہ کرنا چاہیے۔ مگر یہ یاد آنے پر بھی انصاف پسندی نے اس سے برہم نہیں ہونے دیا فرخ آزادی اور دلچسپی کے ساتھ اپنے خاندان میں آنے جانے لگا تھا دونوں چچا اُسکی صورت کے پھر ویسے ہی مشتاق ہو گئے تھے جیسے کہ پہلے تھے۔ خاندانی لوگوں کی ایک صحبت میں جہاں فرخ بھی موجود تھا، اس کی گذشتہ باتیں یاد کی گئیں۔ بعض ہم سن عزیزوں نے مہدی

کا تذکرہ چھیڑ کر فرخ کو ان خیالات کے ظاہر کرنے کا مناسب موقع دیدیا جو چند روز سے اُس کے دل میں مضبوط ہوتے جاتے تھے۔

ایک رشتے دار (طعن سے) "کیوں فرخ! مہدی کیسے آدمی ہیں؟ اتنے دنوں کی صحبت میں تم نے خوب پہچان لیا ہوگا۔

دوسرا۔ (مسکرا کر) "صورت تو بے وقوف کی سی ہے"۔

فرخ۔ (طیش کھانے کے ساتھ ہی ضبط کر کے) "ہمارے خاندان بھر میں تو وہ سب سے زیادہ لائق اور عمدہ آدمی ہیں"۔

پہلا۔ (حیرت کے ساتھ) "خاندان سے انہیں کیا تعلق؟"

فرخ۔ (متانت کے ساتھ) "میں تو اپنے والد کی اولاد کو اپنے ہی خاندان میں خیال کرتا ہوں"۔

دوسرا۔ "فرخ! دیکھو شادی ہو جانے دو۔ تب ایسی باتیں کہنا۔ ابھی تم کو یہ کہنا مناسب نہیں۔ تمہاری پھوپھی سن لیں گی تو بڑی خرابی ہوگی"۔

فرخ۔ "کیوں؟ میں نے مہدی کو ایسا قابل قدر بھائی پایا ہے۔ کہ کسی بزرگ کی بے جا ناراضی سے بچنے کے لئے اُس کا چھوڑنا ہرگز گوارا نہ کروں گا"۔

پہلا۔ "یہ چھوڑنا ہی ہے کہ تم اُن کو شادی تک میں نہ شریک کر سکو"۔

فرخ۔ "یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ پہلے مہدی آ لیں گے پیچھے میں آؤنگا۔ یہ تو میں علانیہ کہتا ہوں۔ کہ جب تک میرے بھائی مہدی اور ان کی

ماں شریک نہ ہوں گی میں نکاح ہی نہ کروں گا۔

پہلا۔" فرخ ہم تم سے سچ کہتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس خیال میں پڑنے سے تمہیں نکاح میں ناکامیابی ہو گی"

فرخ۔ دبرہم ہو کر " اونہہ! نہ ہو" یہ کہہ کر اپنی کوٹھی میں چلا آیا۔

فرخ کے چلے آنے کے بعد اس صحبت میں نہایت جوش کے ساتھ اُس کی مخالفت کی گئی۔ اور اسی وقت یہ امر بڑھا کر اسکے چچا تک پہنچا دیا گیا۔ جس نے دیر تک فکرمند رہ کر اپنی بہن اور بھائی کو سخت تشویش میں ڈالدیا۔ قبل اسکے کہ یہ خبر فرخ کی ماں کو معلوم ہو لوگوں میں ایک سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ گو خاندان کے عاقبت اندیش سن رسیدہ بزرگوں نے سکوت کیا۔ مگر بکثرت رائیں اس جانب ہو گئیں کہ نسبت چھڑالی جائے فرخ کی پھوپھی لڑکی کی ماں۔ تمام اعزا و اقارب کے جوش کے باعث زبان سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ لیکن دل میں فرخ کی اس درخواست سے اس قدر خلاف نہ تھی۔ اُس نے اپنے دونوں بھائیوں سے بمنت کہا کہ وہ کسی طرح اس برہمی کو رفع کر دیں۔

فرخ کے چچاؤں نے اپنی بہن کی خواہش کے موافق لوگوں کو حکمت عملی کے ساتھ فہمائش کی۔ اور فرخ کی ماں کو بلا بھیجا۔ جو اُسی روز سوار ہو کے آئیں۔ فرخ کی ماں نے فنس سے اُترتے ہی ایک نئی برہمی دیکھی۔ جس نے اسے انتہا سے زیادہ غمگین بنا دیا۔ اصل معاملہ دریافت کر چکنے کے بعد گو سوت کی ایک قدیمی عداوت نے جسے وہ دل میں رکھتی تھی۔ ایک

فوری جوش مارا۔ مگر اتفاقاً وہ اس فتنہ انگیزی کو اس قدر واجبی نہیں خیال کرسکیں۔ جتنا کہ اس نے طول کھینچا تھا۔ مہدی کی ماں کی چند روزہ صحبت نے اسے ایسا بنادیا تھا کہ اس بارے میں اسکے خیالات آئندہ سمدھن کے خیالات سے بہت ملتے ہوئے تھے۔ دونوں جیٹھوں کے کہنے کے موافق گھر پر آکر فرخ سے پوچھ کر اس امر کا اندازہ کرنا چاہا کہ فرخ کے خیالات کو اس معاملے میں کہاں تک استقلال ہے۔

ماں۔ "کیوں بیٹا مہدی کے لئے کسی سے تم سے کچھ گفتگو ہوئی تھی؟"

فرخ۔ (ٹالنے کے طور پر) "نہیں کچھ نہیں"

ماں۔ (اصرار کے ساتھ) "نہیں جو کچھ دل میں ہو صاف صاف کہہ دو"

فرخ۔ "آپ سے کیا تعلق! جس نے جیسا کہا ویسا سُن لیا"

ماں۔ "تو آخر مجھ سے کہنے میں کیا ہرج ہے"

فرخ۔ بعض صاحبوں نے کہا تھا کہ مہدی شادی میں شریک نہیں ہونے پائیں گے۔ میں نے کہہ دیا کہ اگر مہدی اور ان کی ماں نہ شریک کی جائیں گی تو میں شادی ہی نہ کروں گا۔ اب بھی یہی کہتا ہوں۔ جب اتنی برہمی ہوئی تب میں نے مہدی کو چھوڑا نہیں، اب چھوڑ دوں گا"

ماں۔ "یہ تمہارے چچا اور تمہاری ساس اس سے ناراض ہیں۔ سنو اس وقت تمہاری غرض درپیش ہے۔ اسے نکل جانے دو۔ پھر دیکھ لینا جلدی کا ہے کی ہے۔ کوئی تم کو چھوڑنے کو تھوڑی ہی کہتا ہے۔ فقط تمہاری برات میں نہ شریک ہونگے نہ سہی"

فرخ:- "یہ تو ممکن ہی نہیں۔ آپ فرماتی کیا ہیں؟ اس میں اصرار نہ فرمائیے"

ماں مجبور ہو کے خاموش ہو رہی۔ دوسرے دن اپنے آنجہانی شوہر کے بھائیوں کو بلا کر کہہ دیا۔ "فرخ تو کسی طرح نہیں مانتا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہے کرو"

آخر فرخ کے چچاؤں نے بڑی حکمت سے سمجھا بجھا کر لوگوں کا غصہ فرو کیا۔ اور بڑی مشکلوں سے یہ امر تسلیم کرایا گیا کہ مہدی اور اُسکی ماں کی شرکت میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ برات کی تاریخ وہی جو قرار پا چکی تھی۔ جس کے اب صرف سات آٹھ روز باقی تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ فرخ کی کوششوں نے اتنا اثر دکھلایا کہ اب اُس کی ماں اور پھوپھی اور اس کے چچا سب کے سب اس کی سوتیلی ماں کے طرفدار ہو گئے۔

بارہواں باب

اس موسم کی نورانی صبح ہے۔ جبکہ درختوں کی سبزی زیادہ تروتازگی کے باعث آنکھوں کو نہایت شگفتہ معلوم ہوتی ہے۔ مینہ کا دل گیر اثر ہر مقام سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر آسمان بالکل کھلا ہوا ہے۔ آفتاب ابھی نکلا نہیں ہے۔ مگر سانولی رات کی ہلکی سیاہی اُسکی سفید جھلکتی ہوئی روشنی سے مل مل کر رخصت ہو رہی ہے۔ دو مختلف رنگوں کے باہم مل جانے سے اس وقت عروس بہار سبز رنگانِ ہند کی طرح نہایت کھلی ہوئی ملاحت ظاہر کرنے والے چہرے سے نازو انداز دکھاتی دنیا میں آئی ہے۔ ٹھنڈی ہوائے صبح کے خوشگوار جھونکے چپکے سے اُن غنچوں کے پہلو میں گدگدا کر نکل جاتے ہیں۔ جو دیر سے اپنی ہنسی کو ضبط کئے ہوئے ہیں۔ نسیم سحر کی سنک پا پا کر بڑے درختوں نے ایک ہلکی سنسناہٹ کی آواز سے گویا مرغان خوش الحان کی نغمہ سرائی کے ساتھ سر ملانے کے لئے گلے بازی شروع کی ہے۔ چھوٹے درختوں کی پھولوں سے لدی

ہوئی ٹہنیوں کا لچکنا کسی معشوقہ بادہ کش کے دوش عاشق کی طرف بڑھتے ہوئے بے سکت ہاتھوں کے دل ربا نمونے دکھا رہا ہے۔ باد سحر کی ٹھنڈک پا کر کروٹیں بدلنے والے بدمستان خرابات کی لمبی سانسیں اُن بھیانک خراٹوں کے ختم ہونے کی خبر دے رہی ہیں جو رات کے سناٹے میں چاروں طرف سے سُنے جاتے تھے۔

عام ہندوستانی رؤسا کے خلاف فرخ کی آنکھ جلد کھُل گئی ہے۔ جب کہ سب بیخودیاں تمام ہو رہی ہیں مستیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ اور نیندیں اُچٹ رہی ہیں۔ نماز صبح کے وضو کے لئے کوٹھی سے نکل کر خوشنما سیڑھیوں سے اُترتا ہوا اُس آخری زینے پر پہنچا جس کے ساتھ جمنا کی سفیدۂ صبح کے عکس سے جھلکتی ہوئی مستانہ رو موجیں شوخیاں کر رہی تھیں۔ دریا کی سیر اگرچہ بہت دلگیر تھی، مگر اُسکی طرف یہ اسقدر متوجہ ہوا جس قدر دل چاہتا تھا۔ فرخ وضو کر کے کوٹھی میں آیا۔ یہ نماز اسوقت ادا ہوئی جبکہ ابتدائی وقت ہونے کے باعث زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ تڑکے کا دلچسپ سماں ایسا بھلا معلوم ہوا کہ سیر کے شوق میں فرخ نے وضو سے پیشتر ہی گاڑی تیار کئے جانے کا حکم دیدیا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی گاڑی تیار پائی۔ اور قبل اسکے کہ مہدی محل سرا سے برآمد ہو، سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ گاڑی اس سڑک پر چلی جاتی تھی جس کی ایک جانب سبزے کی ننھی ننھی پتیوں پر شبنم کے گول اور آبدار قطرے چمک رہے تھے۔ اور دوسری جانب جمنا کی موجیں اُن قیامت خراموں کے نازک پاؤں

کو چوم رہی تھیں۔ جو مذہبی غسل کے لئے تاروں کی چھاں میں گھروں سے نکل آئے تھے۔ فرخ ایک مہذب آدمی تھا۔ جس کی پاک نگاہ اس حُسن کی جانب کم اُٹھا کرتی تھی۔ جس پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ اس فضا مقام پر فرخ جس چیز سے لطف اُٹھاتا جاتا تھا وہ باد سحر کے خوشگوار جھونکے اور سبزے کی تازگی تھی۔ مرغان سحر کی نغمہ سرائی اور سہانی صبح کی فرحت نے اُسے ایسا ازخود رفتہ بنا دیا کہ دلچسپیاں بہت دیر تک بڑھائے گئیں۔ آفتاب کے نکلنے سے پیشتر ہی فرخ نے اپنے تئیں خاص شہر کے پختہ مکانوں کے درمیان میں پایا۔ صبح کے دلگیر اثر نے یہاں ایک اور قسم کا سماں باندھ رکھا تھا۔ شام کو آزادی میں پھرنے کیلئے ترسی ہوئی نگاہ جس شوق سے خوشنما مکانوں پر جاتی تھی ویسا ہی لطف بھی پاتی تھی۔ فرخ بڑی دلبستگی کے ساتھ مکانوں کی سیر کرتا چلا جاتا تھا کہ اسکی نظر ایک عالیشان اونچے کمرے پر جا پڑی۔ جو دو متوسط درجے کے پختہ مکانوں کے اس طرف تھا۔ اس بلند کمرے کے کئی دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ کھلا تھا۔ مگر اندر کی جانب ایک باریک عمدہ چلمن پڑی تھی۔ گو نسیم سحر کے مستانہ اداجھونکوں کی شوخیاں دیر سے چلمن کو حرکت دے رہی تھیں۔ مگر جو بڑا جھونکا فرخ کی نگاہ کے ساتھ ہی دروازے کے رُخ کو چلا اتنا شوخ تھا کہ چلمن اُلٹ گئی۔ چار پانچ ماہ وش، اور باعصمت عورتیں اُس دلگیر ادا کے ساتھ دکھائی دیں جو نامحرموں کا اچانک سامنا ہو جانے سے شرمندگی کے ساتھ جُھک جاتے وقت پیدا

ہوتی ہے۔ فرخ ان شریف عورتوں پر نگاہ ڈالنا بالکل ناپسند کرتا تھا۔ مگر اس کا بغیر کسی بدنیتی کے اس جانب دیکھنا اور چلمن کا اُٹھ جانا ایسا مطابق پڑا۔ کہ سرسری طور پر اس کی نگاہ اُن خوبصورت چہروں پر گزرنے ہی لگی۔ اور آخر وہ اچھی شکلوں سے گزر کر ایک بھولی کمسن کنواری لڑکی کے دل فریب گورے اور نازک چہرے پر پہنچی۔ فرخ نے اس دل چھین لینے والی لڑکی کو اسی وقت دیکھا۔ جب کہ اُس نے اپنے کو شرما کے جھکنے کا ارادہ کرنے والی شوخ اور بڑی آنکھوں کی شعاع سے اُس کے دل میں ایک گہرا زخم کر دیا۔ جس کو فرخ اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ ناسور ہو جائیگا۔ فرخ کی نظر اس پری وش لڑکی کے پیارے چہرے سے ہرگز جدا نہ ہونا چاہتی تھی۔ مگر چلمن نے جو ہوا سے اُٹھ گئی تھی اُسے مجبور کر دیا کہ بڑی حسرت کے ساتھ پلٹ آئے۔ تھوڑی دیر تک ایک معشوقانہ بیرخی اور سراپا ناز بے توجہی پر فرخ کی پُرشوق نگاہ کے ساتھ آنے والی امیدیں عموماً کمرے کی اُس طرف کی دیوار اور خاصکر دروازے کے مارفوں سے سر ٹکرا کر قربان ہوتی رہیں۔ فرخ نے گاڑی پہلے ہی روک لی تھی۔ مگر جس وقت وہ ہوش میں آنے کے قریب پہنچا اور اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت دوبارہ جلوہ دیکھنے کی آرزوئیں میں سے بہت تھوڑی تھیں جو باقی رہی ہوں۔ اُس نے بلا کی مایوسی کا نمونہ دکھانے والے چہرے کے جھکانے کے لئے حسرتمند آنکھوں کے جھکانے کے ساتھ پھر بیتابی کے ساتھ اس کمرے کی طرف نظر اُٹھاتے

وقت کہا۔" ایں وہ تو خود بخود ادھر کو مڑی جاتی ہے۔ (دوبارہ بڑے استقلال کے ضبط کے ساتھ سر جھکا کر) "ہائے کیسی پیاری صورت تھی۔ کس غضب کا حسن تھا! کیا پاک نگاہ تھی! افسوس مجھے بے موت مار ڈالا (آنسو ڈبڈبا آئے) ہائے میں نے تو اچھی طرح صورت بھی نہ دیکھی۔ ایک ہی جھلک نے دل بے چین کر دیا۔ ہائے ذرا جی بھر کے تو دیکھ لیتا۔ آہ جب تو اور بھی دل ہاتھوں سے جاتا رہتا۔ دیکھو شاید پھر ایک جھلک نظر آجائے (رومال سے آنسو پونچھ کر) ہائے پھر ناامیدی۔ اس دل نے کہیں کا نہ رکھا۔ (پھر گردن جھکا کر) اب دیدار نہ نصیب ہوگا۔ ایسی عفیفہ اور شریف لڑکیاں کہیں نامحرموں کو اپنی صورت دکھاتی ہیں۔ ہاں مجھے تو پاکدامن لڑکیوں پر آنکھ ڈالنا نہ چاہیئے۔ مگر اب میں اپنے اختیار میں کب ہوں لاکھ طرح سے روکوں مگر بے چین دل ہی آپے سے گزر گیا ہے۔ یہ بھی مانے! اُف یہ حسرت میری جان لے کر جائیگی۔ یہ پیاری صورت پھر کبھی نظر آئے ممکن نہیں۔ میرا دل اسکی یاد بھولے یہ اُس سے بڑھ کر محال" (تیز دھوپ دیکھکر) "اُفوہ اتنا دن چڑھ آیا۔ کیا وقت ہوگا۔ (گھڑی دیکھکر) "ایں نو بجگئے اب چلنا چاہیئے۔ مگر دل تو کسی طرح مانتا ہی نہیں۔ کیونکر جاؤں (پھر کمرے کی طرف دیکھ کر) آہ! دائمی حسرت ہمیشہ کی مایوسی زندگی بھر کی بے چینی، تم سب کو میں اکیلا کیونکر برداشت کر سکوں گا۔ (چلمن کو یاس کے ساتھ دیکھکر) او ظالم چلمن! تیری یہ دشمنی عمر بھر یاد رہے گی۔

(آنسو بہانے کے ساتھ سر جھکا کر) اب چلنا چاہئے۔ لوگ بار بار اس طرف دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے۔ میری پیاری معشوقہ بدنام ہوگی (دروازے پر آخری مایوسی کی نظر ڈال کر) اچھا رخصت گو دل نہیں مانتا۔ مگر میں جاتا ہوں (اِدھر اُدھر دیکھ کے) میں کس طرف سے آیا تھا! اوہ! ایسا خود رفتہ ہوگیا۔ کہ یہ بھی نہ یاد رہا۔ سائیس سے ایسی بدحواسی کی بات پوچھنا کسی طرح مناسب نہیں۔ گاڑی جس طرف کھڑی ہے۔ غالباً اسکے خلاف جانب سے آیا ہوں۔ میری کوٹھی بھی اسی طرف ہوگی۔ گھر ہی سے تو آیا ہوں نا! افسوس اتنی بدحواسی۔ یہ بھی ٹھیک ٹھیک نہیں یاد ہے۔ خیر جو کچھ ہو میں گاڑی موڑتا ہوں۔

فرخ نے یہ کہکر گاڑی پھیری۔ راستہ بڑی غم فزا افکر مندی کے ساتھ کٹا۔ اُس دلکش کمرے سے جوں جوں دور ہوتا گیا، اسکی حسرت ترقی کرتی گئی۔ اپنے گھر وہ اس طرح واپس آرہا تھا کہ راس اُس کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ گھوڑے کے اختیار میں تھا۔ جس طرف چاہتا لئے چلا جاتا۔ کوٹھی میں اسے ایک نہایت ہی حسرت مند چہرے کے ساتھ وہ عادت لے آئی جو معمولی آمد و رفت کے باعث اس کے شائستہ گھوڑے کو پڑی ہوئی تھی۔

اور دنوں کے خلاف فرخ کا بہت دیر کے بعد کوٹھی میں پہنچنا مہدی سے کسی قدر انتظار کرواچکا تھا۔ گاڑی کی گھر گھراہٹ سنتے ہی وہ کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ دل پر اثر ڈالنے والے مختلف خیالات نے

جو جلد جلد فرخ کے مجسم غم کی صورت دکھانے والے چہرے کا رنگ بدلوا رہے تھے۔ مہدی کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ فرخ کو بڑے غور اور حیرت کے ساتھ دیکھے۔ ایک غمناک سکوت کے ساتھ فرخ کوٹھی کے اندر آیا۔ جس کے پیچھے مہدی بھی تھا۔ اور دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

مہدی :- "آج اس قدر دیر کہاں لگی؟ منتظر ہی تھا۔"

فرخ۔ (دل میں) "یہ میرا بڑا راز دار ہے۔ لیکن یہ بات منہ سے نکالنے کے قابل نہیں۔ (زبان سے) ذرا دور چلا گیا تھا۔"

مہدی :- "اب چپ کیوں ہو، میں بڑی حیرت سے دیکھتا ہوں۔ کہ تمہارے چہرے کا رنگ اڑا جاتا ہے۔"

فرخ۔ (ٹالنے کے طور پر) "یوں ہی کچھ طبیعت سست ہے۔"

مہدی :- "نہیں کبھی نہیں۔ تمہاری صورت سے کسی قسم کی بیماری کے آثار نہیں پائے جاتے۔ تمہارے چہرے پر حسرت برس رہی ہے تمہاری آنکھوں سے مایوسی ٹپکتی ہے۔ تمہاری آواز دردناک ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ تم کسی بات کو نہ چھپاؤ گے۔"

مہدی کی یہ باتیں سن کر فرخ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔

مہدی :- "ایں یہ رونا کیسا؟ آخر ہوا کیا کچھ کہو تو سہی۔"

فرخ۔ (آہِ سرد کھینچ کر) "میں اب وہ فرخ نہیں رہا جس سے تم کو

محبت تھی وہ فرخ تو ایک زندہ دل اور خوشی کے ساتھ بسر کرنے والا شخص تھا۔ میں تو افسردہ دل اور غم میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میرے پاس نہ بیٹھو ورنہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔"

مہدی:۔ "یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ہوش میں ہو کہ نہیں۔"

فرخ:۔ "ہوش! ہوش میری جان سے زیادہ پیاری معشوقہ نے چھین لیے۔"

مہدی:۔ (متحیر ہو کر) "شاید کسی نگاہ نے تم پر جادو کر دیا۔ مگر اس سے پہلے تو میں نے تم سے کبھی نہیں سُنا کہ تمہاری کوئی معشوقہ ہے۔ غالباً آج ہی اس بلا میں پڑے ہو۔ مگر بتاؤ تو ہوا کیا شاید ہم بھی کوئی تدبیر کر سکیں۔"

فرخ:۔ "ہائے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ میرے مرض کو کوئی نہیں کھو سکتا"

یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

مہدی (تسکین دیکر) "اس قدر بے صبر نہ ہو۔ دیکھو ہم بھی ضرور کوئی نہ کوئی تدبیر کر لیں گے۔"

فرخ:۔ "بھائی صبح کا دلچسپ سماں نہیں نہیں، میری پیاری کا جذب مجھے شہر میں کھینچ لے گیا۔ ایک کمرے پر صرف ایک یوں ہی سی جھلک نظر پڑی۔ جس نے دل ہاتھوں سے چھین لیا۔ ہائے ایسی باعفت معشوقہ ایسی پیاری شکل، ایسی بھولی صورت دنیا بھر میں نہ ہو گی۔ تم کیا تدبیر کرو گے۔ اگر گناہ کرنا بھی گوارا کر لیا جائے تو حیادار شریف لڑکیاں کسی کو اپنا منہ نہیں دکھا سکتیں۔ (اُٹھ کر) اب نہیں بیٹھا جاتا ہے۔ جاتا ہوں لیٹ رہوں گا" یہ کہہ کر خواب گاہ کے کمرے میں چلا گیا۔

مہدی۔ (دل میں) بڑی خرابی ہوئی۔ فرخ بالکل آپے سے جاتا رہا۔ یہ بات اگر مشہور ہوگئی تو اس کی شادی میں خلل پڑ جائیگا۔ میں دیکھتا ہوں وہ ضبط بھی نہیں کر سکتا۔ عشق اس کے اوپر بہت غالب آگیا ہے۔ ضرور یہ امر سب لوگوں پر کھل جائے گا۔ کچھ نہ کچھ تدبیر کرنا چاہیئے۔ مگر اُس عورت کا پتہ بھی تو لگے۔ خدا جانے فرخ نے کہاں دیکھا تھا۔ آخر خود فرخ سے دریافت کر لوں گا۔"

مہدی خواب گاہ کے کمرے میں گیا، جہاں فرخ منہ لپیٹے پڑا تھا۔ اُس نے پکارا۔ "فرخ، فرخ! فرخ آنسو پونچھنے کے ساتھ منہ کھول کر ایک بے چین کر دینے والی نگاہ سے دیکھنے لگا۔

مہدی:۔ "تم نے اپنی معشوقہ کو کہاں دیکھا۔ گھبراؤ نہیں، میں جلد تدبیر کرتا ہوں۔"

فرخ:۔ "مجھے کچھ نہیں یاد ہے۔ ہاں اگر خود جاؤں تو شاید میری معشوقہ کی کشش مجھے وہاں تک پہنچا دے۔"

مہدی:۔ "تمہاری معشوقہ کا نقشہ کیسا ہے حلیہ بیان کرو تو پتہ لگاؤں۔"

فرخ:۔ "ہائے میں نے بیداری میں ایسا خواب دیکھا ہے۔ جس سے زلیخا کا خواب کروڑ درجے اچھا تھا۔ ہائے زلیخا نے تو معشوق سے بات کر لی تھی۔ مگر میں اچھی طرح صورت بھی نہیں دیکھ سکا۔ مہدی مجھ سے تم زیادہ نہ پوچھو، میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

مہدی۔ (دل میں) "اس کے ساتھ جو سائیس گیا تھا۔ اس سے

پتہ لگ جائیگا۔ اچھا اسی کو ساتھ لیکر جاتا ہوں"

مہدی فوراً سوار ہو گیا۔ اور تقریباً پانچ گھنٹے بعد واپس آیا۔ گاڑی سے اترتے ہی وہ اس کمرے میں گیا۔ جہاں فرخ تھا۔ مہدی نے فرخ کو جس حال میں چھوڑا تھا۔ اسی حال میں پایا۔

مہدی۔ (فرخ کی طرف بآوازِ بلند خطاب کر کے) "لو ہم نے تدبیر کرلی۔ آج تو نہیں۔ مگر کل صبح کو چلنا۔ تمہاری معشوقہ کی زیارت کرالائیں گے"

فرخ۔ "میری معشوقہ کبھی ایسی نہیں کہ اُس کی پیاری صورت دیکھنے کے لئے کسی کی تدبیر کارگر ہو سکے۔ مجھے کبھی یقین نہ آئے گا"

مہدی۔ "اچھا جب آنکھوں سے دیکھ لوگے تب تو یقین آئے گا"

اسکے بعد مہدی کل کی اُمید دلا کر فرخ کا دل بہلانے لگا۔ یہ پورا دن اور اسکے بعد والی رات فرخ نے بڑی اُلجھن کے ساتھ گزاری۔ دوسرے دن مہدی فرخ کو لے گیا۔ جس وقت اُس کمرے پر فرخ کی نگاہ پڑی جہاں سے اسکی عاشقانہ زندگی شروع ہوئی تھی۔ بے چین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ مہدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے اجازت دیجئے کہ ایک گھڑی ٹھہر کر اس مقام کی اچھی طرح زیارت کرلوں۔ جس کی طرف ایک نظر دیکھ لینے سے میرے ہوش وحواس کی زندگی تمام ہو گئی"

مہدی۔ "میں تم کو اسی مکان میں لئے چلتا ہوں۔ مناسب ہوگا اگر

اس کے اندر چل کر تم ایک بھولی صورت کو دیکھو جو اس کمرے سے بدرجہا زیادہ تمہارا دل بہلا سکے گی۔"

فرخ چپ ہو رہا اور دونوں اُس مکان میں داخل ہوئے۔ فرخ کو حیرت ہوئی۔ جب اُس نے مکان کو بالکل خالی پایا۔ اور مہدی کی یاد دلائی ہوئی اُمیدوں کی جا بجا ایک صاف اور عمدہ کمرے میں بیٹھکر اپنی معشوقہ کا انتظار کرنے لگا۔

"میری پیاری! خدا کرے جلدی آجائے۔ ہائے اس کے نازک ہاتھ ان دروازوں کو چھوئیں۔ اور میں محروم رہوں۔ میری سب سے بڑی قسمت تو کب تک ستائے گی۔"

تیرہواں باب

"تو کب تک ستائے گی؟ ہائے! محبت بڑی بُری چیز ہے۔ اس مرض سے زیادہ پیارا کوئی نام ہی نہیں۔ اس کی ابتدا بڑی خوشگوار ہے یہ تو انسان کو عجب دل فریب کرشموں سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اپنی معشوقہ کو جب میں نے پہلی نگاہ سے دیکھا تھا، تو اُسکی صورت کیسی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ توبہ! توبہ! میں نے کیا کہا؟ کیا اب بھلی معلوم نہ ہوگی۔ ہائے ابھی تک نہیں معلوم ہوئی۔ مگر ہاں میں تو اسکی عصمت اور پاک دامنی کی ادا پر جان دیتا ہوں۔ اس مقام پر کسی نامحرم کے سامنے وہ کیوں آنے لگی تھی؟ اسکے یہاں آنے کو میں ہرگز نہ پسند کروں گا بلکہ اس جگہ چلی آئے تو میری معشوقہ نہیں، پھر میں یہاں بیٹھا کیوں؟"

فرخ کا پیچ در پیچ سلسلۂ خیال کسی طرح ختم ہونے کو نہیں آتا تھا کہ داہنی طرف کے دروازے کو حرکت ہوئی۔ ان سب خیالات کو چھوڑ کر اس کا دل ادھر متوجہ ہوا۔ چشم منتظر بڑی بیتابی کے شوق سے دروازے کو

دیکھنے لگی۔ کسی کی گوری گوری نازک انگلیوں نے دروازہ کھولا۔ اور کشیدہ قامت چھریرے بدن کی نئی نئی امنگوں پر آئی ہوئی نازنین عورت نے دروازے سے نکل کے نظر اُٹھائی۔ لوگوں کو دیکھا۔ اور ساتھ ہی شرما کر گردن جھکائی۔ اس کا قصد تھا کہ سیدھی چلی آئے۔ مگر شرماتے وقت ذرا جھک گئی۔ اور از سر نو قصد کر کے اٹھلاتی ہوئی مستانہ چال سے آکر فرش پر بیٹھ گئی۔

یہ مکان نہایت عمدہ اور خوبصورت بنا تھا۔ اسکی موجودہ ویران حالت دیکھ کر اس امیرانہ شوق پر بہت افسوس آتا تھا جس نے اس عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالی ہوگی۔

دنیا میں جب ہم کچھ بھی دولت مند ہوتے ہیں۔ تو ہمارے دلولے اور ہمارے حوصلے نئی نئی تمناؤں کا شوق دلانے لگتے ہیں۔ مگر افسوس اسوقت نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان شوقوں کا نتیجہ کیا ہوگا۔ دنیا میں ہزاروں ایسی عالیشان عمارتیں نظر پڑیں گی جن کی ہر ہر گری پڑی اینٹ کے نیچے سینکڑوں شوق حسرتوں سے گلے مل مل کر رویا کرتے ہیں۔ کیا بانیوں کو معلوم تھا کہ ہمارے شوق اس طرح خاک میں ملائے جائیں گے؟ نہیں اُن کی اسوقت کی اقبال مندی ایسے حسرت نصیبی کے خیالات کو بدشگونی سمجھتی تھی۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کو ان موقعوں پر افسوس آتا ہو۔ مگر ان عمارتوں کو خود بانیوں کی نگاہ سے دیکھیں تو معلوم ہو کہ اُن میں کتنی آرزوئیں تڑپ رہی ہیں۔

غرض یہ عمارت کسی اگلی حوصلہ مندی کے شوق کا نتیجہ تھی۔ مگر اب یہ حال تھا کہ بیرونی روکار پر بے شمار برساتوں کے گزر جانے کے باعث تمام استرکاری پر سیاہی دوڑ گئی تھی۔ اور اینٹوں پر اکثر جگہ سبز سیاہی مائل کائی جمی ہوئی تھی دروازے خوبصورت بنے تھے۔ مگر خوشنمائی اور رونق کو ان کی چہل پہل اور عروج کا زمانہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ سب سے اوپر کی چھت پر شاید خودرو گھاس اکثر جگہ اُگ آئی تھی۔ کیونکہ سڑک سے کہیں کہیں گھانس کی پتیاں نظر آتی تھیں۔ اندر یہ کیفیت تھی کہ چونہ اور استرکاری اینٹوں کو چھوڑ چکی تھی۔ فقط گرنے ہی کی کسر تھی۔ بلکہ اکثر جگہ دیواروں سے استرکاری کے پیر ادکھڑ ادکھڑ کر زمین پر آرہے تھے۔ چھتیں گو بڑی خوشنمائی کے ساتھ بنائی گئی تھیں، مگر کڑیوں اور پیڑوں کو بخت سیاہ نے اپنے منحوس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

بنانے والے نے اسکو دو حصوں میں بنایا تھا۔ شاید ایک حصہ مردانہ ہوگا اور ایک زنانہ۔ کیونکہ بڑے محراب دار دروازے سے گزر کے ایک چھوٹے سے صحن کی بغل میں آپس میں ملے ہوئے دو کمرے تھے اور دونوں کے دروازے اُس گلی میں نکلے تھے جو دو قدم پر جا کر بڑی سڑک سے مل گئی تھی۔ یہ کمرے ایسے تھے کہ اُن میں دو ڈھائی سو آدمی بفراغت بیٹھ سکتے تھے بس اس حصے میں اور کوئی عمارت ایسی نہ تھی جس پر انسان کی نظر شوق سے پڑے۔ سوا اس عالیشان دروازے کے جو کمروں کے سامنے، اور بیرونی دروازے کے داہنے پہلو پر بڑی شان و شوکت سے بنایا گیا تھا۔

اس دروازے میں دو تین زینے چڑھ کر جانا ہوتا ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً زنانہ مکان اونچی کرسی دے کے بنایا گیا ہوگا۔ مگر دروانے کے اندرونی حصے پر پہنچ کے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں طرف کوٹھے پر جانے کا زینہ ہے۔ اور آگے دو زینے اُتر کر نشیب میں وسیع صحن واقع ہے۔ بائیں طرف کی عمارت زیادہ شان دار بھی معلوم ہوتی تھی۔ اس میں ایک بیرونی برآمدہ تھا اور اندر ایک بڑا کمرہ برآمدے کو جاتے وقت تین تین زینے چڑھ کر بڑے بڑے محراب دار دروں کے اندر سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ کمرے میں جا کر صحن کی طرف مُنھ کر کے بیٹھو تو سوا اس کے کہ داہنی طرف ایک دروازہ تھا جس میں ہو کر مردانے مکان کو ایک پوشیدہ راہ گئی تھی۔ اور اس کے مقابل میں ایک الماری کا دروازہ تھا جو اُس کے جواب میں بنا دیا گیا تھا۔ اور کسی طرف سے ہوا آنے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ صحن کے باقی اطراف میں ایک عالیشان عمارت کا سلسلہ موزونیت اور عمدہ ترتیب کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ مگر مدتوں کی بے مرمتی نازک خیال معماروں کی کاریگری کو بالکل بے رونق کئے ہوئے تھی۔ کوٹھے پر بھی نہایت نفیس عمارت بنی تھی۔ اور ایک کمرہ ایسے موقعے سے بنایا گیا تھا کہ اسکے دروازوں سے انسان بڑی سڑک کو دور سے دیکھ سکتا تھا۔

فرخ اس مکان میں مہدی کے ساتھ آیا تھا۔ اور نیچے کے بڑے کمرے میں جو برآمدے کے اندر واقع تھا۔ صحن کی طرف منہ کئے بیٹھا اپنی معشوقہ کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ داہنی جانب کے چھوٹے دروازے سے وہ زاہد فریب

نازنین آئی - اور ایک ادا کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوئے آکر نہایت شوخی سے مہدی اور فرخ دونوں سے ذرا الگ ہٹ کر بیٹھ گئی -

یہ نازنین ایک نہایت ہی حسین عورت تھی - ابھی اسے اٹھارواں ہی سال ہوگا - گورے گورے چہرے پر بھولاپن ویسا ہی پیارا پیارا معلوم ہوتا تھا - جیسا کہ دلربائی میں ہوشیار ہونے پر اس کا الڑھ پن مزا دیتا تھا - مگر باوجود چہرے کے بھولے پن کے اس کی ترچھی لگاوٹ اور چتون اُن لوگوں کے حق میں ستم تھی - جو کوئی چلبلا معشوق ڈھونڈتے ہیں - کالے کالے بالوں کی بڑی خوشنمائی سے گندھی ہوئی چوٹی باریک ریشمی دھانی دوپٹے کے نیچے سے اپنی سیاہ تابی کی جھلک دکھا رہی تھی سیاہ آنکھیں اگرچہ قدرت کی عمدہ کاریگری سے بڑی بڑی بنی تھیں مگر شرم دبا دبا کے انھیں چھوٹی ثابت کرتی تھی - وہ چاند کے ایسی صاف اور منور پیشانی جو شرم آلودگی کے باعث پسیج سی گئی تھی - اسوقت کی نیچے کو جھکی ہوئی ادا میں نہایت ہی دلربا بن گئی تھی - نازک نازک اس قدرتی گلاب کے پھول کا گلبن کہنا چاہئے - جس کی دو پنکھڑیاں اِدھر اُدھر کے دونوں گورے اور کچھ کچھ سرخی مائل رخسار تھے - دہانہ چھوٹا تھا جو ہنوں پر آیا اور حوصلوں سے بھرا اُبھرا سینہ ان جوانی کی اُمنگوں کو روکے ہوئے تھا - جو خودبخود نکلی پڑتی تھیں -

فرخ کی نگاہ اس کا فرا داحور وش پری پیکر کے استقبال کو جس طرح بڑی بے تابی کے شوق سے بڑھی تھی - اس کی صورت دیکھکر اُس سے

زیادہ بدمزگی کے ساتھ واپس آئی۔

اس وقت فرخ کا چہرہ اُن لوگوں کے دیکھنے کے قابل تھا۔ جو چہرے کے فوری تغیرات کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر نہیں۔ فرخ نے اتنا موقعہ ہی نہیں دیا کہ کوئی اس کے چہرے پر نظر ڈالے۔ اس دلربا معشوقہ کے دیکھتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا قصد تھا کہ پھرتی کے ساتھ برآمدے اور صحن سے گزر کے باہر نکل جائے۔ مگر جلدی کی گھبراہٹ میں اُس نے برآمدے کے در سے ٹکر کھائی۔ چونے کا ایک بڑا پپڑ جو اینٹوں سے الگ ہو چکا تھا۔ زور سے نیچے کی پختہ زمین پر گرا۔ مہدی اس قصد میں تھا کہ لپک کے فرخ کو روکے جیسے ہی پپڑ کے گرنے سے ایک بڑی آواز ہوئی۔ ویسے ہی اُس دروازے کے اُس طرف سے جدھر سے وہ شوخ ادا نازنیں آئی تھی۔ یہ آواز آئی۔

"ایں یہ آواز کس چیز کی تھی؛ ساتھ ہی پیروں کی چاپ معلوم ہوئی مہدی کا خیال بٹ گیا۔ اور وہ گھبرا کے اُس دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

"کون ہے؟ یہ ادھر سے کس کی آواز آئی؟ ایں لاحول ولا قوۃ! کیا دھوکا ہوا ہے! مشتاق ہیں!"

مشتاق:۔ "یہ آواز کیسی تھی؛ اور آپ اکیلے ہی ہیں۔ کیا فرخ نہیں گئے؟"

مہدی:۔ "اس طرف گئے! اور تو نظر ہی نہیں آتے!"

مہدی نے اس قدر کہا تھا "اس طرف گئے"۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ تو فرخ ندارد۔ بات پوری بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ گھبرا کر کہنے لگا "لو وہ

نظر ہی نہیں آتے "۔

مشتاق :۔ وہ آواز کس چیز کی تھی ؟"

مہدی :۔ (بگڑ کر) تمہیں آواز ہی کی پڑی ہوئی ہے ۔ میں حیرت میں ہوں کہ فرخ کہاں غائب ہو گئے ۔ اور یہ اپنی گا رہے ہیں "۔

مشتاق :۔ گئے کہاں ہونگے ۔ کہیں اِدھر اُدھر مکان کی سیر کر رہے ہونگے آج کل موج میں وحشت تو ہئی ہے ۔ مگر لِلّٰہ یہ بتاؤ کہ دھڑاکے کی آواز کیسی آئی تھی ؟"

مہدی :۔ فرخ تو پہلے ہی سے بگڑے تھے ۔ اب میں دیکھتا ہوں ۔ کہ کچھ آپ میں بھی سٹ آچلی ۔ ایک دفعہ ہو، دو دفعہ ہو، ایک بیس دفعہ پوچھ چکے ہو (معشوقہ کی طرف اشارہ کر کے) یہ جو آئیں تو خدا جانے کیا وحشت سوار ہوئی کہ اُٹھ کے بھاگے ۔ مگر گھبراہٹ میں در کی ٹکر کھائی ۔ دیوار پرانی تو ہئی ہے ۔ چونے کا ایک بڑا سا پپڑ گر پڑا ۔ آپ ماشاء اللہ سے ایسے گھبرا کے دوڑے کہ میں آپ کی طرف دیکھنے لگا ۔ اب جو اُدھر دیکھتا ہوں تو فرخ ندارد "۔

مشتاق :۔ تو یہ کیوں کہا کہ فرخ اُٹھ کے بھاگے ۔ میں سمجھا گھبراہٹ کے باعث ادھر ٹہل رہے ہونگے مگر انہیں ڈھونڈنا چاہئے ۔ آخر کہاں چلے گئے ؟"

مہدی :۔ تم یہاں ٹھہرو ۔ یہ اکیلی گھبرائیں گی ۔ میں جا کے ڈھونڈ لاؤں "۔

یہ کہہ کے مہدی چل دیا۔ اور مشتاق اور اُس معشوقہ ہوش ربا میں باتیں شروع ہوئیں۔

مشتاق: "آپ کو بیکار ہی تکلیف ہوئی۔ ہم تو سمجھے تھے کہ فرخ کا کچھ نہ کچھ دل بہل جائے گا۔ مگر ان کے سر پہ ایسی وحشت سوار ہوئی کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ کی صورت دیکھ کر بھی متوجہ نہ ہوئے! تعجب کی بات ہے"

معشوقہ: "آپ مجھے بنایئے تو نہیں۔ میں بھلا کس قابل ہوں"

مشتاق: "استغفراللہ میں بناتا ہوں؟ خدا لگے آپ کی صورت ہی ایسی دلربا دی ہے۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں آپ انتخاب ہیں"

معشوقہ: "اب آپ اپنی تعریف رہنے دیں۔ خیر بھلا بُرا جیسا خدا نے بنایا ہے ویسی ہی ہوں"

مشتاق: "آپ کی ادائیں تو اچھے بھلے آدمیوں کو دیوانہ بنا دیں فرخ تو سڑی ہیں۔ انہیں ان کی کیا قدر ہو"

معشوقہ: "یہ آپ کی قدردانی ہے۔ ورنہ بھلا میری کیا اصل و حقیقت ہے"

مشتاق: "آپ کی اداؤں پر اچھے اچھوں کی جان جاتی ہے۔ اسوقت شہر میں آپ کی دھوم ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے امیروں کا یہ نقشہ ہے کہ ایک جھلک دیکھ پانے کی تمنا میں گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں"

معشوقہ: (بات ٹالنے کے لئے) "اے اب وہ گئے تو وہیں کے ہو رہے؟"

مشتاق: "فرخ آجکل اپنے ہوش و حواس میں تو ہیں نہیں۔ اور نے

نئے جو دام محبت میں گرفتار ہوئے ہیں تو مزاج انتہا سے زیادہ خراب ہو رہا ہے۔ باہر کھڑے ضد کر رہے ہونگے کہ ہم نہیں چلتے "

معشوقہ "آخر ہوا کیا؟"

مشتاق "ساری کہانی سن چکیں۔ اور کہتی ہیں ہوا کیا۔ یہی ہوا کہ تیر نگاہ کے گھائل ہو گئے۔ اب یہ بھی نہیں بتاتے کہ کس کو دیکھا۔ اور کہاں دیکھا۔ گاڑی پر سوار تھے۔ سائیس سے بس اتنا پتہ چلتا ہے۔ کہ یہاں سڑک پر کچھ دیر تک گاڑی روک کے ٹھہرے رہے۔ اور اس مکان کو دیکھا کئے۔ دریافت جو کرتے ہیں تو یہ مکان برسوں سے خالی پڑا ہوا ہے۔ کسی کے ہاں برات تھی۔ اس نے اس مکان کو ایک روز کے لئے مانگ لیا تھا۔ مالک مکان بیچارہ اب بالکل غریب ہے۔ خود تو رہتا نہیں۔ خالی پڑا رہتا ہے۔ اس نے دیدیا۔ اب برات میں خدا جانے کون کون اور کہاں کہاں کی عورتیں آئی ہوئی تھیں۔ پتہ لگے تو کیونکہ؟ ہزار غور کرتے ہیں کوئی بات نہیں سوجھتی۔ اور ان کا یہ حال ہے کہ جیسے دنیا ہی سے گئے گزرے ہوئے۔ ہم نے یہ ترکیب سوچی تھی کہ اس مکان میں لاکر ان کے بہانے سے تم کو پیش کر دیں۔ آخر تم بھی تو بلحاظ حسن و جمال ناز و انداز کسی بات میں کم نہیں ہو۔ مگر اپنی طبیعت ہے کچھ کام نہ نکلا۔ دیکھئے کیا انجام "

باہر سے آواز آئی "بھئی اُن کا کہیں پتہ نہیں" قبل اسکے کہ مشتاق کچھ جواب دے، مہدی اندر آیا۔ اور اسکے چہرے پر نہایت

تشویش پائی جاتی تھی۔

مشتاق ۔" کہیں پتہ نہیں؟"

مہدی ۔" کہیں نہیں سب طرف دیکھا ۔ مگر بالکل بے سود ۔ سائیس سے پوچھا ۔ وہ کہتا ہے ۔ میں نے دیکھا تک نہیں ۔

مشتاق ۔ (گھبرا کے) اور گاڑی کھڑی ہے؟"

مہدی ۔" ہاں حیرت تو یہی ہے کہ گاڑی پر نہیں گئے! یہ دیکھتے ہی دیکھتے خدا جانے کہاں غائب ہو گئے"۔

مشتاق ۔" تو صاحب بے فکر نہ ہونا چاہئے ۔ اُنہیں تلاش کیجے مزاج میں وحشت حد سے زیادہ سمائی ہوئی ہے"۔

مہدی ۔" ہاں ہاں ، میں بھی اسی فکر میں ہوں" (اس نازنین کی طرف اشارہ کرکے) ان کو تو تم پہنچا دو ۔ اور میں جاتا ہوں ۔ دیکھوں گھر پر گئے ہیں ، یا کہیں اور چلے گئے"۔

مشتاق ۔" یہ اپنی گاڑی پر سوار ہو کر چلی جائیں گی ۔ میں آپ کے ہمراہ ہی نہ چلوں ۔ میرے نزدیک آجکل ان کی بڑی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہیے"۔ (معشوقہ کی طرف دیکھکر) "کیوں صاحب آپ چلی جائیں گی؟ تکلیف تو ہوئی آپ کو ، میں پھر حاضر ہوں گا"۔

معشوقہ ۔" مجھے آپ کی کیا ضرورت ہے؟"

مشتاق ۔" (کھڑے ہو کے ایک آہ سرد بھر کر) ضرورت تو ہے مگر آپ منظور نہیں کرینگی"۔

اس پر مہدی کو بھی ہنسی آگئی۔ اور فوراً ہنسی کو روک کے کہا۔" اب تم کو دل لگی سوجھتی ہے۔ اور یہاں کوئی بات مزہ نہیں دیتی۔ لے اب چلو۔ دیر کرنا ٹھیک نہیں "۔

غرض مہدی اور مشتاق اور وہ معشوقہ نازو ادا تینوں آدمی مکان سے باہر نکلے۔ وہ معشوقہ سوار ہوکے اپنے گھر کو روانہ ہوئی۔ مہدی اور مشتاق گاڑی پر بیٹھے اور فرخ کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں دونوں نے یوں باتیں شروع کیں۔

مہدی " بھئی صورت تو قیامت کی تھی اور ادائیں بھی کتنی پیاری تھیں۔ مگر مطلب خاک نہ حاصل ہوا۔ بلکہ فرخ اور برافروختہ ہو گئے ہونگے کی تھی بھلائی ہو گئی برائی۔

مشتاق " مجھے یقین تھا کہ اسکی صورت دیکھتے ہی فرخ فریفتہ ہوجائینگے۔ آپ نے دیکھا تھا کس بانکپن سے نظر ڈالتی تھی۔ خیر اسکو تو جانے دیجئے۔ یہ بتایئے کہ فرخ کے روبراہ لانے کی اور کیا تدبیر ہے۔ کچھ زور نہیں چلتا جانے کون ایسی برق وش تھی کہ ایک ہی نظر میں کام تمام کر دیا۔

مہدی۔" یہ معاملہ زیادہ مشکل ہوتا جاتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑا جاتا ہے۔ شادی کے اب دن ہی کے رہ گئے ہیں اُن کی پھوپھی کو جھوٹوں بھی خبر ہو گئی تو دیکھنا کیسا ہنگامہ اُٹھتا ہے اُن کے بھائی دشمن ہو ہی رہے ہیں۔ وہ الگ بغلیں بجائیں گے غرض بڑی خرابی ہوگی "۔

گاڑی فرخ کی کوٹھی پر جا کر ٹھہری۔ مہدی نے ایک خدمت گار سے پوچھا " فرخ ہیں؟"

خدمتگار " حضور وہ تو آپ ہی کے ساتھ گئے تھے۔

مہدی " جب سے نہیں آئے "

خدمتگار " جی آپ کے ساتھ ہی تو گئے تھے "

مہدی " (جھلا کر) ابے ہم پوچھتے ہیں ابھی تک نہیں آئے "

خدمتگار " (گھبرا کر) جی نہیں تو۔ بس حضور کے ساتھ ہی گئے تھے "

مہدی " (برہم ہو کر) عجب گدھا ہے "

مشتاق " خیر معلوم تو ہو گیا کہ ابھی تک نہیں آئے۔ آتے ہی ہونگے ہم گاڑی پر آئے۔ اور وہ وحشت کے مارے پا پیادہ ہی چل کھڑے ہوئے۔ ہم سے پہلے کیونکر پہنچتے۔ آپ اندر بیٹھئے۔ میں جاتا ہوں، تلاش کروں "

مشتاق روانہ ہوا اور مہدی اندر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ بڑی ہی خرابی ہوئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ ان کے جوشِ عشق کو جہاں تک بن پڑیگا چھپائے رکھوں گا۔ مگر ان کی حرکتیں ایسی ہیں کہ چھپ چکا۔ حد درجے کی رسوائی ہو گی۔ اب شادی ہو چکی "

چودھواں باب

فرخ ایک کشادہ سڑک پر قدم بڑھائے چلا جارہا ہے۔ دل میں کہتا جاتا ہے۔ مہدی نے مجھے بڑا دھوکہ دیا۔ اسکو میں ایسا نہ جانتا تھا۔ میرے ساتھ تو جو کچھ کیا وہ کیا ہی اس نے میری باعصمت معشوقہ کی پاک نگاہ کی توہین کی۔" (کچھ آہٹ پاکر) "آتا تو نہیں ہے؟" (پھر کے دیکھا مگر کوئی نہ تھا) ذرا اور قدم بڑھا بڑھا کر چلنے لگا۔" میری معشوقہ کی نظربازی اور اسکی ادائیں بڑی پاکبازی کے ساتھ ہیں۔ نہ اس بے حیا فاحشہ کی طرح ایسی بے حجابی سے کبھی نہ چلی آتی! ہائے! میں اُسے کہاں پاؤں گا؟ وہ تو ایک حور تھی کہ بجلی کی طرح آسمان پر سے اپنا جلوہ دکھایا اور غائب ہوگئی" "کوئی آتا ہے؟" (پلٹ کر دیکھا) "نہیں کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ شیطان ہے جو گھڑی گھڑی معشوقہ سے میرا دھیان بٹاتا ہے۔ اب میں اسکی باتوں پر ہرگز خیال نہ کرونگا۔ ہائے میری دلربا! اگرچہ میں نے تیری ادائیں زیادہ نہیں دیکھیں۔ مگر وہ تیری ایک ہی ادا زندگی بھر یاد رکھنے کے لئے مجھے

بہت ہے۔ ہائے! وہ نامحرم شخص سے نظر دوچار ہوتے وقت ایک ادا سے جھک جانا مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ وہ تیری نیچی بھولی پاک باز نگاہ میرے دل کو چھید کر اپنے ساتھ بیتی گئی۔ ایک مقام پر فرخ ذرا ٹھہر گیا۔ بائیں ہاتھ کو دونوں سڑکیں اس مقام پر آکے مل گئی تھیں۔ فرخ دل میں کہنے لگا:" میرے مکان کو کدھر سے راستہ گیا ہے؟ کچھ یاد نہیں آتا کہ میں گاڑی کس طرف سے لے جایا کرتا تھا۔ کسی سے پوچھ لوں!"

اس وقت دھوپ تیزی پر آگئی تھی۔ برسات کی دھوپ معمولاً زیادہ شدت پر ہوتی ہے۔ یہ سڑکیں گو زیادہ وسیع تھیں۔ مگر اسوقت ان پر بھی دور تک نگاہ دوڑانے سے بہت کم کسی کی صورت نظر آتی تھی۔ ادھر ادھر کوئی بلا رسیدہ نظر آجاتا تھا۔ تو سر سے چادر لپیٹے ہوتا تھا کہ دھوپ کی گرمی زیادہ نہ محسوس ہو۔ اس پر بھی پُرشکن پیشانی سے برابر پسینے کے قطرے ٹپک ٹپک کے چادر بھگوتے جاتے تھے۔ ابروؤں کی نیچی صاف بتاتی تھی کہ آنکھیں سڑک کو بڑی ناگوار تکلیف کے ساتھ دیکھتی ہیں سفید استر کاری کی ہوئی پختہ دیواروں پر جو سفید سفید دھوپ پڑتی تھی تو چونے کی سفیدی اسے اور بھی لے اُڑتی تھی۔

ایسے وقت میں اس بات کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ آسمان پر سفید اور بعض بعض جگہ کالے ابر کے پھٹے پھٹے ٹکڑے پھیلے ہوئے تھے۔ ابر کے ان متفرق ٹکڑوں نے کچھ ایسی خوشنما ترتیب سے نیلے آسمان پر نقش ونگار بنائے تھے۔ کہ آسمان کی صورت اسوقت دیکھنے کے قابل

تھی۔ مگر افسوس دھوپ کی حدت سے کسی کو نگاہ اُٹھانے کی بھی مجال نہ تھی یہ پھٹے پھٹے ابر کے ٹکڑے جنہیں ہوا برابر پلٹے دے رہی تھی۔ لحظہ بہ لحظہ اپنے پہلو بدل کر آسمان پر طرح طرح کے نقش اور قسم قسم کے جال ڈال دیتے تھے۔ ہوا جب کسی ابر کے تاریک ٹکڑے کو آفتاب پر کر دیتی تھی۔ اُسوقت بالکل سایہ ہو جاتا تھا۔ اور جب اُسے ہٹا دیتی تھی اور آفتاب نیلگوں آسمان پر نظر آنے لگتا تھا۔ پھر دھوپ شدت پکڑ جاتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا۔ کہ ابر کا کوئی سفید ٹکڑا آفتاب پر آجاتا اور دھوپ ہلکی پڑ جاتی تھی۔ دھوپ کا ہلکا ہو جانا یا بالکل سایہ ہو جانا سڑک پر چلنے والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوتا تھا۔

فرخ نے تراہے پر کھڑے ہو کر سوچنا شروع کیا: "مجھے کدھر جانا ہے؟ (رومال سے منہ کا پسینہ پونچھ کر) کیا میری عقل اب اتنی بھی ٹھکانے نہیں رہی۔ کہ گھر کا راستہ پہچانوں؟ خیر جو کچھ ہو اب کسی سے پوچھے کون؟ (بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے) میں ادھر ہی کو چلتا ہوں"۔

فرخ نے غلطی کی۔ وہ اپنے گھر کی طرف سیدھی سڑک سے نہیں چلا۔ یہ سڑک جس کو اس نے اختیار کیا، بڑا چکر کھا کے اُسکی کوٹھی کو گئی تھی۔ بہرحال فرخ اسی سڑک پر ہو لیا۔ دھوپ کی شدت اُسے بہت کم محسوس ہوتی تھی۔ اُس پر تو حُسن کے آفتاب کی کرنیں پڑ رہی تھیں۔ اُس کا سلسلۂ خیال اُسی آفتاب کی شعاعوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُس نے پھر اپنے دل سے باتیں کرنی شروع کیں۔

"میرے دل کی بیتابی بڑھتی جاتی ہے۔ اگر یہی حال رہا تو میں زندگی کیونکر بسر کروں گا؟ موت ابھی آجائے تو اس کی اور بات ہے۔ مگر ظاہر اسباب ابھی مجھے بہت دنوں زندہ رہنا ہے۔ یہ بھی غلط۔ ظالم عشق زندہ رہنے دیگا تو جیوں گا۔ عشق کے ظاہری زور وشور سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میری بہت تھوڑی زندگی باقی ہے۔ میری شادی اور میرے متعلق والدہ کے جتنے حوصلے اور جتنی آرزوئیں ہیں سب خاک میں مل جائیں گی۔ اونہہ! ان باتوں کا تو اب مجھے خیال بھی نہ کرنا چاہئے۔ میں تو اب ایک اور ہی عالم میں ہوں۔ مجھے ان فکروں سے کیا سروکار۔ لوگ دو ہی عالم بتاتے ہیں۔ ایک دنیا، اور ایک عقبیٰ۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ عالم عشق کو بھول ہی گئے یہ ایک تیسرا عالم ہے۔ مہدی نے بڑی بُری حرکت کی۔ ایک فاحشہ عورت سے میرا سامنا کرا دیا۔ شاید وہ عشق کو طبیعت کا ایک معمولی میلان سمجھتا ہے۔ وہ کیا جانے عشق چیز ہی اور ہے۔"

فرخ کے خیالات اس مقام تک پہنچے تھے کہ ایک طرف کسی باغ کا پھاٹک نظر آیا۔ اُسے دھوکا ہوا کہ شاید اُسی کے باغ کا پھاٹک ہے ٹھہر کر غور سے دیکھا اور اندر چلا گیا۔

ویسے ہی ایک ابر کا ٹکڑا آفتاب پر آگیا اور چاروں طرف سایہ ہو گیا۔ یک بیک ٹھنڈک ہو جانے سے ذرا تسکین سی ہو گئی۔ فرخ جب باغ کے اندر داخل ہو گیا تو اسے معلوم ہوا۔ کہ یہ کوئی اور مقام ہے

ایک چمن کے کنارے سبزے پر بیٹھ گیا۔ درخت، گو اُس وقت کی کڑی دھوپ کے باعث پژمردہ سے ہو گئے تھے۔ مگر اس دم بھر کے سائے نے یکایک ان کی بہار کو چمکا دیا۔ وہی ہوا جس کے گرم گرم جھونکے ابھی بادسموم کا اثر رکھتے تھے، خوشگوار معلوم ہونے لگے۔ فرخ کے تمام بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ اس ہوا کا چلنا اسے لطف دینے لگا۔ وہ نگاہ جو ابھی تیز دھوپ کے خوف سے کسی طرف جاتے ہوئے ڈرتی تھی۔ سرسبز درختوں اور ہرے بھرے سبزے کی طرف ایک بڑے ذوق وشوق سے بڑھنے لگی۔ پیشانی کی شکنیں اور بھویں سیدھی ہو گئیں۔ اور نظر ہوا میں بے تکلفی کے ساتھ سیر کرنے لگی۔

فرخ نے نگاہ اُٹھا کے آسمان کو دیکھا تو ابر کی خوش نما سلسلہ بندیاں اُسے بہت اچھی معلوم ہوئیں۔ وہ اپنے مقام سے اُٹھا۔ باغ کی چند روشوں پر ادھر ادھر پھر کے باہر نکلا۔ اور آگے روانہ ہوا۔ یہ سڑک آگے بڑھ کر جمنا کے کنارے پر نکلی تھی۔ فرخ نے کچھ دیر ٹھہر کے جمنا کے بہاؤ کو دیکھا۔ ہوا ابر کو اڑائے لئے جاتی تھی۔ یہ سیر دیکھنے کے قابل تھی کہ پانی پر کبھی معلوم ہوتا تھا کہ دھوپ بھاگتی چلی جاتی تھی۔ اور سایہ اسکے پیچھے دوڑا جاتا ہے۔ دھوپ کے وقت بڑی بے تکلفی سے نگاہ کا پانی پر سیر کرنا ایسی دلفریب کیفیتیں تھیں۔ کہ فرخ ٹھہر گیا۔ دریا پر منقش آسمان کا عکس جو پانی کے لہرانے سے کانپتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اُس سے فرخ کی بڑی دلچسپی ہوئی۔ وہ دم بھر کے لئے اپنے جنوں انگیز ولولوں کو بھول گیا۔

فرخ موجوں کی روانی اور آسمان کی رنگ آمیزیوں کی جانب طبیعت کو مصروف کئے ہوئے تھا۔ کہ اُس کے کان میں ایک آواز آئی۔ "لے اب گھر بھی تشریف لے چلئے گا کہ دریا کی لہریں ہی گنا کیجئے گا؟ پھر کر جو دیکھتا ہے تو مشتاق کی صورت نظر آئی۔ ایک سکوت کے عالم میں دم بخود ہو کے رہ گیا۔ دل میں کہنے لگا۔ "میں ہزار ترک کروں مگر دنیا میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ورنہ مجھے اب ان لوگوں سے کیا سروکار! میں اب گھر بار مال و دولت سب کو چھوڑ دوں گا۔ ایک عاشق کے لئے کوئے یار کے سوا کہیں دلچسپی نہیں۔ اگر کسی قدر ہے تو بس آزادی کی سیر میں۔ یا اس تنہائی میں جہاں کوئی دھیان بٹانے والا نہ ہو۔ کچھ ایسی جگہ پر خیال یار سے خوب باتیں ہوتی ہیں"

عشق واقعی ایک جنون ہے۔ معمولی خواہش جن کی طرف ہماری طبیعت مائل ہوا کرتی ہے، اُن پر اس کا قیاس ہی نہیں ہو سکتا۔ ایسے ایسے تجربے روز ہوا کرتے ہیں کہ کسی بانکی ادا یا کسی ترچھی چتون یا کسی مستانہ چال کو دیکھتے ہی ہماری طبیعت پر ایک فوری اثر ہو۔ ہر حسن عام اس سے کہ وہ کسی چیز میں ہو، دل کو اپنی طرف کھینچنے کی تھوڑی بہت ضرور قوت رکھتا ہے۔ مگر وہ حسن بلا کا ہے جو کسی کو اپنا سچا عاشق بنا کے فریفتہ کرے۔

"نوجوانوں کو کبھی یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہر وہ بھولی اور پیاری صورت جو اپنا جلوہ دکھا کر گھڑی دو گھڑی کے لئے بے قرار کر دیتی ہے۔

اُن کی معشوق ہے۔ وہ جب گھر میں آکر اپنے دل کو ٹٹولیں گے تو اُس صورت کا کہیں مشکل سے پتہ لگے گا۔ اور دو چار روز میں ایک معمولی صورت ہو جائیگی۔ عشق جس دل میں پیدا ہوا تپھر کی لکیر بن جاتا ہے۔ وہ صورت جو اپنا سچا عاشق بنا لیتی ہے آنکھوں کے سامنے سے کسی وقت ہٹتی ہی نہیں۔

فرخ مشتاق کی طرف دیکھ کر پھر جو خیالات میں ڈوبا تو مشتاق نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ اور آخر مجبور ہو کر کہنے لگا۔" اے جناب تو اب تشریف لے چلیئے۔ مہدی نہایت پریشان ہو رہے ہیں۔ وہاں آپ کو بہت ڈھونڈھا جب پتہ نہ ملا تو گھر پر آئے۔ مگر بیکار اسلیئے کہ آپ کو گھر پر بھی نہ پایا۔ خیر اب آپ تشریف لے چلیں"۔

مہدی کا نام آنا تھا کہ فرخ کے دل پر گویا ایک چوٹ لگی وہ عالیشان بے مرمت مکان اتنے گھنٹوں کا انتظار۔ وہ اُس نازنیں کا ایک ادا کے ساتھ آنا۔ سب باتیں ابتدا سے آخر تک اُسکی نظر کے سامنے پھر گئیں۔ مگر اپنی رنجیدگی ٹالنے کے لئے اس نے مشتاق سے پوچھا۔" آپ اِدھر کہاں آنکلے"؟

مشتاق:" یہ خوب بات پوچھی! اے جناب آپ کی تلاش کے سوا اور کون کام تھا۔ وہ تو کہئے ادھر سے ہو نکلے ورنہ یہ خیال میں بھی نہ تھا کہ آپ یہاں ہوں گے"۔

غرض فرخ مشتاق کے ساتھ ہو لیا۔ اور ایک فکرمندی کے ساتھ اپنی کوٹھی کی طرف چلا۔ اُس کا دل کسی بات میں نہ لگتا تھا۔ مگر مشتاق چھیڑ چھیڑ

کے کچھ نہ کچھ بات کرتا جاتا تھا۔

مشتاق:۔ "یہ آپ ادھر کیونکر آنکلے؟" جواب ندارد۔

مشتاق:۔ "حضرت کچھ فرمایا نہ آپ نے؟ مجھے بڑی حیرت ہے۔"

فرخ:۔ "یونہی نکل آیا۔"

مشتاق:۔ "آخر اس دوپہر کے وقت اس طرف کی سیر ہی منظور تھی؟ یا راستہ بھول گئے؟"

فرخ:۔ "بھول گیا ہوں گا۔"

مشتاق:۔ "گاڑی موجود تھی اس کو چھوڑ کے پا پیادہ چل کھڑا ہونا آپ ہی کا کام تھا۔ آخر اس قدر آپ فکرمند کیوں ہیں؟"

فرخ نے نگاہ اُٹھا کے مشتاق کی طرف دیکھا۔ اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا اسے میرے عشق کا حال معلوم ہو گیا۔ شاید مہدی نے کہہ دیا ہو۔

مشتاق:۔ "فرمایئے آپ کسی سوچ میں ہیں؟"

فرخ:۔ "ہاں"

مشتاق (دل میں) "یہ بہت ہوئی" (بظاہر) "آخر جناب معلوم تو ہو کہ آپ کو کس بات کی فکر ہے؟"

فرخ۔ (گھبرا کر) "ہاں! کیا؟"

فرخ اس بے خودی کے عالم میں مشتاق کے ساتھ جاتے جاتے اپنی کوٹھی پر آنکلا۔ کوٹھی کے اندر گیا۔ مہدی اس کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا فرخ اس وقت چاروں طرف ایک وحشیانہ نگاہ سے اس طرح دیکھ رہا تھا

جس طرح کوئی اجنبی شخص دیکھتا ہے۔ مہدی کو اس نے ایک ایسی نظر سے دیکھا جو معمولاً کسی نئے آدمی پر پڑا کرتی ہے۔

ہائے جو نگاہ معشوق سے آشنا ہوئی۔ وہ سب سے بیگانہ ہو جاتی ہے عشق کی زنجیر اُس وقت پیروں میں پڑتی ہے۔ جب دنیاوی تو لقات کے سب بندھن کھل چکتے ہیں۔ وہی روز کے ملنے جلنے والے۔ وہی رہنے سہنے کا مکان، وہی پہننے اوڑھنے کے کپڑے جن سے روز سابقہ رہتا تھا۔ عاشق ہوتے ہی ایسا معلوم ہونے لگتا ہے۔ گویا ان کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔

آخر مہدی نے پوچھا "فرخ تم اُس مکان سے کیوں چلے گئے تھے؟"

بس اتنا پوچھنا قیامت تھا۔ عشق کے مصور نے تمام گذشتہ امور کی تصویروں کا مرقع آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا۔ اس پر اپنے عالیشان کے درنگاہ کے آگے پھرنے لگے۔ اور اس خوبصورت عورت کے کھولتے وقت دروازے سے جو آواز نکلی تھی، کانوں میں گونجنے لگی۔ اس عورت کا نازو انداز سے آکر بیٹھ جانا اور اپنا اُٹھ کر کھڑا ہونا۔ سب پیش نظر تھا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ یہ کارستانی اس مہدی کی تھی۔ یہی مجھے فریب دیکر وہاں لے گیا تھا۔ فرخ کے دل میں کبھی آتا تھا کہ ساری ناراضی مہدی پر ظاہر کر دوں۔ اور کبھی دل کہتا تھا نہیں طرح دینا چاہئے ع

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

فرخ جس وقت اس سوچ میں تھا۔ اُسوقت مشتاق رخصت ہو کر چلا گیا۔ جب مہدی نے دیر تک اپنی بات کا جواب نہ پایا۔ اور فرخ کو

دریائے فکر میں غرق دیکھا۔ ایک دوسرے پیرائے میں اس نے فرخ کا خیال بٹانے کی کوشش کی۔ یعنی اب اس نے نصیحت شروع کر دی۔

مہدی :۔ دیکھو اب تم ایسے ناسمجھ نہیں ہو۔ تمہاری دانائی پر ہم کو اعتبار تھا۔ مگر افسوس ساری عقل تم اپنے ہاتھ سے کھوئے دیتے ہو۔ کس کام کی بات ہوئی اگر تم اپنے پرائے میں بدنام ہو گئے۔ ساری دنیا تمہاری محبوبانا عاقبت اندیشی پر خندہ زنی کریگی۔ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ شادی کے دو ہی تین روز باقی ہیں۔ اگر شادی نہ ہوئی تو تم جانتے ہو کیسی خرابی ہوگی؟ تمہاری سب کوششوں کو بڑا بھاری نقصان پہنچ جائیگا دولت مندی اور متمول کی امیدیں بالکل منقطع ہو جائیں گی دشمن بھائیوں کو بڑی مسرت ہوگی۔ تمہاری والدہ جو فقط تمہارے ہی سہارے پر جیتی ہیں، اس ضعیفی میں ان کا کیا حال ہوگا؟ انسان جو کرے سوچ سمجھ کے کرے۔ عاشق ہوتے بہتوں کو دیکھا ہے مگر تمہاری طرح کسی کے حواس نہیں جاتے رہتے ہیں۔ اب یہ کون سی حرکت تھی کہ اسوقت دھوپ کا تو عالم تھا کہ جیسے بھاڑے کھاتی ہے۔ اور آپ وحشت میں چل کھڑے ہوئے۔ گاڑی موجود تھی۔ مگر نہیں۔ پا پیادہ ہی چل دیئے۔ لے اب چلو ذرا سو رہو، کچھ تو طبیعت کو سکون ہو جائیگا۔"

فرخ :۔ (ایک آہِ سرد بھر کے) "خیر ہیں چاہے سڑی ہوں یا سودائی مگر تم سے ایسی امید نہ تھی۔"

مہدی :۔ (حیرت سے) "کیوں؟ میں نے کیا کیا؟"

فرخ :- ہائے! مہدی تم نے ایسی بات کی کہ میرے دل میں زخم پڑگیا میری باعصمت معشوقہ کا دھوکا دیکر ایک فاحشہ عورت کو میرے سامنے کردیا۔ تم نے ایک پاکدامن نازنین کا نام بڑے بُرے موقعے پر استعمال کیا۔ تم نے اسکی عصمت کی توہین کی۔

مہدی چپ ہوگیا۔ پہلے تو اس سے کچھ بھی نہ بن پڑا۔ مگر آخر یوں بات بنائی۔

" نہیں جان بوجھ کر میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ تو تم خود ہی مان لوگے کہ اُسی مکان میں اپنی معشوقہ کو دیکھا تھا۔ مجھے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہی نازنین جس سے آج تمہارا سامنا ہوا تھا۔ اس مکان میں اکثر آیا جایا کرتی ہے۔ اس غلطی میں پڑکے میں نے اسکو بلوایا تھا۔ اگر وہ تمہاری معشوقہ نہیں ہے تو تم مجھے معاف کرو۔ مگر ذرا اپنے دل میں خوب سوچ لو۔ مجھے تو اب تک گمان ہوتا ہے کہ وہ نازنین تمہاری معشوقہ ہوگی "

فرخ :- تم اُس فاحشہ عورت کو نازنین کیوں کہتے ہو، ایسے اچھے لفظ کو تم نے غارت کردیا۔ ہائے کیا اچھا لفظ تھا۔ "نازنین" خیر اسے اب میں اپنی معشوقہ کی شان میں استعمال نہ کروں گا۔ سُنا مہدی تم بھی میری معشوقہ کو 'نازنین' نہ کہنا "

مہدی :- نہیں، میں کبھی نہ کہوں گا۔ تم میرا یہ قصور معاف کردو۔ اب یہ سب باتیں پھر ہو رہیں گی۔ اس وقت چل کے تم لیٹ رہو "

فرخ کسی طرح جاتا نہ تھا۔ مگر مہدی زبردستی کمرۂ خواب میں لے گیا اور اسے لٹا کے خود محل سرا کو روانہ ہوا۔ مہدی نے چلتے وقت اپنے دل میں کہا "فرخ کا عشق بے شک اب جنون کے مرتبے کو پہنچ گیا۔ طشت از بام ہوا ہی چاہتا ہے۔ ہم تو ہزار چھپائیں۔ مگر ایسی باتیں کہیں چھپائے سے چھپتی ہیں۔ پھر اس کے بھائی ایسے دشمن ہیں کہ جان کے خواہاں ہو رہے ہیں۔ اب اس کی اطلاع اسکی والدہ کو کر دینا چاہئے۔ ایک تو مصلحت بھی اسی میں ہے دوسرے بعد کو کسی اور ذریعے سے معلوم ہوا تو ان کو مجھ سے شکایت ہو گی"۔ بس اسی خیال سے مہدی محل سرا کو روانہ ہوا۔ کہ فرخ کی ماں کو اسکے بیٹے کے پر شور عشق کی خبر کر دے۔

فرخ اپنے پلنگ پر پڑا اپنے خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا۔ "مجھے کیا کرنا ہوگا؟ میں اپنے آپ کو بڑی سخت مصیبت میں مبتلا پاتا ہوں (چونک کے شانے ہاتھ سے سہلا کر)" افوہ! کس زور سے کاٹا ہے۔ کیا پلنگ میں کھٹمل ہو گئے؟ (کروٹ بدل لی)" میں غور کرتا ہوں تو دنیا کی ہزاروں چیزوں کو اپنے ساتھ وابستہ پاتا ہوں۔ کیا سب کو یکقلم ترک کر دوں؟ طبیعت تو یہی چاہتی ہے۔ جب کسی سے علاقہ ہی نہ" (کمر میں کھجلا کر) واقعی بڑے کھٹمل ہو گئے ہیں۔ خیر جب کسی سے علاقہ ہی نہ رکھا تو پھر گھر میں رہا تو، یا اور کسی طرف نکل گیا تو کیا۔

"کھٹملوں پر کیا موقوف ہے۔ یوں بھی تو چین نہیں پڑتا (پھر کروٹ بدلی)" "ہاں غرض یہاں رہنے کا"۔ "معاذاللہ خون نکل آیا ہو تو تعجب

نہیں۔" (داہنے بازو کو زور سے سہلا کر) "عجیب نالائق خدمتگاروں سے سابقہ پڑا ہے۔ کمرے کو صاف ہی نہیں رکھتے۔ مچھر بھی لیجئے موجود ہیں۔ میں کیا کہہ رہا تھا؟ غرض یہاں رہنے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ والدہ ہیں۔ میری حالت دیکھ دیکھ کر راضی نہیں اور خفقان ہو جائیگا۔" (اور طرف کروٹ لی) "اور یوں آزادی اور تنہائی میں جدھر جا ہوں گا۔ نکل جاؤں گا۔ جہاں چاہونگا بیٹھ جاؤں گا۔ جس جگہ جی چاہا دو گھڑی بیٹھ کر خیال یار سے باتیں کر لیں اُفوہ! کیا اُلجھن ہے۔ کسی کل چین ہی نہیں پڑتا۔" (کروٹ بدل کر) "جو مصیبت سر پہ پڑے گی۔ والدہ ایک ہی دفعہ جھیل لیں گی۔" (یاس کی صورت بنا کر) "میری معشوقہ کبھی مجھے ملیگی تو ہے نہیں۔ خیالِ یار یہی سے کام ٹھہرا تو پوری تنہائی کیوں نہ۔" (گھبرا کے اُٹھ بیٹھا) "یہاں کسی طرح چین نہ پڑے گا۔ چلو باغ میں ٹہلوں۔ شاید دل بہل جائے۔" (کوٹھی سے نکل کر باغ میں پہنچا) "کیا یہ پھولوں کے درخت اور یہ کھلا ہوا باغ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں بیٹھ کر اپنی پیاری معشوقہ کو یاد کروں — نہیں۔۔ یہاں عزیز آشنا آ آ کے ستائیں گے۔ یادِ جاناں کا پورا مزا تو اس کوٹھی کے قرب و جوار میں نہیں ہے۔ یہ پھول کیسا خوب صورت اور نازک ہے۔ میری معشوقہ کے رخسارے۔ بس ایسے ہی ہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ تو اس وقت دھوپ سے مُرجھا سا گیا ہے۔ اُس کے گالوں پہ ہر وقت شادابی اور تر و تازگی رہتی ہوگی۔ اُس کا حُسن سدا بہار ہے۔" دل تو یہاں بھی نہیں لگتا۔

آؤ ذرا سڑک پر چل کر دل بہلاؤں" (پھاٹک سے باہر نکل گے) لو یہاں بھی خاک اُڑ رہی ہے۔ کہا جاؤں؟ اچھا چلتا ہوں۔ آخر کہیں تو دل بہلے گا"

انہی خیالات میں ڈوبا ہوا کسی طرف کو چل دیا۔

پندرہواں باب

"بھئی سُنا۔ ہم اب آغا کے اکھاڑے میں جانا چھوڑ دیں گے"
"حقیقت میں اب وہاں بے ایمانی ہونے لگی ہے وہ اکھاڑہ اس قابل نہیں رہا کہ کوئی مرد آدمی وہاں جائے۔ جسے جانا ہو اپنی آبرو سے ہاتھ دھو کے جائے"
"اور یقین جانو ہم نے جانا چھوڑ دیا تو اکھاڑہ ٹوٹ جائے گا"
"اجی کوئی وہاں پیشاب کرنے تو جائے گا نہیں"
"سب ہی دیکھ رہے تھے کہ دنگل میں بھولا کشتی کھا گیا۔ بیٹھ لگ چکی قادر نے بڑی پیاری کشتی نکالی تھی۔ مگر بنی کے اکھاڑے والوں نے ایسا لنجھیڑا نکالا کہ بےچارہ منہ دیکھ کے رہ گیا اور آغا کھڑے منہ دیکھا کیے"
"مجھے تو غصہ آ چلا تھا۔ جی میں آیا کہ بھڑ پڑوں۔ مگر آغا کو خاموش دیکھ کر میں بھی کچھ نہ بولا"
"نہیں جی نہیں۔ جب اپنے اکھاڑے والوں کی اتنی بھی طرف داری

نہ کی تو کیسے ایسی بڑی ہے کہ جائے گا۔"

"لو بڑے بھائی بھی آ گئے۔" (بھائی کی طرف دیکھکر) کیوں بھائی صاحب آپ بھی تو اُس روز موجود تھے۔"

"دنگل میں نہ؟ لاحول ولا قوۃ! کتنی بڑی بے عزتی ہوئی ہے!"

"بے عزتی! یہ نہیں کہتے کہ آغا کے وہاں جانا اب کسی مرد آدمی کا کام نہیں ہے۔" (دروازے کے سامنے باہر کو دیکھکر) "لے اب چُپ رہو وہ خود چلے آتے ہیں۔"

"کون؟"

"وہی آغا جی، اور کون!"

"تو چُپ کیوں رہیں؟ کیا کچھ ڈرتے ہیں!"

"یہ نامناسب بات ہے۔ لو وہ آ ہی گئے۔" (ہاتھ سے اشارہ کر کے) ذرا بیٹھ لینے دو۔"

(آغا کی طرف دیکھکر) "فرمائیے اُستاد مزاج تو اچھا ہے۔

آغا: "سب خدا کا شکر ہے۔"

کیا خبریں ہیں؟"

آغا: (پہلے شخص کی طرف دیکھکر) "تم کل اکھاڑے میں نہیں آئے مزاج تو اچھا ہے۔"

جناب صحیح تو یوں ہے کہ آپ کا اکھاڑہ اب شریفوں کے قابل نہیں رہا۔"

آغا "کیوں؟ اس کا کیا مطلب ہوا؟"
اُس روز دنگل میں آپ کے اُستاد نے بڑی ہیٹی کی"
آغا "کس روز؟"
"اُس روز جس دن قادر نے کشتی نکالی تھی، اور کس روز؟"
آغا "بھئی سچ کہوں! میرے نزدیک تو بھولا کی پیٹھ لگنے نہیں پائی تھی، میں بولتا تو کیا بولتا؟"
"اور سُننا آنکھوں میں خاک ڈالتے ہیں"
آغا "میرا یقین نہیں ہے۔ دیکھو وہ بہادر علی آتے ہیں۔ اُن سے پوچھ لو۔ یہ بھی وہاں موجود تھے" (بہادر علی سے)
"کدھر سے آتے ہو؟"
بہادر علی "اسوقت تو میں لاڈو کے ہاں سے آتا ہوں"
آغا "لاڈو کون؟"
بہادر علی "اجی وہ چاندنی چوک سے دریبے کو جاتے ہوئے نکڑ والے کرے پر نہیں رہتی ہے؟ (اس شخص کی طرف دیکھکر جو کمرے میں پہلے سے بیٹھا تھا) ان کو ایک خوشخبری سُنانے آیا ہوں۔ واللہ پھڑک اُٹھیں گے کچھ مٹھائی قبولیں تو بتاؤں"
"مٹھائی ہر وقت حاضر ہے۔ کہو تو سہی"
بہادر علی "تمہارے بھائی کے متعلق ہے"
آغا "ان کے بھائی کون؟"

بہادر علی: "فرخ کو نہیں جانتے ہو؟"

بہادر علی کا اتنا کہنا تھا کہ دونوں آدمیوں کے چہروں سے خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ایک تو وہ جس کے قول سے یہ بات شروع ہوئی ہے۔ اور دوسرا وہ جسے آتے دیکھکر اُس نے کہا تھا کہ "لو بڑے بھائی آ گئے" غالباً ناظرین یہ سمجھ گئے ہونگے کہ یہ دونوں کون تھے؟ یہ دونوں فرخ کے نامہربان بھائی تھے۔ بڑے کا نام مسعود اور چھوٹے کا نام مقصود تھا۔ یہ دونوں عرصے سے فرخ کے دشمن ہو رہے تھے۔ انھیں سخت ناگوار تھا کہ فرخ کیوں مہدی سے مل گیا۔ اصل تو یوں ہے کہ اس بات کو اپنی دشمنی کا ایک بہانہ قرار دے لیا تھا۔ دونوں سخت نالائق تھے۔ پڑھے لکھے بھی واجبی ہی واجبی تھے۔ جب فرخ کے والد نے انتقال کیا۔ ان دونوں نے اپنا ترکہ بٹا لیا۔ انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اُس کے مزاج کی کیفیتیں اور اس کے دل کا جوش اور اس کی طبیعت کا میلان اُسی وقت ظاہر ہوتا ہے۔ جب کبھی مال و دولت اس کے ہاتھ میں ہو۔ ہم اپنے غریب دوستوں کی نسبت اکثر یہ خیال رکھتے ہیں کہ دنیا میں اگر یہ کسی با اختیار حیثیت پر ہوتے تو مفید شخص ہوتے مگر ہمارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ چونکہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں روپیہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کی طبیعتوں میں جوش ظاہر ہونے کا موقع نہیں آتا۔ اگر وہ دولت مند ہو جائیں تو کیا عجب کہ سب سے بد تر شخص ہوں۔

غرض بُری صحبت کے باعث فرخ کے دونوں بھائیوں کے دلی جذبات نہایت خراب ہو رہے تھے۔ باپ کا ترکہ تقسیم کرانے کے بعد اُن کا ظہور ہوا۔ پہلے ماں سے الگ ہو گئے۔ اسکی کبھی جھوٹوں خبر پوچھنا بھی انہیں نہ نصیب ہوا۔ رات دن عیاشی اور اوباشوں کی صحبت ہی سے اُنہیں سروکار تھا۔ چند روز میں ساری دولت اڑ گئی، جس کا فرخ کو نہایت افسوس تھا۔ فرخ کے ساتھ ان دونوں کو اس بات کا حسد تھا۔ کہ وہ پھوپھی کی جائداد کا مالک ہو جائے گا۔ اپنی پھوپھی کی دولت کو بڑی طمع کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اُن کو یقین تھا کہ پھوپھی کی بیٹی کی شادی اگر فرخ کے ساتھ ہوئی تو خاندانی قیدیں اُن کی نالائقی کو سبک کر دینگی اور پھوپھی مجبوراً ان دونوں میں سے کسی کو اپنی دامادی میں قبول کر لیں گی۔

غرض ایسے ہی ایسے خیالات تھے جنہوں نے اُن کو فرخ کی دشمنی پر آمادہ کر دیا تھا۔ یہ فرخ کی جان کے خواہاں تھے اور ایک آدھ دفعہ اسکی کوشش بھی کی۔ مگر ناکام رہے۔

اس وقت مقصود بیٹھا اپنے دوست مرزا سے باتیں کر رہا تھا کہ مسعود بھی آگیا۔ اُس کے بعد آغا آئے۔ اور پھر بہادر علی آئے۔ جب بہادر علی نے فرخ کا نام لیا تو مقصود اور مسعود دونوں ایک مسرت سے اسکی طرف دیکھنے لگے۔ اور کسی عمدہ خبر کے منتظر ہو گئے۔

مرزا۔ "ان کی تو اب دو ہی چار روز میں شادی ہوا چاہتی ہے"

بہادر علی۔ "جی ہو چکی۔ شادی نہ ہوئی، خالہ جی کا گھر ہوا؟"

مرزا:۔ "چوک گئے یار۔ خالہ نہیں بھابھی کا گھر کہا ہوتا۔"

مسعود:۔ (مسکرا کر) خوب! لے میاں بہادر علی وہ خوشخبری سُناؤ۔

آغا:۔ "ابھی ذرا ان کا شوق تو بڑھنے دو۔"

مسعود:۔ "نہیں جی تم بیان بھی کرو۔"

بہادر علی:۔ "فرخ تو اب عاشق ہو گئے۔"

مسعود:۔ "کس پر؟"

مقصود:۔ "آپ تو بے وقوف ہیں۔ کسی دھوبن ودبن پہ عاشق ہو گئے ہونگے۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔"

مسعود:۔ "اسے کبھی تمیز نہ آئے گی!"

مقصود:۔ (بگڑ کر) "آپ مجھے کوئی اور نہ سمجھئے گا۔ جہاں تک آپ کا لحاظ کرتا ہوں۔ جیسے ان کا دیا کرتا ہوں۔ مجھے اپنے باپ کی تو مروت ہے نہیں۔"

مسعود:۔ "اب میں دیکھتا ہوں شامتیں آئی ہیں۔ جہاں تک دو سر چڑھتا آتا ہے۔"

مقصود:۔ "تو کچھ مجھ سے آپ ایسے کرارے بھی نہیں ہیں۔"

مسعود:۔ (اُٹھ کر) اچھا تو اب تجھے اپنا کرارا پن دکھا ہی دیں۔

مسعود نے لپک کے مقصود کے پٹے لئے۔ اور وہ جو مسعود کا ٹیٹوا لیتا ہے تو مسعود کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ مرزا اور آغا اور بہادر علی تینوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ "ہاں! ہاں۔ ہاں ہاں! جانے دو! اے بھئی

یہ بھائیوں بھائیوں میں؟"

غرض بہزاد وقت دونوں کو چھڑایا اور بیچ بچاؤ کر کے صلح کرادی۔ قاعدے کی بات ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے جوش ذرا ہی میں اُبھر پڑتے ہیں۔ اور چونکہ عزت کا بالکل خیال نہیں ہوتا فوراً دفع بھی ہو جاتے ہیں۔ غرض بہادر علی سے خوش خبری سننے کے لئے دونوں بھائی پھر سنبھل بیٹھے۔

"ہاں میاں بہادر علی فرخ کس پر عاشق ہوئے ہے"

بہادر علی "کس پہ بتاؤں۔ یہ کسی کو پتہ ہی نہیں لگتا۔ بلکہ میں جانتا ہوں خود ان کو بھی نہ معلوم ہوگا کہ میں کس پہ عاشق ہوا ہوں"

اس جملہ پر قہقہہ پڑا۔

بہادر علی "ہنسی کی بات نہیں ہے۔ میں ابھی ابھی لاڈو ہی کے وہاں سے آتا ہوں۔ لاڈو کی وہ نوچی نہیں ہے دلبر"

مرزا "سچ کہنا کیا جوبن ہے۔ اُس پہ اواللہ قیامت ہے ایسی نازنین تو دیکھی نہیں"

مقصود "اور ابھی اُس کا سن کیا ہے؟ بہت کوئی پندرہواں برس ہوگا۔

مسعود "یار تو اُسکے وہاں چلنا چاہیئے"

مقصود "اب چھوٹوں کے ہوتے ہوئے بزرگ کیا جائیں گے۔ اب کیا میں جاؤں گا"

مسعود ہنس کر چپکا ہو رہا۔ اور بہادر علی کی طرف دیکھکر کہنے لگا۔

"پھر کیا ہوا؟"

بہادر علی :- تو جناب فرخ گئے وہ کون بھائی بمبئی سے آئے ہیں۔ بھلا سا نام ہے۔ ہاں مہدی۔ انہوں نے کیا کیا کہ دلبر کو لے جا کے فرخ کے سامنے کر دیا۔ اور کہا کہ تمہاری معشوقہ یہی ہے۔ فرخ کو جو وحشت نے گھیرا تو اُٹھ کے بھاگے۔ میں نے سُنا ابھی تک پتہ نہیں لگا۔ غرض اُن کا عشق بڑے زوروں پر ہے۔ وحشت میں خدا جانے کہاں مارے مارے پھرتے ہونگے۔

مسعود :- واللہ! بڑا عمدہ موقع ہاتھ لگا۔ اب اسکی شادی نہ ہونے دو۔ اور بھئی وہ تو ہمیشہ سے بدمعاش تھا۔ پھوپھی بیچاری کیا جانیں جو لوگوں نے کہہ دیا اُسی پر راضی ہوگئیں۔ پھوپھی یہاں رہی ہوں تو جانیں پھوپھا ہمیشہ لکھنؤ میں رہے وہ بھی اُن کے ساتھ وہیں رہیں۔ جب تک وہاں تھیں اُن کی لڑکی میرے ساتھ منسوب ہونے کو تھی۔ اب پانچ مہینے ہوئے پھوپھا کی برسی کر کے یہاں چلی آئیں۔ تو لوگوں نے کچھ ایسی خبر اندازیاں کیں کہ نسبت چھوٹ گئی۔ اور فرخ کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کا ارادہ کر دیا۔ خدا کرے اس کمبخت کا اب کہیں پتہ نہ لگے"۔

مقصود :- سُنا بھائی! وہ تجویز ہم نے سوچی تھی۔ اب اس کا ٹھیک موقع ہے۔ وحشت میں تنہا مارا مارا پھرتا ہوگا۔ کہیں جنگل ہی میں اس کا کام تمام کر دیا جائے تو خوب ہو"۔

مسعود :- ہاں ہاں! بہت ٹھیک۔ ایسا موقع پھر ہاتھ نہ لگے گا"۔

مقصود :- اچھا تو اسوقت پانچ آدمی ہیں۔ اور پانچوں دلی دوست ہیں آپس میں اقرار ہو جائے۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور پانچوں

آدمی مل کر فرخ کا جھگڑا ہی پاک کر دیں "

آغا:" بھئی میں ہر طرح حاضر ہوں۔ تمہارے ساتھ جان دینے میں بھی تامل نہ ہوگا "

مرزا:" اور میں کیا تم سے منہ موڑوں گا۔ اجی خدا نے چاہا تو سب سے آگے ہوں گا "

بہادر علی:" یار ذرا سوچ سمجھ لو۔ اور یوں تو تمہارا ساتھ دینے کو میں بھی تیار ہوں "

آغا:" اجی سب سمجھا ہوا ہے۔ کسی کو معلوم ہی کیا ہوگا؟"

بہادر علی:" ہاں بس یہی مطلب ہے۔ مگر سب کے سب آدمیوں کا شریک ہونا ٹھیک نہیں۔ بس جن دو آدمیوں کو چاہو تجویز کر لو "

آغا:" ہاں یہ خوب صلاح بتائی۔ بس ایک مسعود اور ایک میں۔ کیوں کافی ہے نا؟"

مرزا:" اور ہمیں نہ لو گے؟"

آغا:" تم بھی سہی۔ تین آدمی ہو نگے تو کیا خرابی ہوگی؟"

مسعود:" تو یہ ہو گئی "

آغا:" ہاں ہاں جی ہو گئی۔ اب اس کا پوچھنا ہی کیا!"

سولہواں باب

فرخ کی ماں رو رہی تھی کہ خود فرخ آیا۔ اور ماں کے گلے سے لپٹ گیا۔ اور کہنے لگا اماں جان! مجھے بڑی فکر ہے۔ مارے فکر کے میں گھلا جاتا ہوں۔ اب اماں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے دنیا ہی میں میرا تمہارا ساتھ چھوٹ جائیگا۔ دیکھو اماں جان تم گھبرانا نہیں۔ بھائی مہدی میری جگہ تمہاری خدمت کو ہمیشہ حاضر رہیں گے۔ تم انہیں میری ہی جگہ پر سمجھ لینا۔ اور سنتے ہو بھائی مہدی۔ دیکھو! اماں جان کو میں فقط تم پر چھوڑے جاتا ہوں" (آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے) دیکھئے اب خدا کب ملاتا ہے۔ مہدی! میرا کہا سنا معاف کرنا۔ میرے بعد تم اکیلے رہ جاؤ گے"

یہ کہہ کر فرخ چلا۔ ماں رونے لگی۔ اور مہدی نے چاہا کہ لپک کر اسے روکے۔ فرخ بھاگا جاتا ہے۔ اور مہدی پیچھے دوڑا جاتا ہے۔ کہ ادھر سے ایک شیر آگیا۔ مہدی سہم کر رہ گیا۔ اور شیر نے فرخ کو سخت زخمی کیا۔

مگر فرخ نے پھرتی سے شیر کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ فرخ کے تمام بدن سے خون بہہ رہا ہے۔ اور خون کے نکلنے سے اسکی حالت غیر ہوتی جاتی ہے فرخ کی آنکھیں اب پتھرا گئیں اور ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی جان نکل رہی ہے۔ مہدی گھبرا گھبرا کے فرخ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ کہ سامنے سے ایک شیر اور نمودار ہوا اور زور سے گرج کر اس نے مہدی پر حملہ کیا۔ مہدی بھاگا۔ دور پہنچ کر پلٹ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ شیر فرخ کے بدن کو پھاڑ رہا ہے۔ اتنا دیکھنا تھا کہ مہدی نے زور سے ایک ایسی چیخ ماری کہ تمام کوٹھی گونج اُٹھی اور آنکھ کھل گئی۔

یہ خواب دیکھکر مہدی کی آنکھ جو کھلی تو اس نے اپنے تئیں نہایت ہی پریشان پایا۔ کچھ دیر تک پلنگ پر سہما ہوا پڑا رہا۔ اور جب دل زیادہ گھبرایا تو کوٹھی کے اس طرف جدھر جمنا بہہ رہی تھی۔ جا کے ٹہلنے لگا۔ صبح ہو چکی تھی۔ مشرق کی طرف آسمان کے کنارے پر سپیدۂ صبح نمایاں تھا۔ جس طرح کوئے یار میں دل عشاق بکھرے ہوتے ہیں۔ اُسی طرح آسمان پر ستارے بکھرے ہوئے تھے۔ آسمان ہجراں نصیبوں کی سوگواری کا سیاہ لباس اُتار رہا تھا۔ مہمانان شب کے رخصت ہونے کا پُر حسرت عالم ستاروں سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ اپنی آنکھیں بند کئے لیتے تھے۔ پڑوس کے شوالے کا چراغ جو رات بھر روشن رہ چکا تھا، اس وقت کسی جاں بلب کی طرح ہچکیاں لے رہا تھا۔ نسیم سحر کے ہلکے ہلکے جھونکے برسات کے موسم میں جب کہ اُمس ہوا کرتی ہے نہایت

غنیمت معلوم ہوتے تھے۔ جس طرح رات بھر فراقِ یار میں نالہ وزاری کرنے والوں پر اس ٹھنڈی سہانی ہوا کے باعث غنودگی سی طاری ہوگئی تھی، اسی طرح ایک مایوسانہ صورت سے کوٹھی کی شمعیں بھی خاموش ہونے لگی تھیں۔ دریا خوب چڑھا ہوا تھا۔ اور کوٹھی کے صحن میں پانی آجانے کو وہی تین سیڑھیاں باقی رہ گئی تھی۔

جمنا کا تیز دھارا لہرا لہرا کے کوشش کرتا تھا کہ سپیدۂ صبح کا عکس اپنے ساتھ بہا لے جائے۔ دنیا والوں سے رخصت ہوا اندھیرا جہاں مہمانانِ شب کو اُن کی بیوفائی کے ٹھکانوں پر پہنچا رہا تھا۔ وہاں اُس نے دو چار پیاری صورتیں تاروں کی چھاں میں لب جمنا بھی لاکر کھڑی کردی تھیں۔ شوالے کے گھاٹ پر پانی کا وہ زیادہ ہچکولے لینا نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرلینے میں کسی کے جھڑوں کی جھنکار سے کم نہ تھا۔ نگاہیں صبح کے اندھیرے میں عجب لطف کے ساتھ اس لہراتے پانی کے تھپیڑے کھا رہی تھیں، جو شوخیوں کے ساتھ مہوشوں کے گورے گورے پنڈوں کو چھو چھو کے بھاگتا تھا۔ یہ سماں اور یہ وقت دل بہلانے کے لئے کافی تھا۔ مگر مہدی کی نگاہ کے سامنے خواب کی تمام باتیں پھر رہی تھیں۔ وہ فرخ کا بھاگنا۔ وہ اُسکے پیچھے دوڑنا۔ وہ شیروں کا آنا۔ اور وہ فرخ کے نزع کا عالم یہ سب امور اسکو پریشان کئے دیتے تھے۔

مہدی دل میں کہنے لگا۔ "ہائے فرخ! کیا تم نے ہمیشہ کے لئے ساتھ چھوڑ دیا؟ افسوس تمہارے دوستوں کا کیا حال ہوگا؟ تمہاری ماں

کس طرح زندہ رہیگی؟ ہائے تم اپنے بھائی مہدی سے ہمیشہ کے لئے جدا ..... نہیں یہ تو خواب تھا۔ خواب و خیال کا کیا اعتبار! فرخ ابھی زندہ ہوگا۔ ہوگا نہیں زندہ ہے۔ فرخ کی وحشت نے اسے ہاتھ سے کھویا۔ دیکھیئے اب کب ملاقات ہوتی ہے۔ میں نے بڑا پریشان کن خواب دیکھا۔ ایسے خواب انسان کے خیالات پر بُرا اثر کرتے ہیں۔ فرخ کو گئے آج کے دن ہوئے؟ ہفتہ ایک۔ اتوار دو۔ پیر تین۔ منگل چار۔ بدھ پانچ ہاں آج پانچ دن ہوئے۔ خدا جانے کہاں ہوگا۔ ادھر ادھر جنگلوں کی سیر کر رہا ہوگا۔ کیا جانے راتیں کہاں بسر کی ہوں گی۔ اور دن کہاں گزارے ہوں گے۔ یہ اُس کے سر پر کیا وحشت سوار ہوئی؟ ہائے عشق! بُری بلا ہے۔ فرخ کے دشمن بہت ہیں۔ اس کے بھائی جان کے خواہاں ہیں جس روز سے فرخ گیا ہے۔ تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ تمام گلی کوچے۔ اور تمام قریب قریب کے جنگل سب چھان مارے اُن کی والدہ جانتی ہیں کہ میں بے فکر ہوں۔ اور فکر کا حال تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ مگر اُن کا کہنا بھی حق بجانب ہے۔ اُن پر بن ہی ایسی گئی، اچھا اب ذرا روز روشن ہولے تو پھر ڈھونڈنے کی کوشش کرونگا"

یہ کہہ کر مہدی پھر وقت کی دلچسپیوں کی جانب متوجہ ہوا۔ اب چڑیاں چہچہانے لگی تھیں۔ اور ستارے جھلملا جھلملا کے غائب ہو گئے تھے۔ ویسے ہی گھڑیال نے پانچ بجائے۔ اور ادھر شوالے کے نیچے سیڑھیوں پر نازک بدن نہانے والیوں کا زیادہ جھرمٹ نظر پڑا۔ مہدی ان

کیفیتوں کو دیکھ رہا تھا کہ اسے کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ پلٹ کے دیکھا۔

مہدی:" کون حسینی خانم؟"

حسینی خانم:" جی حضور! بیگم صاحب نے پوچھا ہے کہ صاحبزادے کی کچھ خبر معلوم ہوئی؟"

مہدی:" میری جانب سے تسلیمات عرض کرنا اور کہنا ابھی تک تو کچھ حال نہیں معلوم ہوا۔"

حسینی خانم:" یا خدا اُن کا کہیں جلدی پتہ لگے۔ کیا کہوں بیگم صاحب کا یہ حال ہے کہ دانا پانی مطلق حرام ہو گیا۔ رونے دھونے کے سوا کوئی کام ہی نہیں۔"

مہدی:" (آبدیدہ ہو کر) تمام شہر ڈھونڈ مارا مگر کسی طرف پتہ ہی نہیں لگتا۔ تم جاؤ کہہ دینا کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ خدا نے چاہا تو آج ہی کل میں پتہ لگ جاتا ہے۔"

حسینی خانم (سلام کر کے) تو میں جاتی ہوں۔ یہی کہہ دوں گی۔"

حسینی یہ کہہ کر چلی گئی۔

مہدی پھر ٹہل ٹہل کر عالم خیال سے دل میں باتیں کرنے لگا:" اب کدھر جاؤں؟ کہاں تلاش کروں؟ کون جگہ ڈھونڈھنے کو چھوڑ دی گئی ہے۔ جہاں اب جاؤں؟ آج کا خواب کیسا پریشان کن تھا؟ اب تک یاد آجاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ خواب تھا۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ مگر خدا جانے یہ کیا بات ہے۔ کہ

دل کو ایک گھبراہٹ سی ہے۔ ہزار دل بہلاتا ہوں۔ مگر طبیعت کی الجھن کسی طرح موقوف ہونے نہیں آتی۔"

(آہٹ پاکر) "کون ہے؟"

خدمتگار۔ (سامنے آکر) "جی میں ہوں۔"

مہدی۔ "کیوں؟"

خدمتگار۔ "ایک صاحب آئے ہیں۔"

مہدی۔ (دل میں) "یہیں بلا لوں؟" (ادھر اُدھر دیکھکر) "اہاہ! دھوپ پھیل گئی!" (خدمتگار سے) "کمرے میں بٹھاؤ میں ابھی آیا۔"

خدمتگار چلا گیا۔ اور مہدی کچھ دیر کے لئے پھر فکر میں غرق ہو گیا پھر چند منٹ کے بعد کوٹھی میں داخل ہوا۔

"اخاہ! آغا صادق ہیں۔ کہئے مزاج تو اچھا ہے؟"

آغا صادق۔ "الحمد للہ آپ کی عنایت۔"

مہدی۔ "مدتوں کے بعد ملاقات ہوئی۔ یہ اسوقت کہاں آنکلے؟"

آغا صادق۔ "اب تو میں نے معمول کر لیا ہے کہ روز صبح کو تفریح کے لئے شہر سے چلا جایا کرتا ہوں۔ حضرت بڑا لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور سنا آپ نے عجب اتفاق ہوا۔ وہ جو ظفر شاہ کی مسجد نہیں ہے وہی جہاں پر انگریز اور انگریزنیں گیند کھیلا کرتی ہیں۔ اس کے ادھر جمنا کے کنارے تک جو جنگل چلا گیا ہے۔ وہاں رات کسی کو کسی نے مار ڈالا خون ضرور ہوا ہے۔ مگر پتہ نہیں چلتا کہ کون مار ڈالا گیا۔ سُنا ہے۔ کہ

ایک ہاتھ کٹا پڑا ہوا ملا - اور خون کے تو جیسے پرنالے بہے ہیں ۔میں ابھی تو وہیں سے آتا ہوں - خاص شہر میں تو یہ اندھیر ہو رہا ہے - اب آپ ہی بتائیے کہ دور کیا حال ہوگا؟"

یہ سُن کر مہدی کو رات کا خواب یاد آگیا - فوراً اسکے چہرے سے حسرت برسنے لگی (دل میں) "خدا کرے فرخ بہ خیریت ہو - مجھے اُس کے بھائیوں سے اِس بات کا بھی خوف ہے - ہائے! فرخ کے ہوش حواس کہاں گئے؟ (ظاہراً) "تو جناب آغا صاحب یہ بڑے اندھیر کی بات ہے اب تو یہاں کے بدمعاشوں سے ڈرنا چاہیئے"

آغا صادق :- "کیا عرض کروں - میرے تو حواس نہیں بجا ہے"

مہدی :- "خدا جانے کس کی زندگی پوری ہو گئی تھی؟ ہاں قاتلوں کا بھی کچھ پتہ لگا؟"

آغا صادق :- "ابھی ٹھیک حال تو معلوم نہیں - مگر دو ایک آدمی ماخوذ ہوئے ہیں - ایک تو جمنا کے کنارے ایک کرارے کی آڑ میں بیٹھا اپنے کپڑوں سے خون دھو رہا تھا - اور شاید پولیس کے آدمیوں کو آتے دیکھ کر تلوار پانی میں پھینک دی - اور دوسرا تلوار لئے اوپر کھڑا تھا - اور تلوار پر جابجا خون کے لوتھڑے بھی جمے ہوئے تھے - دونوں فوراً گرفتار کر لئے گئے"

مہدی :- "کچھ معلوم ہوا کون لوگ ہیں؟ لو اصغر علی بھی آ گئے - ان سے خوب پتہ لگے گا"

کیوں صاحب یہ شہر میں کیا ہنگامہ ہو گیا؟"

اصغر علی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پہلے تو ہزار کوشش کی۔ مگر آواز منہ سے نہ نکل سکی۔ آخر اپنے تئیں بہت سنبھال کے کہا "بھائی کیا پوچھتے ہو؟ زندگی کا مزا جاتا رہا۔"

مہدی:۔ (اصغر علی کی طرف غور سے دیکھکر)"۔ ارے بھئی للہ جلد بتاؤ کیا ہوا کیا؟"

اصغر علی:۔ تم کو اب تک خبر نہیں! ہائے! اس جان گزا صدمے کی خبر سُنانا بھی میری قسمت میں لکھا تھا؟" (مہدی خود بخود چونک کے اُس کی طرف بغور دیکھنے لگا)۔ "ہائے بھائی فرخ مار ڈالے گئے!"

خدا جانے یہ کس قیامت کا جملہ تھا۔ کہ یک بیک سب طرف ایک مایوسی کا سکوت پیدا ہو گیا۔ ایک ایک کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ چہروں سے ظاہر ہونے والی حسرتیں ایک دوسرے سے اشارہ کرنے لگیں۔ چشم زدن میں کچھ ایسا انقلاب ہوا۔ کہ ایک عالمگیر سناٹا ہو گیا۔ اور کوٹھی۔ باغ۔ دیوار۔ دَر۔ پھول پتے جس چیز کو دیکھو اُس پر بے کسی برس رہی تھی۔ مہدی چند منٹ بیٹھا رہا۔ دل بھرا ہی آتا تھا۔ مگر اس نے بلا کا ضبط کیا۔ اور نگاہ نیچی کئے فرخ کی تصویر کو جو عالم خیال میں اُس کی نظر کے سامنے پھر رہی تھی دیکھا کیا۔ اتنے میں مشتاق آیا۔ اور آتے ہی اُس نے دروازے پر ایک چیخ ماری اور دھاڑیں مار مار کے رونے لگا۔ مشتاق کے رونے کی آواز سُن کر مہدی سے بھی

نہ رہا گیا۔ وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ اور بآوازِ بلند رونا شروع کیا۔ کوٹھی بزمِ ماتم ہو گئی۔ اور گریۂ و بکا کی دلخراش آوازیں دروازوں سے نکل نکل کر ہوا میں گونجنے لگی۔ صدائے نالہ و فریاد محل سرا میں پہنچی۔ فرخ کی ماں گھبرا اُٹھی۔ ایک آہِ سرد بھری اور کہا۔ "الٰہی میرے بچے کی خیر۔ حسینی خانم دوڑو تو دیکھو یہ کوٹھی سے رونے کی کیسی آواز آ رہی ہے"۔ حسینی خانم باہر آئی۔ جب تک حسینی خانم باہر سے پلٹ کر آئے آئے اس کا یہ عالم تھا کہ ایک پاؤں اس دالان میں تو دوسرا اُس دالان میں۔ کسی طرف چین ہی نہیں آتا تھا۔ اتنے میں حسینی خانم باہر سے آئی۔ خاموش۔ مگر صورت پر حسرت برس رہی ہے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں:

فرخ کی ماں۔ (زور سے فریاد کر کے) "ہے! ہے! لے یہ تو میں پہلے ہی سے سمجھی تھی۔ ہائے میرے فرخ! ارے میں نہ سمجھتی تھی تو مجھے یوں دغا دے جائیگا! ارے میرے نازوں کے پالے" (حسینی خانم کی طرف ایک جوشِ حسرت سے دیکھکر) "لے حسینی خانم جو کچھ کہنا ہو کہو۔ ارے میں اپنے بچے کی سُنائی تو سُن لوں!"

حسینی خانم:۔ (شور کر کے) "ہے! ہے! بی بی میں کیوں کر کہوں میری زبان تک کیونکر آئے گا؟ ہائے ظالم دشمنوں نے گھر ہی تباہ کر دیا! فرخ کی ماں نے اتنا سُنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور غش کھا کے گر پڑی۔ تمام محل میں کہرام مچ گیا۔ مہدی کی ماں لپک کر گلاب پاش

اُٹھا لائی۔ آنکھوں سے برابر ٹپ ٹپ آنسو ٹپکتے جاتے تھے۔ مگر گلا بند تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرخ کی ماں کو ذرا ہوش آیا۔ مصلحتاً نالہ و فریاد موقوف کیا گیا۔ اور عورتیں اپنے اپنے ذہن کے موافق فرخ کی ماں کا دل بہلانے کی کوشش کرنے لگیں۔

ادھر کوٹھی میں جب سب کو رونے سے ذرا سکون ہوا تو مہدی نے کہا۔ "لے اب رونا تو عمر بھر کے لئے ہے۔ تجہیز و تکفین کی فکر کرنی چاہئے۔"

اصغر علی:۔ "تجہیز و تکفین کس کی کیجیے گا۔ لاش کا بھی پتہ ہو۔ میں نے کیا بات اُٹھا رکھی ہے۔ رات کو جب میں انہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے واپس آیا تو حیدر ایک لڑکا ہے۔ اس نے کہا کہ فرخ شام کو ظفر شاہ کی مسجد کے صحن میں تن تنہا بیٹھے تھے۔ اُس وقت تو میں جا سکا نہیں، صبح پو پھٹتے ہی وہاں پہنچا۔ دیکھا تو ایک ہنگامہ بپا ہے۔ پولیس کے آدمی رات ہی کو پہنچ گئے تھے۔ مگر کوئی یہ کیا جانے کہ فرخ تھے۔ جا کے دیکھا تو ایک ہاتھ کٹا ہوا پڑا ہے۔ لاش کا کہیں پتہ نہیں۔ خون بہت بہا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک فیروزے کی انگوٹھی تھی اُس پر نظر پڑنا تھی کہ قیامت ہو گئی۔ فرخ کے ہاتھ میں بھی میں نے وہی انگوٹھی دیکھی تھی۔ برقندازوں نے لاش کے تلاش کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ مگر پتہ نہ لگنا تھا۔ نہ لگا۔ خدا جانے ظالموں نے کہاں چھپا دی ہے۔ اس وقت دریا میں بھی جال پڑ رہے ہیں مگر مجھے لاش ملنے کی اُمید نہیں۔"

آغا صادق :- مجھے اس کی خبر ہی نہ تھی۔ افسوس کیا صدمہ ہوا ہے فرخ کا سا آدمی اب ہونا مشکل ہے۔ وہ شہید ہوئے۔ مگر ہائے! اپنے دوستوں کو عمر بھر کا داغ دے گئے۔

مشتاق :- مرنا برحق ہے! انسان دنیا میں کیا کیا سامان کرتا ہے اور غور سے دیکھو تو سب ہیچ ہے۔"

آغا صادق برحق برحق کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مہدی سے رخصت ہو کے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔

اصغر علی :- (مہدی کے کان میں) "اور آپ نے یہ بھی سُنا کہ یہ کام کس کا ہے خود فرخ کے بڑے بھائی صاحب۔ ایک وہ اور ایک اور شخص دو آدمی ماخوذ بھی ہوئے ہیں۔ سُنا ہے کہ کوئی اور بھی تھا۔ مگر پتہ نہیں لگا۔ بھاگ گیا۔"

مہدی :- اجی یہ تو میں پہلے ہی سمجھے ہوئے تھا۔

مشتاق :- مسعود نہ! اے حضرت وہی ہیں۔ اُن کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو راستے میں سُنا تھا۔ شہر بھر میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ بلکہ مجھ سے تو لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اُن کے بڑے بھائی ہی نے مار ڈالا۔"

مہدی :- ہائے فرخ تو گئے۔ مگر ان ظالموں سے اب ہم سمجھیں گے۔ میاں اصغر علی تم کو بھی گواہی دینا ہو گی۔ بھئی اور بھی جس جس کو اس کا حال معلوم ہو اسکو گواہی پر آمادہ کرنا۔ اجی میں چاہتا ہوں کہ دونوں سے بدلہ لوں۔"

اصغر علی :- یہ سب خدا نے چاہا تو ہو ہی رہیگا۔ خدا خود اس خون ناحق کا بدلہ لے گا۔

سترہواں باب

فرخ کی پھوپھی "۔ نصیبن کیا بجا ہوگا؟"

نصیبن "۔ اے بی بی ابھی تھوڑی دیر ہوئی تین بجے تھے۔ مگر ابھی دھوپ بہت تیز ہے۔ بدلی بڑی زور سے اُٹھی ہے۔ خدا کرے برس جائے"۔

فرخ کی پھوپھی "۔ ہاں ایک آدھ چھینٹا پڑ جائے تو ٹھنڈ ہو۔ معاذ اللہ کس غضب کی اُمس ہے"۔

نصیبن "۔ ٹھنڈک تو ہو جائے گی۔ مگر بی بی ابھی کام بہت سے پڑے ہیں"۔

فرخ کی پھوپھی "۔ اے ہاں۔ اب دن ہی کئے رہ گئے ہیں؟ آج بدھ ہے اور ہفتے کو برات آئیگی۔ اور ابھی سامان بہت باقی ہے۔ خدا کرے بڑے بھائی آجائیں۔ میں نے تو منجھلے بھائی کو بھی بلایا تھا۔ مگر وہ آج کچھ کام بتاتے تھے۔ لو پانی برسنے لگا۔ یا اللہ شکر! اب تو بڑے بھائی کے آنے میں بھی مجھے شک ہے۔ نصیبن سب دروازے

کھول دو" دروازے کھول دیئے گئے۔

فرخ کی پھوپھی "اے اُدھر کے دالان میں بوچھار جاتی ہوگی۔ نصیبن شہزادی سے پکار کے کہہ دو۔ اِدھر نکل آئیں۔ وہاں اکیلی کیا کر رہی ہیں؟ میرا تو اس لڑکی سے ناک میں دم آگیا۔ مانجھے بیٹھ چکی ہے۔ مگر پردے میں کسی طرح دل ہی نہیں لگتا"

نصیبن "نہیں بی بی وہ تو پردے سے پاؤں بھی نہیں باہر نکالتی ہیں۔ اس وقت اُدھر چوکی پہ گئی تھیں۔ خدا جانے کیا دل میں آئی کہ اُدھر ٹھہر گئیں" (پکار کر) اے صاحبزادی وہاں بوچھار آتی ہوگی۔ ادھر نکل آیئے۔ دیکھیے آپکی امی جان بلاتی ہیں"

شہزادی الڑھ پن کے ساتھ پائنچے ہاتھ میں اُٹھائے دالان سے باہر نکلیں اور ایک چلبلی بچپن کی ادا سے کیچڑ سے بچا بچا کے پاؤں رکھتی سمٹ سمٹ کر مینہہ سے بچنے کی کوشش کرتی آئیں۔ اور پردے میں چلی گئیں۔

تھوڑی دیر میں پانی برس کے نکل گیا۔ اسوقت ایک عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ قدرت نے نہایت ہی دلچسپ سماں باندھ رکھا تھا۔ برسنے والی کالی گھٹا کو ہوا اُڑا لے گئی تھی۔ مگر سفید منتشر ٹکڑے آسمان پہ پھیلے ہوئے تھے۔ نکھری نکھری دھوپ سفید سفید مینہہ سے دھوئی ہوئی دیواروں پہ بڑا لطف دکھا رہی تھی۔ آفتاب کی کرنوں کو جیسے پانی نے دھو دیا تھا۔ کیونکہ اُن کی نازک روشنی کو نگاہ بڑی

خوشگواری سے دیکھتی تھی۔ آسمان کی نیلگونی جسے دن کی تپش کے بخارات نے میلا کر دیا تھا۔ خوب پاک و صاف ہو گئی تھی۔ ہر چیز سے ایک تر و تازگی ظاہر ہونے لگی۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے امس موقوف ہوئی اور پسینے خشک ہوئے۔

فرخ کی پھوپھی:- "اب خوب ٹھنڈک ہو گئی۔"

نصیبن:- "بی بی صبح سے کس شدّت کی گرمی تھی۔"

فرخ کی پھوپھی:- "(سامنے دیکھکر) لو بڑے بھائی تو آ گئے۔ اور منجھلے بھائی بھی ہیں۔"

دونوں بھائی آئے اور کمرے میں بیٹھ گئے۔

فرخ کی پھوپھی:- "اے بھائی تم غفلت کرتے ہو۔ اب فقط تین ہی چار روز رہ گئے ہیں۔ ان میں کیا کر لو گے؟ ابھی زیور بہت سا باقی ہے۔ جوڑے بھی اب تک سب تیار نہیں ہوئے۔ چاولوں کو تم سے کئی دفعہ کہہ چکی ہوں۔ مگر تم نے کچھ فکر نہ کی۔"

بڑے بھائی:- "گھبرانے کی کون بات ہے؟ سب ہو جائے گا۔ اجی وہ دن تو آنے دو۔ خدا نے بڑی تمناؤں سے یہ خوشی کا دن دکھایا ہے"

منجھلے بھائی بولے "نصیبن تھوڑا پانی پلا دو۔"

فرخ کی پھوپھی:- "یہ پانی پینے کا کون سا وقت ہے! اب اس وقت تو خدا نے ٹھنڈا کر دیا۔"

منجھلے بھائی:- "مجھے آج کچھ پیاس ہی بہت ہے۔ اب یہ جو تھا

گلاس ہے۔" یہ کہہ کر نصیبن سے گلاس لے کر پانی پیا اور منہ پونچھ کر بولے "شادی تو ہو ہی جائیگی۔ مگر آج میں نے ایک ایسی خبر سُنی ہے کہ مجھے بڑی فکر پیدا ہو گئی۔" بڑے بھائی اور فرخ کی پھوپھی دونوں حیرت و اضطراب کے ساتھ صورت دیکھنے لگے۔

منجھلے بھائی:۔ "سنتا ہوں۔ فرخ نے بڑی آوارگی اختیار کر لی۔ اس کی نسبت کبھی ایسی باتیں آج تک نہیں سُنی گئی تھیں۔ مگر مجھے یقین نہیں آتا۔ سنتا ہوں کسی عورت کے پیچھے آوارہ و سرگرداں پھرا کرتا ہے۔"

فرخ کی پھوپھی:۔ "ہائے یہ میری تقدیر کی خطا ہے۔ اُس کی خطا نہیں مگر بھائی سچ کہتی ہوں۔ جو کہیں میری شہزادی کے دل کو کچھ صدمہ پہنچا تو میری زندگی اجیرن ہو جائے گی۔"

بڑے بھائی:۔ "ابھی کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ لوگ فرخ کے دشمن ہو ہی رہے ہیں۔ کسی نے غپ اڑادی ہو گی۔ اُس کے مزاج میں ایسی آوارگی ہی نہیں ہے۔ مجھے کبھی یقین نہ آئے گا۔ تم بسم اللہ کر کے نکاح پڑھوا دو۔ میں خوب طرح سے دریافت کرالوں گا۔ تم اطمینان۔"

ایک ماما باہر سے سر پیٹتی ہوئی آئی اور کمرے کے پاس پہنچکر زور سے ایک دوہتڑ سر پہ مارا اور کہا "بیوی لٹ گئی! ہائے ظالموں نے کہیں کا نہ رکھا۔" سب لوگ حیرت سے دیکھنے لگے۔ کیا ہوا کیا؟"

ماما:۔ "ارے وہ بات کیسے منہ سے نکالوں! ہائے میرے اللہ! ان جوانا مرگوں سے خدا سمجھے! ہائے دولھا کو مار ڈالا۔۔۔۔!"

فرخ کی پھوپھی ۔" (سر پیٹ کر) "ارے میری قسمت میں یوں لکھا تھا؟ ہائے خدا دشمنوں کو بھی ایسی قسمت نہ دے۔ ارے میری قسمت اس پر بھی اثر کر گئی۔ ہائے! ہائے میری بچی!" ارے لوگو میں کیا کروں ہائے میں لٹ گئی۔ لوگو میں اپنی بچی کے دولہا کو کہاں پاؤں گی؟"

یہ کہہ کر پردہ نوچ کر پھینک دیا۔ اور شہزادی سے جا کے لپٹ گئی شہزادی کی صورت سب سے بڑی حسرت کا نمونہ ہو رہی تھی۔ اس کا کم سنی کا بھولا چہرہ بہت ضبط کر کے یاس و حسرت کو شرم و حیا کے دامن میں چھپا رہا تھا۔

منجھلے بھائی۔ (آنکھوں سے آنسو پونچھ کر) "آئیے بھائی صاحب باہر چل کر اس خبر کو دریافت تو کر آئیں۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ یک بیک آسمان سر پہ پھٹ پڑا۔" دونوں باہر گئے۔

فرخ کی پھوپھی۔ "ہائے مجھ نا نصیب کو یہ دن دیکھنا بدا تھا؟ ارے میری بچی مانجھے ہی میں بیٹھے بیٹھے بیوہ ہو گئی! ارے لوگو میں اپنی فریاد کس کے پاس لے جاؤں؟ ہائے یہ کن سنگدلوں کا کام تھا! ارے اسکے ساتھ میری جان بھی لے لی۔ تمام محل میں کہرام مچ گیا۔ ماما اصیلیں کھڑی ہو ہو کے سر پیٹنے لگیں۔ آہ و زاری کی صدا آسمان تک بلند ہوئی۔ ایک ایک سمجھاتا تھا۔ مگر سمجھنے کا ہوش کسی کو بھی نہ تھا۔

دونوں بھائی باہر سے آئے۔ بہن کو سمجھا بجھا کے بٹھایا۔

بہن۔ "یہ ہوا کیا؟"

بڑے بھائی:- (روکر) "کیا بتاؤں کہ کیا ہوا۔ اس ضعیفی میں کلیجے پر اتنا بڑا داغ اُٹھانا لکھا تھا۔ بس وہی ہوا!"

بہن:- "بھائی خدا کے لئے۔ جلدی کہو۔ تم کیا دریافت کر آئے؟"

بڑے بھائی سے کچھ نہ کہا گیا۔ زبان بند ہو گئی۔ منجھلے بھائی نے ایک آہِ سرد کھینچی اور کہا:- "بہن ہماری اور تمہاری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ فرخ کو اس کے بھائیوں نے مار ڈالا۔ مسعود پکڑا ابھی گیا ہے۔ ہائے میں مسعود کو ایسا نہ سمجھتا تھا۔ اتنی بڑی سنگدلی اور شقاوت کا کام اور سگے بھائی کے ساتھ! دیکھئے یہ زمانہ کیا کیا کرتا ہے۔ یہ زمانہ جو نہ کرے تھوڑا ہے۔ اور عداوت کس بات کی؟ بس اسی شادی کی۔ جانتے تھے کہ ہمارے ساتھ ہو گی۔ اور اُڑانے کو بے انتہا دولت ہاتھ لگے گی۔ بس مار ڈالا۔ اب ذلت کے ساتھ گرفتار ہوئے ہیں۔ شہر بھر لعنت بھیج رہا ہے۔ دو دن میں پھانسی ہو گی۔ اس کی خبر ہی نہ تھی۔ ہائے ایسے آنکھوں پر پردے پڑ گئے۔"

فرخ کی پھوپھی:- "ان ظالموں کو میں اپنی لڑکی دوں گی؟ لاکھ برس تو یہ ہو گا نہیں۔ اب اسکی شادی ہو چکی۔ فرخ نے اُس کے پیچھے اپنی جان دی تو اب کیا کسی اور کی ہو کے رہے گی؟ ہائے شہزادی تو بیوہ ہو گئی وہ عمر بھر یونہی بیٹھی رہیگی۔ مقصود سمجھتا ہو گا کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ اب اور کون ہے! شہزادی میں بیاہ لاؤنگا۔ یہ ہو چکا۔ ہائے میری شہزادی تیرا شوہر ایک مظلوم شہید ہے۔"

ماں کی یہ تقریر سُن کے شہزادی کے چہرے سے ایک بشاشت ظاہر ہونے لگی۔

کیا وہ خوش تھی! ہائے خوش نہ تھی۔ اُس کو یہ اطمینان ہو گیا تھا، کہ اپنے مظلوم شوہر کی سوگواری میں عمر بسر کرنے کا موقع ملا۔ ہائے! اس بھولی کم عمر سوگوار کے دل سے کوئی پوچھے کہ اس پہ کیا گزری۔

اٹھارہواں باب

عدالت کی کرسی پر ایک یوروپین مجسٹریٹ بیٹھا ہے۔ تمام عملہ اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔ انسپکٹر پولیس کی رپورٹ پر ایک قتل عمد کا مقدمہ پیش ہوا۔ مستغیث کا اظہار شروع ہوا۔ دو مجرم سر سے پاؤں تک زنجیروں میں جکڑے کھڑے ہیں۔

حاکم :۔ "تمہارا کیا نام ہے؟"

مستغیث :۔ "مہدی"

حاکم :۔ "تم مقتول کا کون ہے؟"

مہدی :۔ "بھائی"

حاکم :۔ "کیسا بھائی؟"

مہدی :۔ "وہ میرا سوتیلا بھائی تھا"

حاکم :۔ "کیا تم کو یقین ہے۔ کہ ان ہی لوگوں نے مار ڈالا؟"

مہدی :۔ "بے شک! فرخ کی جان کا دشمن ان لوگوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

یہ مدت سے اس کی جان لینے کی فکر میں تھے۔ایک مرتبہ کوٹھی میں فرخ پر حملہ ہوا تھا۔اور رات کے وقت کوئی شخص ننگی تلوار لئے گھس آیا تھا۔ مگر گرفتار نہ ہو سکا۔اور دریا میں کود کے بھاگ گیا۔خود فرخ کو اس مرتبہ انہیں لوگوں پہ شک ہوا تھا"

حاکم "یہ لوگ فرخ کا کیوں دشمن ہو گیا؟"

مہدی "اول تو وہ لائق تھا۔تمام خاندان اس کی عزت کرتا تھا۔اور یہ بالکل آوارہ ہیں۔ان کی صحبت سے خاندان کے لوگ احتراز کرتے ہیں۔دوسرے ان دونوں میں سے ایک کی۔خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی ٹھہری تھی۔مگر اس کی آوارگی ہی کے سبب سے نہ ہوئی اور فرخ کے ساتھ اس کی شادی دو چار ہی روز میں ہونے کو تھی۔ان لوگوں نے اُسی حسد میں اس کو مار ڈالا"

حاکم "کیا مجرم بھی فرخ کے قرابت دار ہیں؟"

مہدی "اس کے سگے بھائی ہیں"

حاکم "اچھا تم کیونکہ ثابت کر سکتا ہے کہ فرخ کو مسعود اور مقصود ہی نے مار ڈالا"

مہدی "پولیس کے کانسٹبل جنہوں نے مجرموں کو ماخوذ کیا ہے۔ان کی شہادت ثابت کر سکتی ہے"

حاکم "پولیس کا کون کون کانسٹبل نے مجرموں کو گرفتار کیا؟"

مہدی "شیخ خدا بخش اور نرائن سنگھ، اور منسا۔ یہ تین آدمی

وہاں موجود تھے۔

حاکم:۔ اچھا تم جاؤ۔ شیخ خدابخش کو حاضر کرو۔ خدابخش حاضر ہوا۔

حاکم:۔ تم بیان کرو کہ تم نے ان لوگوں کو کس واسطے گرفتار کیا؟

خدابخش:۔ صبح ہو چکی تھی۔ اور ابھی ستارے کھلے ہوئے تھے۔ کہ میں ادھر سے آنکلا۔ اُس روز میری پچھلی نوکری تھی۔ ذرا میں جنگل میں بڑھا تو مجھے بہت سا خون بہا ہوا، اور ایک ہاتھ بھی کٹا ہوا پڑا ملا۔ نرائن سنگھ اور منسا کی نزدیک ہی آواز آئی۔ میں نے لپک کے اُن کو ساتھ لیا۔ اور جنگل میں تلاش کرنا شروع کیا۔ جمنا کے کنارے دور سے دو آدمی کھڑے ہوئے نظر آئے۔ ہم تینوں ادھر بڑھے۔ تو ایک کہیں جنگل میں بھاگ گیا۔ خدا جانے وہ کون تھا۔ مگر (ایک مجرم کی طرف اشارہ کرکے) ان کو ہم نے گرفتار کیا۔ وہاں دیکھا تو ہمیں ایک اور آدمی معلوم ہوا۔ جو بیٹھا پانی میں اپنا دامن دھو رہا تھا۔ دامن میں خون بھرا تھا۔ اور ہاں پہلے آدمی کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور اس پر خون کے لوتھڑے جمے ہوئے تھے۔ بس ہم نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔ اس آدمی کے ہاتھ میں بھی تلوار تھی جو اپنا دامن دھو رہا تھا۔ مگر ہم کو دیکھکر پانی میں پھینک دی۔

حاکم:۔ (مجرموں کی طرف دیکھکر) "تم کو کچھ اس سے پوچھنا ہے؟"

مسعود:۔ (خدابخش سے) تم نے تلوار ہاتھ میں دیکھی تھی؟

خدابخش:۔ ہاں تم کو پانی میں پھینکتے دیکھا۔ اور وہ تلوار پھر پانی سے

نکلی بھی۔"
مسعود:۔ "یہ تم نے کیونکر جانا کہ ہمارے دامن پر خون ہی کے دھبے تھے؟"
خدابخش:۔ "اُن کا رنگ خون کا سا تھا۔" مسعود چپ ہوگیا۔
حاکم:۔ "بس اچھا دوسرے کانسٹیبل کو لاؤ۔" نرائن سنگھ حاضر ہوا۔
حاکم:۔ "تم کو اس خون کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"
نرائن سنگھ:۔ "جو کچھ خدابخش نے بیان کیا اس سے زیادہ ہم کو کچھ نہیں معلوم۔"
حاکم:۔ "ان دونوں پر قاتل کا شبہ ہوا تھا؟"
نرائن سنگھ۔ "حضور شبہ کیسا ہم کو یقین ہے۔"
حاکم:۔ "اچھا تم جاؤ اب منسا کا اظہار سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
(مہدی کی طرف دیکھکر) "تمہارے اور کون گواہ ہے؟"
مہدی:۔ "جی ہاں اصغر علی کی شہادت باقی ہے۔"
حاکم:۔ "اصغر علی کو بلاؤ؟" اصغر علی آیا۔
حاکم:۔ "تم اس معاملے میں کیا دیکھا تھا؟"
اصغر علی:۔ "فرخ کا کئی روز سے پتہ نہ تھا۔ رات کو مجھے معلوم ہوا کہ فرخ ظفر شاہ کی مسجد میں تھے۔ صبح سے پہلے کچھ رات رہے میں وہاں پہنچا۔ مجھے کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ تو دو قدم جی کڑا کرکے جنگل میں چلا گیا۔ ایک لاش پڑی دیکھی۔ ابھی اچھی طرح ٹھہرنے بھی نہ پایا تھا کہ دور سے کچھ آدمی مجھے دوڑتے آتے معلوم ہوئے۔ میں ڈر کے

بھاگا۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ صبح کو گیا تو ایک ہاتھ ملا۔ اور لاش کا پتہ نہ تھا۔ اس ہاتھ کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جسے دیکھ کر میں نے پہچانا کہ یہ فرخ کا ہاتھ ہے۔"

حاکم۔ "تم کتنے آدمی کو آتے دیکھا تھا؟"

اصغر علی۔ "اُسوقت گھبراہٹ میں میں نے اس کا خیال نہیں کیا۔"

حاکم۔ "(مجرموں سے) تم کچھ جرح کرے گا؟"

مسعود۔ "نہیں۔"

اس کے بعد مجرموں کا اظہار شروع ہوا۔ پہلے مسعود کا اظہار کیا گیا اور آغا ہٹا دیئے گئے۔"

حاکم۔ "بول تمہارا کیا نام ہے؟"

مجرم۔ "مسعود۔"

حاکم۔ "تم کہاں کا رہنے والا ہے؟"

مسعود۔ حضور میں اسی شہر میں رہتا ہوں۔"

حاکم۔ "یہ کون آدمی مارڈالا گیا؟"

مسعود۔ "میں نہیں جانتا!"

حاکم۔ "او تم نہیں جانتا؟"

مسعود۔ "جی حضور مجھے کیا معلوم کہ کون مارڈالا گیا؟"

حاکم۔ "تم رات کو وہاں کیا کرنے گیا تھا؟"

مسعود۔ "میں ایک عمل پڑھا کرتا ہوں۔ اس میں شرط ہے کہ دریا میں

غسل کرکے انسان ۲ بجے رات سے صبح کی نماز کے وقت تک پڑھا کرے میں آدھی رات سے اُٹھکر جا کے جمنا میں نہاتا ہوں۔ اور ظفر شاہ کی مسجد میں اکیلا پڑھا کرتا ہوں"۔

حاکم :۔ "عمل کیا؟"

وکیل مدعا علیہ"۔ ایک قسم کی اسپریچول محنت ہے"۔

حاکم :۔ "او ہم سمجھا۔ اچھا تم سے مقتول سے رشتہ داری ہے؟"

مسعود"۔ جی میرا بھائی تھا۔ سگا بھائی۔ اور اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں قاتل نہیں ہو سکتا"۔

حاکم"۔ تم ابھی بولا تھا۔ ہم نہیں جانتا۔ کون آدمی مار ڈالا گیا؟"

مسعود چپ رہ گیا۔ وکیل سرکار نے کھڑے ہو کر کہا"۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ عدالت اس امر کا خیال رکھے گی"۔

حاکم :۔ "تم سے کچھ اس کی دشمنی تھی؟"

مسعود"۔ دشمنی کیسی؟ وہ میرے بھائی تھے"۔

حاکم :۔ "تم بتا سکتا ہے کہ اسکو کون مار ڈالا؟"

مسعود"۔ اب میں کس کا نام لے لوں؟"

حاکم"۔ "اس کا کوئی دشمن تھا؟"

مسعود"۔ میں نہیں جانتا"۔

حاکم :۔ "تمہارے ساتھ اور کون تھا؟"

مسعود"۔ وہ میرے ایک دوست ہیں"۔

حاکم:۔ "اس کا کیا نام ہے؟"

مسعود:۔ "لوگ آغا کہتے ہیں۔"

حاکم:۔ "وہ کیا کام کرتا ہے؟"

مسعود:۔ "اُن کے یہاں اکھاڑہ ہے۔ ہم لوگ ورزش کرنے جایا کرتے ہیں۔"

حاکم:۔ "تم نے کہا تھا۔ کیلا جایا کرتا ہوں"

مسعود۔ نے گھبرا کر سر کھجلانا شروع کیا۔ ہتکڑیوں کی جھنکار کی آواز نکلی۔ اس کے بعد کہا:۔ "ہاں آج رات کو میں انہیں ساتھ لیتا گیا تھا۔"

حاکم:۔ "آج کس لئے تم اُس کو ساتھ لے گیا تھا؟"

مسعود:۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر جس سے لاجوابی کا ثبوت ہوتا تھا "یونہیں۔"

وکیل سرکار۔ (اُٹھ کر) "عدالت اس امر کا بھی لحاظ رکھے۔"

حاکم:۔ "تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟"

مسعود:۔ "کوئی نہیں۔"

حاکم:۔ "تمہارے ساتھی کی تلوار پر خون کیسا جما تھا۔"

مسعود:۔ "رات کو جنگل میں ایک بھیڑیئے کا سامنا ہو گیا تھا۔ انہوں نے اس کو زخمی کیا۔ اسی کا خون تھا۔ بھیڑیا چوٹ کھا کے بھاگ گیا۔"

حاکم:۔ "کیا تمہارے پاس بھی تلوار تھا؟"

مسعود:۔ جی نہیں۔"

حاکم:۔ پولیس کا آدمی بولتا ہے۔ کہ تمہارے پاس تھا۔ اور تم جمنا میں پھینک دیا۔

مسعود:۔ جھوٹ کہتا ہے"

حاکم:۔ تم نہیں پھینکا تھا تو اُس جگہ پانی سے تلوار کیوں نکلا؟"

مسعود:۔ میں نہیں جانتا کسی اور کی تلوار ہوگی۔

حاکم:۔ تمہارے دوست کے پاس لیسنس ہے؟"

مسعود:۔ نہیں"

حاکم:۔ پھر تلوار اُس کے پاس کیوں تھا؟"

کچھ جواب نہیں۔

حاکم:۔ او۔ اچھا تمہارا دوست اُس رات کیوں تلوار لے تمہارے ساتھ گیا تھا؟"

مسعود:۔ یہی بھیڑیئے کے خوف سے"

حاکم۔ کیا تم پہلے سے جانتا تھا کہ تم کو بھیڑیا ملے گا؟"

مسعود:۔ نہیں۔ مگر جنگل میں اکثر خوف رہا کرتا ہے"

حاکم:۔ تم کو یہی خیال تھا۔ تو کیا تم روز تلوار لے کر عمل پڑھنے جایا کرتا تھا؟"

مسعود:۔ نہیں تو"

حاکم:۔ او! تو تم اُسی دن بھیڑیئے سے ڈرتا تھا؟"

مسعود لاجواب ہو گیا۔

حاکم: "اس کو لے جاؤ۔ دوسرا مجرم حاضر کرو۔"

پولیس کے جوان مسعود کو لے چلے۔ وہ زنجیریں کھڑکھڑاتا ہوا عدالت کے کٹھرے سے باہر نکلا۔ اور بعد چند منٹ کے آغا حاضر ہوئے۔ سر سے پاؤں تک زنجیروں میں جکڑے ہوئے آکر کٹھرے میں کھڑے ہوئے۔

حاکم: "تمہارا کیا نام ہے؟"

آغا: "مجھے آغا کہتے ہیں۔"

حاکم: "تم وہاں کیا کرنے گیا تھا؟"

آغا: "مسعود کے ساتھ چلا گیا تھا۔"

حاکم: "مسعود کیا کرنے گیا تھا؟"

آغا: "رات کو سیر کرنے کے لئے گئے تھے۔"

حاکم: "اور بھی کبھی گیا تھا۔"

آغا: "جی اکثر نکل جایا کرتے تھے۔"

حاکم: "روز نہیں جایا کرتے تھے؟"

آغا: "نہیں!"

حاکم: "تمہارا تلوار پر خون کیسا جما تھا؟"

آغا: "راستے میں سیار۔ نہیں کتا ملا۔ اور زور سے مجھ پر جھپٹا۔ میں نے تلوار ماری اور وہ چلاتا بھاگا۔"

حاکم :"مسعود کے پاس بھی تلوار تھا؟"
آغا :"نہیں!"
حاکم :"فرخ سے تم سے کچھ عداوت تھا؟"
آغا :"مجھ سے کیا کام۔ میں تو مسعود کے ساتھ چلا آیا تھا۔"
مہدی کا وکیل :"عدالت اس امر کو خوب غور سے سمجھے۔ پورا ثبوت ہوتا ہے۔"
حاکم :"کیا مسعود سے کچھ عداوت تھا؟"
آغا :"مجھے نہیں معلوم۔"
حاکم :"مقصود بھی تمہارے ساتھ تھا؟"
آغا :"نہیں!"
حاکم :"مسعود دریا میں کیا کر رہا تھا؟"
آغا :"مجھے نہیں معلوم۔"
حاکم :"تم اوپر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اور تم کو نہیں معلوم؟"
آغا :"میں اور طرف دیکھتا تھا۔"

حاکم نے اس کے بعد آغا کے لے جانے کا حکم دیا۔ مجرموں کا اظہار ہو چکا۔ تو مجسٹریٹ نے فرد قرار داد جرم تیار کی۔ اور مجرموں کو سنائی گئی۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

"تمہارے اور مستغیث اور اسکے گواہوں کے اظہارات کی بنا پر تم پر اتنے جرم عائد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم نے

قتل عمد کیا۔ دوسرے یہ کہ بغیر لیسنس کے تمہارے پاس اسلحہ برآمد ہوئے۔ تیسرے یہ کہ اصغر پر جھپٹتے وقت تم اقدام قتل عمد کے مرتکب ہوئے۔ اب تم کو موقع دیا جاتا ہے کہ اپنی برأت کے اگر کچھ ثبوت دے سکتے ہو تو پیش کرو۔ اور اگر کسی گواہ کو حاضر عدالت کرانا چاہتے ہو، تو عدالت اُس کو طلب کر سکتی ہے۔"

مجرموں نے کسی ثبوت کے دینے سے انکار کیا۔ اور نہ کسی گواہ کا نام بتایا۔

مہدی کے وکیل نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اگر شہادتوں کا لحاظ نہ بھی کیا جائے تو مسعود اور آغا دونوں شخص اپنے اظہارات سے آپ ہی جرم کا ثبوت دیتے ہیں۔ مسعود کے ہاتھ میں تلوار ہونا پولیس کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا۔ آغا کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ قطع نظر اس کے کہ باوجود لیسنس نہ ہونے کے ہتھیار رکھنے کا ایک دوسرا جرم ان پر ثابت ہوتا ہے۔ اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہو سکتی کہ یہ لوگ کیوں تلواریں باندھے گئے تھے۔ تلوار میں جو خون بھرا تھا اس کی نسبت مسعود کا اظہار ہے کہ بھیڑئیے کا خون تھا۔ خود آغا نے کہا کہ کتے کا خون تھا۔ اور یہی کیفیت اس خون کی سمجھنا چاہئے جس کو مسعود اپنے دامن سے دھو رہا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر کے تجربے سے دونوں جگہ انسان کا خون تھا۔ مسعود کو بھی

فرخ کے ساتھ عداوت ضرور تھی جو مختلف شہادتوں سے ثابت ہو چکی ہے۔ پھر مجرموں میں سے ایک شخص کا بھاگ جانا بھی ثابت ہو چکا اسکے سوا کوئی دوسرا شخص ہو ہی نہیں سکتا۔ غرض میری رائے میں عدالت کا انصاف اسی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ تینوں کو مناسب سزا دینے کی کوشش کرے۔

اسکے بعد وکیل سرکار نے اُٹھ کر یوں تقریر شروع کی :۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ مسعود اور آغا دونوں قتل عمد کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر اس مقدمہ میں اور شہادتیں بھی ثابت ہوئیں تو فقط مدعا علیہما کا اظہاری ثبوت جرم کے لئے کافی تھا۔ ہاں ایک یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ مقتول کی لاش نہیں ملی۔ اس کو پولیس نے بہت تلاش کیا۔ مگر کہیں نہ ملی۔ صرف ایک ہاتھ ملا جس کی انگوٹھی سے مقتول کے طرف داروں کو معلوم ہوا کہ فرخ کی لاش ہے۔ باہمی عداوت کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ سے جو اس جگہ پہ ماخوذ ہوئے فرخ ہی قتل کیا گیا ہوگا۔ علاوہ بریں مہدی کا گواہ نمبر ۳۔ اصغر علی نامی اس بات کو ثابت کر چکا ہے کہ کچھ تھوڑی ہی دیر پیشتر اُس نے پوری لاش دیکھی تھی۔ مگر قاتلوں کو آتا دیکھکر اپنی جان کے خوف سے واپس آیا۔ غرض اگر یہ نہ بھی ثابت ہو کہ کون شخص مارا گیا۔ تو بھی مجرم ضرور قاتل ہیں۔ اور ان کے ہاتھ سے بے شک کوئی مارا گیا ہے غرض یہ دونوں مجرم قتل عمد کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مقصود کے مجرم ہونے

کے متعلق مجھے کلام ہے۔ کیونکہ اس کے شریک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور دور کے قیاس پر عدالت کسی کو سزا دینا چاہے تو انصاف سے بعید ہوگا۔"

مدعا علیہما کا وکیل کھڑا ہوا۔ اور اُس نے کہا :-

"میں اس کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ عدالت کس ثبوت پر میرے موکلوں کو مجرم قرار دے سکتی ہے۔ مقتول کا پتہ نہیں۔ صرف ایک کٹا ہوا ہاتھ ملا ہے۔ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جس کا ہاتھ ہے۔ وہ شخص قتل ہی کر ڈالا گیا۔ قتلِ عمد کا الزام لگانا، عدالت کی ایک بہت بڑی جرات ہوگی۔ عدالت پہلے دریافت کرلے کہ کون شخص قتل کیا گیا۔ اور وہ کس کا ہاتھ ہے۔ تب کوئی کارروائی ہو سکتی ہے۔ یہ بات ضرور تسلیم کی جاتی ہے کہ مسعود کا دامن اور آغا کی تلوار خون آلود تھی۔ مگر اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان دونوں نے اگر کسی پر حملہ بھی کیا ہے تو آیا اس کو قتل کر ڈالا یا فقط اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ ہاں یہ جرم البتہ ثابت ہو سکتا ہے کہ مدعا علیہوں میں سے ایک بلا لیسنس ہتھیار رکھنے کا مجرم ہے۔ میرے نزدیک انصاف یہی چاہتا ہے کہ مدعا علیہ نمبر ۱ بالکل بری کیا جائے۔ اور مدعا علیہ نمبر ۲ کو بغیر لیسنس ہتھیار رکھنے کی سزا دی جائے عدالت ہنوز ایک شک کی حالت میں ہے۔ اور شک میں وہ کوئی حکم قطعی نہیں دے سکتی ہے۔ اور مقصود تو بالکل بری ہے۔"

وکیل سرکار پھر اُٹھا اور کہا :-

"مدعا علیہ کے معزز وکیل نے شاید شہادت نمبر ۲ کا خیال نہیں کیا۔ اُسکی شہادت سے صاف ثابت ہو گیا کہ مقتول کی لاش دیکھ لی گئی اور وہ ایک وقت مرا ہوا پایا گیا۔ بس عدالت کے یقین کر لینے کو اسی قدر کافی ہے۔"

حاکم نے کہا:-

"بے شک عدالت کو بھی انصاف اس میں معلوم ہوتا ہے کہ فرخ ضرور قتل کیا گیا۔ اگر وہ نہ ہو تو کوئی اور سہی۔ مگر مجرم خون کے مرتکب ضرور ہوئے ہیں"

اتنے میں مدعا علیہما کے وکیل کو کسی نے لاکر ایک خط دیا۔ اور اُس نے پڑھ کر فوراً اُسے عدالت میں پیش کر دیا۔ سررشتہ دار نے خط پڑھکر سُنایا۔

"کرم فرمائے بندہ زاد لطفہ! تسلیم!

میں زندہ ہوں اور مجھے کسی نے نہیں مارا۔ میں نے سُنا کہ میرے قتل کی خبر مشہور ہوئی۔ اور مسعود۔ ومقصود ماخوذ ہیں۔ گو وہ میرے دشمن ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے ماخوذ ہو۔ میں نے یہ بھی سُنا کہ آپ اُن دونوں کے وکیل ہیں۔ لہذا آپ ہی کو تکلیف دیتا ہوں کہ اس خط کو عدالت میں پیش کر دیجئے" زیادہ نیاز

راقم فرخ بقلم خود

حاکم "یہ عجیب بات ہے! فرخ کا کوئی خط پہچانتا ہے؟ اُسے بلاؤ۔ مہدی طلب کیا گیا۔ اور اس نے دیکھتے ہی کہا "یہ خط تو

بے شک فرخ ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اُس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا۔ اور دونوں کی تحریر کو ملایا۔ ذرا بھی فرق نہ نکلا۔

حاکم:۔ یہ خط کہاں سے آیا ہے؟

مہدلی۔ (لفافے پر ڈاکخانے کی مُہر دیکھکر) "لاہور سے آیا ہے"

وکیل سرکار:۔ اس خط سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ عدالت نے اس کا تو اب تک نہیں یقین کیا تھا کہ فرخ ہی قتل کیا گیا ہے۔ مگر اُس کے نزدیک قتل ثابت ہو گیا۔ لہذا مجرموں کو اس خط سے کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ اب امید کی جاتی ہے کہ عدالت زیادہ کاروائی موقوف کرے۔

حاکم:۔ بے شک میرے نزدیک بھی ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے اب ۱۰ اگست کو فیصلہ سُنایا جائے گا۔

انیسواں باب

فرخ اپنی کوٹھی سے نکل کے ایک بے خودی کے عالم میں چلا جاتا ہے۔ دل میں کہہ رہا ہے۔

"خوب نکل آئے۔ اے دنیا تجھ کو سلام۔ ہم نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ ساری رشتے داریاں، ساری دوستیاں، سارے تعلقات۔ سارے منصوبے یک قلم سب نداارد ہو گئے۔ آزادی حاصل ہو گئی۔ خیال جاناں کا مزا خوب حاصل ہو گا۔ بہت اچھا ہوا۔ وہاں یہ خرابی تھی کہ غیروں میں خیالِ جاناں کو آنا پڑتا تھا۔ ہاں ہاں۔ یہی وجہ تھی کہ وہاں میری پیاری معشوقہ کا خیال میرے دل میں بہت کم آتا تھا۔ وہ تو بڑی باعفت اور پاکدامن اور شریفانہ عصمت والی ہے۔ اُس کا خیال بھی غیروں میں نہیں آسکتا تھا۔ خیر اُن لوگوں سے تو اب نجات مل گئی۔ جو خیالِ یار کے آنے میں مخل ہوا کرتے تھے۔ ہاں مگر اُس کا خیال خود میرے دل میں کیوں آتا ہے؟ میں بھی تو نامحرم ہوں۔

کیا عشق نکاح بھی کر دیا کرتا ہے؟ نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ ہائے! تو اب وہ میرے دل میں بھی نہ آئے گی؟

فرخ کے چہرے پہ یکایک حیرت برسنے لگی۔ بڑی مایوسی کے ساتھ سر جھکا لیا۔ "دیکھوں، دل میں اس کا خیال ہے"۔ ایک لمحہ بھر اپنے دل میں آپ ہی غور کرتا رہا۔ "نہیں بالکل نہیں۔ ہائے! دل کے ہر کونے میں ڈھونڈھ ڈالا۔ کہیں نہیں ہے!" یہ جملہ کہتے وقت فرخ کی آنکھ سے دو ایک آنسو ٹپک پڑے۔ آنکھ اُٹھا کے جو دیکھا تو اپنے تئیں ایک سنسان میدان میں میں پایا۔ کچھ تھکن، کچھ اس پچھلے خیال کی مایوسی کچھ گھر بار اور عزیز و آشنا کے چھٹنے کا فطری اور نیچرل غم و الم۔ ان سب باتوں نے مل کر ایسا اثر ڈالا کہ پاس ایک شہتوت کا درخت تھا۔ اُس کے سائے میں ایک بڑے پتھر سے تکیہ لگا کے بیٹھ گیا۔ اور اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا۔

سامنے شمال کی طرف ایک خوب صورت پہاڑی تھی۔ جو دور سے نہایت ہی سڈول اور خوش نما نظر آتی تھی۔ فرخ کے قریب سے اس پہاڑی تک ناہموار زمین چلی گئی تھی۔ جس پہ نظر دوڑاؤ تو نظر بڑی بڑی چٹانوں کی ٹھوکریں کھاتی ہوئی جاتی تھی۔ دھوپ تیزی پر تھی اور آفتاب نصف النہار سے کچھ مغرب کی طرف ہٹ گیا تھا۔ میدان کی اونچی اونچی چٹانوں کے مغربی پہلو کڑی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اور ان کے مشرقی جانب کچھ تھوڑا سا سایہ پڑا ہوا نظر آتا تھا۔ جس میں

بعض بعض جگہ کوئی کوئی جنگلی خرگوش سستانے کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔ گائیں بھینسیں اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں۔ اور دھوپ میں پژمردہ ہوتی ہوئی گھاس کو ڈھونڈ کر چر رہی تھیں۔ چرواہے کہیں کہیں درختوں کے نیچے اپنی کملی بچھائے لیٹے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ طیور بھی درختوں کے پتوں میں چھپے ہوئے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ آواز آتی تھی تو مویشیوں کی جو چرتے چرتے بعض دفعہ بول اُٹھتے تھے۔ ہوا بھی اُنکی رُکی ہوئی تھی۔ اور دور دور اِدھر اُدھر کوئی سیاہ گنبد نظر آجاتا تھا۔ جس کے نیچے اگلی دنیا کے لوگ آرام کر رہے تھے۔

فرخ ایک تو اتنی دور چلنے سے ماندہ ہو گیا تھا۔ دوسرے اُس کے خیالات نے بھی اسے بہت تھکا دیا تھا۔ کچھ دیر اس وحشت ناک سماں کی کیفیت دیکھکر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ لیٹا ہی تھا کہ نیند آگئی۔

ہائے! عشق عجب چیز ہے۔ یہ وہی فرخ ہے جس کو ابھی کچھ دیر پہلے اپنی کوٹھی کی عمدہ سجی ہوئی مسہری اور ہوادار ٹھنڈے کمرے میں نیند نہیں آئی تھی۔ اب دیکھو کس آرام سے جلتی ہوئی زمین پر ایک پتھر کا تکیہ لگائے سو رہا ہے۔ یہاں اسکے خدمتگار نہیں ہیں کہ ان سے پنکھا کھنچنے کو کہے۔ اُسکے دوست نہیں ہیں کہ اُن کی بامذاق باتوں میں دل بہلے۔ باغ نہیں ہے کہ تر و تازہ پھول اُس کی دلچسپی کا ذریعہ ہوں۔ مگر خدا جانے عشق نے کیا دلبستگی پیدا کر دی کہ وہ بڑے چین سے سو رہا ہے۔

دیر کا تھکا ماندہ آنکھ کب کھلی؟ جب اُسکی نگاہ کو سیر کرانے کے لئے

دھوپ کی گرم روشنی کے عوض چاندنی تمام میدان میں کھیت کئے ہوئے تھی۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ گو کسی طرف سے گھڑیال کی آواز نہیں آئی تھی۔ مگر تقریباً نو بج چکے ہونگے۔

فرخ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا۔ اپنی لمبی نیند پر کسی قدر حیرت کی۔ دل میں کہا۔ اب رات ہو گئی آؤ پلٹ چلیں۔ سب کا اضطراب ایک طرف والدہ نہایت بیتاب ہو رہی ہونگی۔ نہیں میں نے تو سب کو چھوڑ دیا۔ اب دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے تو پیاری! ہائے کس کا نام لوں؟ میری بدنصیبی دیکھو کہ نام بھی نہیں معلوم۔ غرض وہی ہے۔ اتنی دیر سویا کیا وہ خواب میں بھی نہیں آئی۔ ہائے اُس کی پاک دامنی اب اسے اجازت نہ دیگی کہ میرے خواب وخیال میں بھی آئے۔ یہ خیال کرکے چاندنی پر نظر ڈالی تو بالکل بے لطف معلوم ہوئی۔ اُس کی روشنی پر ایک ایسی بھیانک تیرگی غالب آگئی کہ فرخ کو خوف معلوم ہونے لگا۔ سہم کے کہنے لگا "لوگ سچ کہتے ہیں کہ فراق کی رات بڑی ڈراونی ہوا کرتی ہے"۔

فرخ ایسا خوف زدہ ہوا کہ دل میں سوچنے لگا۔ میں اب رات کہاں بسر کروں؟ چاندنی میں ایک سیاہ گنبد کسی قدر نزدیک معلوم ہوا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اسی طرف کو روانہ ہوا۔ ہر ہر قدم پر ڈرتا جاتا تھا اور قدم بڑھائے چلا جاتا تھا۔ راستے کے نشیب وفراز اور جگہ جگہ پر اُگی ہوئی خاردار جھاڑیوں سے اُس کو بڑی تکلیف ہوئی۔ گو اُسکے انگریزی گیبڑوں پر کانٹے کم مؤثر ہوتے تھے۔ مگر خواہ مخواہ جھاڑیوں سے بچنے

اور بڑی بڑی چٹانوں کے طے کرنے میں کچھ غیر معمولی وقفہ ہو ہی جاتا تھا۔ آخر یہ سب مصیبتیں جھیل کر اُس مقبرے میں پہنچ گیا۔ فرخ کے داخل ہوتے ہی اُس کے اندر سے کوئی جانور زور سے نکل کر بھاگا۔ نیچے کے حصے میں جنگلی کبوتروں نے آشیانے لگائے تھے۔ وہ بھڑکے اور آشیانے چھوڑ چھوڑ کے بھاگے۔ ان باتوں سے اگرچہ فرخ کسی قدر خوفزدہ ہوا۔ مگر دل کڑا کر کے اندر کی پختہ مگر ٹوٹی پھوٹی قبر سے تکیہ لگا کے بیٹھ گیا۔ چمگادڑوں کے اُڑ اُڑ کر آنے جانے اور درودیوار کی بے مرمتی اور بالکل غیر آبادی میں واقع ہونیکے باعث اس مقبرے کی اندرونی صورت مہیب ہو رہی تھی۔

اتنے میں ہوا چلی اور بجلی چمکنے لگی۔ بادل زور سے گرجنے لگا۔ ہوا نے تھوڑی ہی دیر فراٹے بھرے ہونگے کہ ابر خوب گھر آیا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ چاندنی غائب ہو گئی۔ آسمان کالے کالے ابر کے باعث نہایت مہیب معلوم ہونے لگا۔ مقبرے میں یہ کیفیت تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ فرخ کو اور خوف معلوم ہوا۔ فرخ اگر اپنی معشوقہ کے خیال میں غرق ہو جاتا تو اُسے خبر ہی نہ ہوتی۔ مگر اب اس کے ذہن میں تھا کہ میری پاک دامن معشوقہ کا خیال بھی مجھ سے نامحرم کے دل میں نہ آئے گا۔ غرض وہ خوف زدہ ہو کر مقبرے سے ٹٹول ٹٹول کر باہر نکلا۔ اور میدان میں آکر بیٹھ گیا۔" ہائے شب ہجر بڑی مہیب چیز ہے۔ یہ ادھر کالا کالا کیا نظر آتا ہے؟ اُفوہ! اتنا لمبا قد! کیا

عاشقی میں مجھے بھوت پلید کا بھی قائل ہونا پڑیگا؟ نہیں میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ مگر سامنے یہ کیا چیز ہے؟ بھوت وغیرہ دنیا میں اگر کوئی چیز ہیں تو اس مقام پر اُن کا ہونا ضروری ہے۔" پانی زور زور سے برسنے لگا فرخ مجبوراً اُٹھا۔ اور پھر مقبرے کو چلا۔ متفکر تھا۔ کہ دروازہ کہاں پر ہے کہ زور سے بجلی چمکی اور وہ لپک کے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے دہشت سے مقبرے کی اندرونی بھیانک صورت کو دیکھا۔ مگر پھر دل مضبوط کر کے اندر چلا گیا۔ موسلا دھار مینہہ پڑنے لگا۔ فرخ اندر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تو ڈرتا رہا۔ مگر آخر یادِ جاناں نے اس کا دل بہلانا شروع کیا۔ بس اتنے سہارے کی ضرورت تھی۔ ہمارے جوان نے بھی اسی دُھن میں صبح کر دی۔

مینہ کب کا برس کر نکل جا چکا تھا۔ آسمان کھل گیا تھا۔ اور چاند اپنی پوری روشنی سے لق و دق سنسان میدان کو نورانی بنائے ہوئے تھا۔ مگر آفتاب کی ابتدائی روشنی سے جو مشرق کی جانب نمودار تھی اُس کی روشنی پھیکی اور ماند پڑتی جاتی تھی۔ ستارے آنکھوں ہی آنکھوں میں رخصت کی ایک مایوسانہ نگاہ سے زمین کی کیفیتوں کو دیکھ رہے تھے۔ چڑیوں نے آشیانوں ہی سے چہچہانا شروع کیا۔ اور کوّے اپنی کرخت، اور سب پر غالب آواز سے صبح کے نمودار ہونے کی خبر ہر طرف پہنچانے لگے۔ فرخ نے مقبرے سے نکل کر یہ کیفیت دیکھی۔ اور دل میں کہنے لگا۔ "اب میں کہاں جاؤں؟ گو صحرا نوردی میں خیالِ جاناں سے زیادہ لطف

حاصل ہونے کی امید تھی۔ مگر پیاری معشوقہ کے ملنے کی آس ہے۔ تو شہر ہی میں وہیں چلنا چاہئیے۔" یہ کہہ کے فرخ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دور گیا ہوگا کہ کہنے لگا "نہیں شہر میں لوگ پہچان لیں گے۔ پھر اُن کے ہاتھ سے نجات ملنا دشوار ہوجائے گی۔" راستے ہی سے پلٹا اور اِدھر اُدھر پہاڑیوں کے دامن اور چٹانوں کے پہلوؤں میں بیٹھ بیٹھ کر شام کردی۔

فرخ نے اس حالت ہی میں تین دن گزار دیئے۔ باہر کی سڑکوں کے کنارے کنارے شہتوت کے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ بس انہیں پر اُسکی زندگی تھی۔ یہ تین روز اس کے دل میں نئے نئے مختلف خیالات پیدا کرتے رہے۔ کبھی وہ شہر کا قصد کرتا تھا۔ کبھی گھر کا اور صحرانوردی کا شوق سب پر غالب آجاتا تھا۔ چوتھے روز نہ رہ گیا۔ شہر میں آیا شام تک ظفر شاہ کی مسجد کے قریب والے جنگل میں رہا۔ کبھی مسجد میں آیا۔ اور کبھی پھر جنگل میں چلا گیا۔ شام ہوچکی تو وہ کوئے جاناں کی طرف چلا۔ راستے میں دل ہی دل میں طرح طرح کے خیالات آتے تھے اور چلے جاتے تھے آخر کہنے لگا۔ اس مکان سے تو مجھے نفرت ہوگئی۔ اسی میں مہدی نے ایک فاحشہ کو میری معشوقہ کے مقام پر لاکر اس کی عصمت پر دھبہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ نہیں میں اُس مکان کو نہیں دیکھوں گا۔ یہ کہا اور راستے ہی سے پلٹ پڑا۔ پھر اُسی مسجد کو چلا۔

جنگل بہار پر تھا۔ چاندنی کا عکس اُس کی منتشر ٹہنیوں سے چھن چھن کر

بڑے لطف کے ساتھ زمین پر پڑ رہا تھا - اور تنہا ایک فرخ تھا جو اُس چاندنی کا لطف اُٹھانے کے لئے ہر طرف پھرتا تھا - دور سے ایک صورت نظر آئی - "یا اللہ یہ کون ہے؟ اور دیکھو آگے بڑھتا آتا ہے - کیا بھاگ جاؤں؟ مگر میں تو یادِ جاناں میں سر بکف ہو رہا ہوں - تم کون ہو؟"

فرخ اپنا خیال پورا بھی نہیں کرنے پایا تھا کہ وہ شخص سر پر آ پہنچا - اور چلا کر پوچھا -

"تم کون ہو؟"

فرخ نے غور سے دیکھا تو ایک شخص معمولی کپڑے پہنے ہوئے نظر پڑا - اُس نے کہا "میری نہ پوچھیے میں تو ایک وحشی مزاج آدمی ہوں - آپ اپنی تعریف کیجیے - آپ کا اسم شریف؟"

شخص "مجھے محمد حسین کہتے ہیں - جنگل میں ڈر معلوم ہوتا تھا - خوب ہوا - آپ سے ملاقات ہو گئی"

فرخ "آپ یہاں کس غرض سے آئے تھے؟"

محمد حسین "حماقت اور کیا عرض کروں - دو گھڑی دن رہے یہاں پاس کے باغ میں تفریح کے لئے چلا آیا تھا - بڑھتے بڑھتے جمنا کے کنارے چلا گیا - وہاں کچھ ایسا دل لگا کہ محویت کے عالم میں سیر دیکھتا رہا - بس اب وہاں سے اُٹھا ہوں - آیئے چلئے"

فرخ "میرا آپ کا ساتھ کیا - میں خدا جانے کہاں جاؤں گا - ہاں ایک بات عرض کرنا ہے؟ آپ قبول فرمائیں تو میں بڑا ممنون ہوں گا"

محمد حسین :- "فرمائیے، فرمائیے! میں بسر و چشم حاضر ہوں"
فرخ :- "حضرت میں کسی مصلحت سے اپنے تئیں چھپانا چاہتا ہوں اور یہ میرے کپڑے کم بخت نہیں چھپنے دیتے۔ اگر آپ اتنی تکلیف گوارا کریں کہ میرے لباس کو آپ قبول کریں اور اپنے کپڑے مجھے مرحمت فرمائیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا۔ مگر اس وضع کو آپ کیوں پسند کرنے لگے"۔
محمد حسین :- "میرا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ میں نے بارہا انگریزی کپڑے پہنے بھی ہیں۔ جب سے میں نے انگریزی شروع کی تھی اسی زمانے سے مجھے ان کپڑوں کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر وہ ایسی کیا ضرورت ہے کہ آپ ان کپڑوں کو جدا کرنا چاہتے ہیں؟"
فرخ :- "کوئی تو ضرورت ہے۔ اب آپ مہربانی کرکے قبول فرمالیجئے"۔
محمد حسین :- "مجھے کچھ انکار نہیں"۔ اس کے بعد دونوں نے باہم کپڑے بدل لئے۔ فرخ نے محمد حسین کے کپڑے پہنے۔ اور محمد حسین نے فرخ کا کوٹ ڈالا۔
فرخ :- (انگلی سے ایک فیروزے کی انگوٹھی اتار کے) "ہاں لیجئے۔ اسے بھی آپ قبول کیجئے۔ میں ان سب چیزوں کو اب فضول سمجھتا ہوں"۔
محمد حسین :- "مجھے لینے میں انکار نہیں۔ مگر بے ضرورت اس کی مجھے جرأت نہیں ہو سکتی"۔
فرخ :- "آپ لیں تو سہی۔ یقین جانئے کہ میں ان چیزوں کو بالکل فضول سمجھنے لگا ہوں۔ آپ نہ قبول کریںگے تو میں پھینک دوں گا۔

لہذا مناسب ہی ہوگا کہ آپ قبول فرمالیں۔ محمد حسین نے انگوٹھی لے لی۔ اور فرخ اُن سے رخصت ہو کے روانہ ہوا۔

محمد حسین۔ "پھر میں چاہوں تو آپ سے کہاں نیاز حاصل ہوگا؟"

فرخ۔ "نہیں اب مجھ سے کبھی ملاقات نہ ہوگی۔ میں ایک خانہ بدوش آدمی ہوں۔" یہ کہہ کر چل دیا۔ اتنے میں ابر گھر آیا۔ اور اندھیرا ہو گیا۔ مسعود اپنے دوست آغا اور بہادر علی کے ساتھ فرخ کی خبر سُن کر یہاں آیا تھا۔ محمد حسین کو دور سے دیکھا۔ اندھیرے میں صرف کپڑوں اور وضع کا خیال کر کے سبھوں نے محمد حسین پر حملہ کیا اور دو ہی چار واروں میں اُس کا کام تمام کر دیا۔

آغا کی تلوار سے غریب محمد حسین کا ہاتھ کٹ کر دور جا گرا۔ اور مسعود نے اُس کے سر پر بڑا گہرا وار کیا جس سے وہ تیورا کر گرا۔ گرتے ہی تینوں آدمیوں نے تلواروں سے قیمہ قیمہ کر ڈالا۔ ویسے ہی اُن کو کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اور مصلحتاً جنگل میں چھپ گئے۔ کئی گھنٹے تک وہ خوف سے نہیں نکلے۔ اور آخر اس کی لاش اُٹھا لے گئے۔ اور جمنا کی ریت میں ایک پوشیدہ مقام پر دفن کر دیا۔ اور اوپر سے بالو برابر کر کے پانی اُلیچ کر بہا دیا کہ بالو بالکل برابر ہو جائے۔

بے چارہ محمد حسین بے گناہ اور بے قصور مارا گیا۔ پو پھٹنے کے بعد اس کی لاش قتل گاہ سے اُٹھائی گئی تھی۔ اس بے کس پر یہاں کوئی رونے والا بھی نہ تھا۔ ہاں شبنم کے قطرے جو سوگوار آسمان کی

آنکھوں سے ٹپکے تھے وہ البتہ دیر تک ہری گھاس پر جھلکتے رہے۔

فرخ نے اس مقام سے نکل کر قصد کیا کہ اب دہلی کی طرف رُخ ہی نہ کروں گا۔ اُسے کیا معلوم کہ محمد حسین پر کیا گزری۔

وہ دہلی سے روانہ ہوا۔ اور تیسرے روز میرٹھ پہنچا۔ میرٹھ کی لمبی اور کشادہ سڑک پر اپنے دل ہی دل میں پیاری معشوقہ سے باتیں کرتا چلا جاتا تھا کہ بائیں طرف سے آواز آئی۔

"یا حضرت تسلیم!"

فرخ نے اضطراب کے ساتھ پلٹ کے دیکھا۔ ایک شخص کی صورت نظر پڑی جو اسکی طرف آرہا تھا۔ فرخ نے بہت غور کیا کہ یہ کون شخص ہے مگر کچھ یاد نہ آیا۔

اُس شخص نے پوچھا۔ "آپ کا اسم شریف؟"

فرخ۔ "میرا نام فرخ ہے۔ مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

شخص۔ "مجھ کو آپ سے نیاز تو نہیں حاصل ہے۔ مگر میں نے غالباً آپ کو دہلی میں دیکھا تھا۔"

فرخ۔ "جی ہاں دیکھا ہو گا۔ میں تو دہلی ہی رہتا تھا۔ کیا آپ کا مکان بھی دہیں ہے؟"

شخص۔ "ہاں میرا بھی مکان دہلی میں ہے۔ میں آج ہی کی ڈاک گاڑی میں وہاں سے آیا ہوں۔ آپ نے اپنا نام فرخ بتایا نہ؟"

فرخ۔ "جی۔"

شخص:۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نام کا ایک رئیس زادہ وہاں تین روز ہوئے مارڈالا گیا۔ شہر بھر میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ اُسکے دو بھائی مسعود اور مقصود قتل عمد کے جرم میں ماخوذ ہوئے ہیں۔ ظفر شاہ کی مسجد نہیں ہے؟ وہ سرکاری باغ کے پاس، اُس کے نزدیک جو جنگل ہے اس میں یہ حادثہ ہوا!"

فرخ حیرت سے اُس شخص کی صورت دیکھنے لگا۔ اور کچھ دیر بعد کہا "میں واقف نہیں ہوں وہ کوئی اور فرخ ہونگے۔"

شخص:۔ معاف کیجئے گا۔ میں نے ایک دفعہ اُن مرحوم کو دیکھا تھا آپ پر انہیں کا دھوکا ہوا۔ وہ بھی دہلی میں رہتے تھے۔ اور آپ ہی کی ایسی صورت تھی۔ اچھا تو رخصت" چلا گیا۔

فرخ۔ (دل میں) یہ عجیب خبر سُنی۔ میرے ہی بھائی گرفتار ہیں اُس روز میں ہی رات کو اُس جنگل میں تھا۔ خدا جانے کس کو مار ڈالا۔ بے چارہ محمد حسین تو نہیں مار ڈالا گیا۔ وہ میرے کپڑے بھی پہنے تھا۔ اُسی پر میرا دھوکا ہوا ہوگا۔ مگر لاش سے نہ کھل گیا ہوگا۔ شاید لاش چھپا دی ہو۔ ہائے! محمد حسین کے ساتھ میں نے ہی دشمنی کی۔ اُس کو مسعود اور مقصود نے نہیں مارا۔ اُس کا قاتل میں ہی ہوں۔ اب مسعود کے بچانے کی ترکیب کرنا چاہئے۔ وہ میرے ہی قصاص میں اپنی جان دیتا ہے گو حقیقت میں خدا کسی اور مظلوم کا بدلہ لیتا ہے۔ مگر نام تو میرا ہے۔ ہاں اب یہاں بھی ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ یہاں بہت لوگ مجھے جانتے ہوں گے۔

اور اس قتل کے حادثے کی خبر سنیں گے تو مجھ کو کسی طرح اُن سے رہائی نہ ملے گی۔ یہ کہہ کر فرخ میرٹھ سے باہر نکلا۔ اور پا پیادہ آگے روانہ ہوا۔ غرض صحرا نوردی کرتا اور وادی عشق کی کڑی منزلیں جھیلتا ہوا لاہور پہنچا۔

لاہور پہنچ کر فرخ ٹھہر گیا۔ پہلے اس نے ایک خط مسعود کے وکیل کو لکھ بھیجا۔ جو اس سے پہلے عدالت کے سامنے پیش ہوا تھا۔ اور ایک مسجد میں سکونت اختیار کی۔ محلے کے عالی ہمت مسلمانوں کی فیاضیوں پر بسر کیا کرتا۔ اور دن بھر شہر کی سیر اور کوچہ گردی میں دل بہلایا کرتا۔

بیسواں باب

مہدی لاہور کے بازاروں میں سیر کر رہا ہے۔ ہر ہر مقام پر ٹھہر کر تردد کے ساتھ غور سے دیکھتا جاتا ہے۔ دل میں کہہ رہا ہے۔ اب کہاں تلاش کروں؟ اتنا بڑا عالی شان شہر۔ کسی سے جان پہچان نہیں۔ کدھر جاؤں، کس سے ملوں؟ فرخ کی وحشت کا ان دنوں بہت زور ہے۔ نہ تو وہ ہوٹل میں ٹھہرا ہو گا۔ اور نہ کسی کے مکان پر ملنے کی کیا امید؟ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ کسی کے گھر پر ٹھہرا ہو۔ اور پھر خدا جانے یہاں ہو بھی کہ نہ ہو۔ کون ٹھکانا؟ چل دیا ہو۔ جس کے مزاج میں وحشت سما گئی۔ اس کی باتوں کا کون قیام؟ اور ابھی اسی کا کیا اعتبار کہ وہ زندہ ہے۔ مسعود اور اُسکے وکیل کا کون ٹھکانا؟ جعلی خط بنا لیا ہو۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ خط تو فرخ کے ہاتھ کا تھا۔ یہ کون آرہا ہے؟ مجھے تو فرخ ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کوٹ بھی اُسی کا معلوم ہوتا ہے۔ وضع کے علاوہ صورت بھی اسی کی سی ہے۔ وہ شخص بالکل قریب آگیا۔

"نہیں بڑا دھوکا ہوا۔ یہ تو کوئی اور شخص ہے۔ کہیں پتہ نہیں لگتا۔ کیا مجھے مایوس ہی پلٹنا پڑے گا؟"

مہدی جس وقت ریل سے اُترا تھا۔ اُس وقت سے ۲ بجے تک برابر سڑکوں اور گلیوں کی خاک اُڑاتا پھرا۔ مگر فرخ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ ایک تو پھرتے پھرتے تھک گیا تھا۔ دوسرے بھوک کا غلبہ ہوا۔ مجبوراً سرا میں جا کر ٹھہر گیا۔ اور کوئی بند و بست نہیں ہو سکتا تھا۔ بازار سے پوریاں منگوا کر کھائیں۔ کچھ دیر لیٹا رہا۔ اور اُٹھ کر پھر فرخ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ ایک گھنٹہ بھر سڑکوں پر پھرا۔ آخر دل میں کہا "فرخ کی طبیعت آباد مقاموں میں نہ لگتی ہو گی۔ آؤ شہر سے باہر نکل کر صحراؤں اور جنگلوں میں ڈھونڈوں" یہ خیال کر کے مہدی شہر کے پھاٹک سے باہر نکلا۔ اور دیر تک میدانوں میں پھرا کیا "اہاہاہا! کیا ٹھنڈی ہوا ہے! انسان کیسا ہی متفکر ہو، یہاں ضرور دل بہل جائے گا" نگاہ اُٹھا کے جو دیکھا تو وقت بھی کچھ ایسا سہانا تھا کہ دل بے اختیار ہو گیا۔

اس وقت اندازاً ساڑھے چھ بجے ہونگے۔ برسات کے دن اس وقت تمام ہی ہونے کو ہوئے ہیں۔ رخصت ہونے والا زردی مائل آفتاب اپنی دھوپ کا سنہرا زیور پہنا کر دنیا کے قدرتی حسن و جمال کی بہار نگاہ واپسیں سے دیکھ رہا تھا۔ درختوں کے سائے کسی کی زلفوں، یا ہماری امیدوں کی طرح اپنی حد سے بڑھے جاتے تھے۔ آفتاب کی ماند اور تھکی ہوئی کرنیں اُن پتوں پر پڑ رہی تھیں۔ جن کی سبزی ہوائے سرد کے باعث

زیادہ شگفتہ ہو گئی تھی۔ دریائے راوی بڑے زور و شور سے جنوب کی جانب بہا چلا جاتا تھا۔ بارش نے راوی کے حوصلے اس قدر پورے کر دیئے تھے کہ وہ جیسے اپنے کناروں سے اُبلا پڑتا تھا۔ اُس پار کے لمبے درختوں کے لمبے سائے جا بجا سطحِ آب پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور اُن کے بیچ بیچ میں آفتاب کی شعاعیں اپنی جھلک دکھا رہی تھیں۔ مگر ہوائے سرد کے جھونکوں سے پانی کا لہرانا آفتاب کی شعاعوں اور درختوں کے سایوں دونوں کو ملا کر نہایت دل فریب کیفیت دکھا رہا تھا۔ طیور اپنا ہوا کا راستہ کچھ عجیب جوش اور اضطراب کے ساتھ طے کرتے جاتے تھے۔ مویشی صحرا سے واپس جا رہے تھے۔ شمال کی طرف شہر لاہور کی بعض بلند عمارتیں اور مسجدوں کے مینار دکھائی دیتے تھے۔ اور اُن کی سفیدی پر زردی مائل دھوپ بڑی خوشنمائی سے پڑ رہی تھی۔

یہ کیفیت دیکھکر مہدی سے رہا نہ گیا۔ وہ دریا کے کنارے کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا۔ ایک شخص کو دیکھا کہ کچھ فاصلے پر بیٹھا دریا میں وضو کر رہا ہے۔ اس شخص کی پابندیِ اُصولِ مذہب سے مہدی کے دل میں اسلامی جوش پیدا ہوا۔ دل میں کہنے لگا" افسوس ہے ہماری قوم پر کہ خدا کے یاد کرنے سے ان آسان اور مناسب طریقوں کو بھی بالکل بے توجہی سے دیکھتی ہے۔ ہمارے موجودہ نوجوان عموماً ارکان مذہب سے بے پرواہ بھی تھے تو اپنی سُستی اور کاہلی کے باعث مگر موجودہ تعلیم یافتہ نسل ایک تمرد اور تحقیر کے ساتھ چھوڑتی جاتی ہے۔ اسلام کے لئے

اس سے زیادہ بے وقعتی کا کون زمانہ ہوگا کہ اُسکے فلسفیانہ اُصول پر خود اُسکی کم ظرف ناسمجھ نسل استہزا کرے۔

اب مہدی نے دیکھا تو وہ شخص وضو کر چکا تھا۔ اور کسی قدر فکرمندی اور بے توجہی کے ساتھ رومال سے منہ پونچھ رہا تھا۔ آخر اس نے اپنا رومال بچھایا۔ اور نیت باندھ کر نماز پڑھنے کو کھڑا ہو گیا۔ مہدی بھی پانی کے قریب گیا اور بیٹھ کر وضو کرنے لگا۔ دل میں کہتا جاتا تھا" اللہ اکبر! عبادت کے لئے یہ کتنا مناسب وقت ہے! اصل تو یوں ہے کہ اگر مزاج میں ذرا بھی صلاحیت ہو تو اُسوقت کی دیگر دل رُبا کیفیتیں دیکھکر انسانی فطرت کا مقتضا ہے کہ پروردگار عالم کو یاد کرنے لگے۔ واقعی یہ وقت خالقِ ارض و سما کی کاریگریاں پیش کرنے کے لئے ہر جگہ کو فطرت کی ایک نمائش گاہ بنا دیتا ہے۔ سبحان اللہ جل جلالہٗ"

مہدی وضو کر کے اُٹھا اور منہ پونچھتا ہوا ادھر کو روانہ ہوا جدھر وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ جب تک مہدی پہنچے پہنچے وہ دوسرے سجدے میں جا چکا تھا۔ مہدی نے جھٹ پٹ اسکے پیچھے نیت باندھی اور سجدے میں چلا گیا۔

وہ شخص اٹھا اور دوسری رکعت شروع کی۔ جیسے ہی اُس نے باواز بلند قرائت شروع کی مہدی کو سخت حیرت ہوئی۔ تعجب اور خوشی دونوں کے یک بیک پیدا ہو جانے سے مہدی کو نماز بھولی جاتی تھی۔

اُس کی نگاہ بار بار کن انکھیوں سے امام کی صورت دیکھنا چاہتی تھی - مگر نماز نے بے بس کردیا - وہ نماز کے واسطے ہاتھ باندھے کھڑا دل میں کہہ رہا تھا " یہ آواز تو بالکل فرخ ہی کی معلوم ہوتی ہے - ایں ذرا فرق نہیں معلوم ہوتا - خدا کرے فرخ ہی ہو - آواز میں کسی مقام پر فرق نہیں ہے - خوب ملاقات ہوئی " غرض کسی طرح نماز میں مہدی کا دل نہیں لگتا تھا - امام نے نماز پوری کی اور سلام پھیر کر دعا مانگنے لگا مہدی کی چونکہ ایک رکعت چھوٹ گئی تھی وہ اُس کے پورا کرنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا -

امام نے دعا سے فراغت کر کے پلٹ کر دیکھا کہ کون شخص اُس کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے - دیکھنا تھا کہ نقشِ حیرت ہو کر رہ گیا -

دل میں " یہ تو مہدی ہے - بڑی خرابی ہوئی - اب مجھے اس کے ہاتھ سے نجات ملنا دشوار ہے - عجب طرح پر ملاقات ہوئی - آؤ جب تک یہ رکعت پوری کرے میں کسی طرف چل دوں - مگر اب کہاں جا سکتا ہوں "؟

یہ ایک عجیب وقت تھا - اُدھر مہدی جلدی جلدی رکعت تمام کرنے کی فکر میں تھا - اور دل میں بڑا بھاری شوق جوش مار رہے تھے - اُدھر فرخ دل ہی دل میں شرمندہ تھا - چلے آنے کے بہانے سوچ رہا تھا مگر کوئی بات بن نہ آتی تھی -

آخر مہدی کو نماز سے فراغت ہوئی اور سلام پھیرتے ہی جو کام

پہلے اُس نے کیا یہ تھا کہ ایک بے اختیاری کی عجلت سے بیٹھے ہی بیٹھے فرخ کو لپٹ گیا۔ دونوں کچھ دیر تک بغلگیر رہے۔

فرخ نے اپنے شانوں پر کچھ گرمی اور نمی پائی۔ جس سے وہ سمجھا کہ مہدی کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ آخر فرخ نے مہدی کو جدا کیا دونوں نے ایک دوسرے کو کچھ ایسی حسرت واندوہ کی نگاہ سے دیکھا کہ دل ہی جانتے تھے۔

مہدی" واہ فرخ! واہ! تم سے ایسی اُمید نہ تھی۔ تم کیا جانو کہ جن لوگوں کو تم چھوڑ آئے ہو، اُن پہ کیا گزرگئی۔ یوں تو سب ہی حسرت نصیب ہو رہے ہیں۔ مگر تمہاری والدہ۔ ہائے اُن کی حالت بیان نہیں ہوسکتی۔ مجھے تو حیرت ہے کہ اس وقت تک وہ زندہ کیونکر بچیں۔ بس اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ تم کو دیکھکر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنا اُن کی قسمت میں تھا"

فرخ۔ (آبدیدہ ہو کر) " تم کیوں میرے دل کو صدمہ پہنچاتے ہو ہائے تم سے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں اب وہ فرخ نہیں ہوں۔ ہائے پہلے تم کو میری صحبت میں خوشی حاصل ہوتی تھی۔ مگر اب افسوس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مہدی میں تمہیں بہت عمدہ صلاح دیتا ہوں۔ کہ دل کڑا کر کے ایک ہی دفعہ میری جانب سے صبر کر لو۔ اب میری صورت، میری حالت، میرا نام یا ذکر کے سوا غم واندوہ کے تم کو کچھ نہ حاصل ہوگا۔ کیوں اپنے عیش کو خاک میں ملاتے ہو۔ اماں جان

کی خدمت میں میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر کہہ دینا کہ آپ یہی سمجھئے کہ فرخ مر گیا۔ یہ صحیح ہے کہ مجھے اُن کی اطاعت کرنا چاہئے۔ مگر ہائے جب میں اپنے بس میں ہوں۔

مہدی۔ اب یہ نہ ہوگا۔ فرخ تم سوچو تو کتنوں کو بے چھُری حلال کر آئے ہو۔ تمہاری والدہ ایک طرف، تمہاری پھوپھی ایک طرف، اُن کا یہ عالم ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے روتے ہی گزرتی ہے۔ کہتی ہیں کہ اپنی لڑکی کی اب کہیں شادی ہی نہ کروں گی۔ اُس کی عمر یوں ہی رنڈاپے میں گزر جائے گی۔ وہ تو کہو تمہارے خط سے کچھ آنسو پونچھے ورنہ خدا جانے اب تک کیا کا کیا ہو گیا ہوتا۔ سب تو سب اب کیا اُس معصوم لڑکی کی بھی زندگی خراب کرو گے۔ جو تمہاری منسوب تھی وہاں یہ معاملہ کیا تھا آج تک کچھ حال نہیں کھلا۔ کون مار ڈالا گیا؟ اور تمہاری انگوٹھی اُس کے ہاتھ میں کیوں نکلی؟"۔

فرخ۔ (استعجاب سے) میری انگوٹھی؟"۔

مہدی:۔ لاش تو ملی نہیں۔ مگر ایک ہاتھ کٹا ہوا ملا جس میں تمہاری فیروزے کی انگوٹھی تھی۔ اس سے لوگوں کو تمہارا دھوکا ہوا۔ خداوند کریم نے بڑی مہربانی کی کہ میں تم کو صحیح وسالم دیکھتا ہوں"۔

فرخ:۔ ہائے! میرے دھوکے میں میرا ایک دوست مار ڈالا گیا۔ اُس نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا۔ دیکھو مہدی یہ میں اُسی کے کپڑے پہنے بیٹھا ہوں"۔

اب اسکے بعد فرخ نے ساری داستان بیان کی۔ جس پر مہدی نے نہایت افسوس کیا۔

فرخ "کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ہی مار ڈالا جاتا!"

مہدی "دیکھو ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا نے بڑا فضل وکرم کیا"

فرخ "ہائے! جب دیدارِ جاناں ہی نہ نصیب ہوا تو جینا مرنے سے بدتر ہے"

مہدی "دیدارِ جاناں نہ سہی۔ مگر دیدارِ جاناں کی امید میں جینا مرنے سے اچھا ہے"

فرخ "کیا بات کہی ہے! مہدی۔ کیا تم بھی کبھی عاشق ہو چکے ہو؟ یہ تو تم نے عاشقوں کے دل کی بات کہی"

مہدی "عاشق تو نہیں ہوا۔ مگر عشاق کے خیالات سے کسی قدر واقف ہوں"

فرخ "تم جانتے ہو تو پھر مجھے کیوں اُن تعلقات میں دوبارہ پھنسانا چاہتے ہو۔ جنہیں میں چھوڑ چکا ہوں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے دل میں کیسے کیسے خیالات گزرتے ہونگے؟"

مہدی "ہاں میں جانتا ہوں کہ وہاں چلنے کو تمہارا دل کسی طرح نہ منظور کرتا ہوگا۔ مگر میرے نزدیک مذہب عشق میں کسی کی دل شکنی ہی جائز ہے۔ عشاق ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ کسی کو اُن

سے صدمہ نہ پہنچے۔"
فرخ:- "اسی لئے تو میں نے بے تعلقی اختیار کر لی۔"
مہدی:- "مگر جب اس بے تعلقی ہی سے کسی کی جان پر بن جائے تو؟"
فرخ:- "پھر اسکی کیا تدبیر کر سکتا ہوں۔"
مہدی:- "تدبیر! لے یہ نہیں کہتے کہ تمہارے اختیار میں ہے۔"
فرخ چپ ہو گیا۔ مہدی سُن کر اُسے اپنی فرودگاہ پر لایا۔ بڑی مشکلوں سے مہدی نے فرخ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ دہلی واپس چلے۔ اس نے بڑی عمدہ حکمتوں سے فرخ کی رائے کو پلٹا۔ اُس کو یہ بھی یقین دلایا تھا کہ وصال یار یا دیدار جاناں کی بھی کچھ امید ہو سکتی ہے تو خاص دہلی ہی میں۔ اور یہی خیال ہے جس پر عشاق اپنی زندگی بسر کیا کرتے ہیں۔ غرض فرخ نے اوپر کے دل سے حامی بھر دی۔
اب یہ بات قرار پا گئی کہ کچھ رات لیسے جو ٹھنڈی ہو جاتی ہے اُسی پر دہلی کو روانہ ہوں۔ مہدی دل میں نہایت ہی خوش تھا۔ کہ اپنے سفر میں اُسے کامیابی ہوئی۔ فرخ کے خیالات کچھ اور ہی طرح کے تھے۔ اوّل تو کبھی اُس کا دل جانے کو کہتا تھا۔ اور کبھی نہ جانے کو اور جانے کی صورت میں طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا ہوتے تھے۔" والدہ سے کیا کہوں گا؟ چچا کو کیا جواب دوں گا؟ پھوپھی بلا بھیجیں گی تو انہیں کیا منہ دکھاؤں گا؟"
اب رات زیادہ آ گئی۔ دس بجنے کی آواز رات کی ہوا میں گونجی۔

بچھونے پر جا کے لیٹنے کا وقت تھا۔ خصوصاً ان دونوں کو لیٹ رہنے کی زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ کچھ رات رہے اسٹیشن پہ پہنچنا تھا۔ دونو لیٹے اور آپس میں مختلف باتیں شروع کیں جو فقط نیند آنے تک دل بہلانے کے لئے ہوا کرتی ہیں "۔

فرخ :۔ "پھر اُس مسعود والے مقدمے کا کیا فیصلہ ہوا؟"

مہدی :۔ "بہت بڑا مقدمہ تھا۔ بڑی بڑی کوشش کی گئیں۔ مگر مسعود کا بچنا مشکل ہے۔ حاکم کی رائے اُن کے خلاف ہے۔ تم نے بچا دیا تھا۔ مگر کسی کا خون بدلے نہیں جاتا ہے۔ مقصود بچ گئے مسعود کے ساتھ ایک اور۔ ۔۔۔ او ۔۔۔"

فرخ :۔ "ایں سو گئے؟ مہدی مہدی؟"

مہدی۔ (چونک کے) "ہاں!"

فرخ :۔ "باتیں کرتے ہی کرتے سو گئے؟ مسعود کے ساتھ اور کون ماخوذ ہوا ہے؟"

مہدی :۔ "میں آج دن کو اتنا پھرا کہ بالکل شل ہو گیا ہوں۔ وہ نہیں ہیں۔ جن کے ہاں اکھاڑہ تھا؟ اجی وہی نام لو؟ جن کے یہاں مسعود اور مقصود بھی کسرت کرنے جایا کرتے تھے؟ ہاں ہاں آغا!"

فرخ :۔ "آغا؟"

مہدی :۔ "ہاں ہاں وہی۔ وہ بھی ان کے ساتھ ماخوذ ہوئے تھے۔ دونوں کے ہاتھ میں تلوار بھی تھی۔ اور آغا کی تلوار تو خون میں

آلود دیکھی گئی۔ مسعود بھی اپنا دامن دریا میں دھو رہے تھے۔ بھاگ نہ ۔۔۔۔۔۔"

فرخ:۔ "پھر سو گئے؟ مہدی؟ اچھا سو رہنے دو۔ ہاں خوب یاد آیا۔ وہ میری دونوں کتابیں تو اُس مسجد ہی میں ہیں جہاں میں رات کو رہا تھا۔ ایک تو خیر۔ مگر مثنوی کا نسخہ نہایت اچھا ہے۔ ویسا خوش خط نسخہ ملنا مشکل ہے۔ یوں چھاپے کی بہت ملتی ہیں۔ مگر اسکی کیا بات ہے۔ صبح کو لانے کی فرصت نہ ہو گی۔ اسی وقت لا رکھوں"

یہ کہہ کر فرخ اُٹھا۔ کپڑے پہنے۔ اور چلنے کو ہوا۔

مہدی کا نوکر:۔ "کیا کہیں تشریف لے جائیگا؟"

فرخ:۔ "میں ابھی آیا ایک کتاب لانا ہے۔ لے آؤں۔ پھر صبح کو فرصت نہ ہو گی۔"

نوکر:۔ "تو ہمراہ چلوں؟"

فرخ:۔ "میں ابھی آیا، تمہاری کون ضرورت ہے۔"

یہ کہہ کر چلا گیا۔ دم بھر کے بعد مہدی کا نوکر بھی پڑ کے سو رہا۔ قاعدے کی بات ہے کہ تھکن میں بڑی گہری نیند آتی ہے۔ دم بھر میں گھڑیالی نے دو بجا دیئے۔ اور مہدی نے بیدار ہو کر پلنگ ہی پر سے آدمی کو جگایا۔ اور کہا جلدی اسباب باندھ کر چلنے کی تیاری کرو۔

"ایں فرخ کہاں ہیں؟ چارپائی تو خالی ہی پڑی ہے۔"

نوکر:۔ "جی وہ رات کو ایک کتاب لینے کو گئے تھے۔ میں نے کہا

میں بھی چلوں۔ کہنے لگے تمہاری ضرورت نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔ خدا جانے کیا ہوا کہ ابھی تک نہیں آئے۔"

مہدی:۔ (برہم ہوکر) "تو عجب بے وقوف ہے۔ یہ نہ سمجھا کہ وہ وقت کتاب لانے کا کون تھا۔ ارے کمبخت مجھی کو جگا دیا ہوتا۔"

مہدی نہایت ہی پریشان ہوا۔ دل میں کہنے لگا:۔ "بڑی خرابی ہوئی۔ فرخ ہاتھ آکر نکل گیا۔ اب اس کا پتہ نہ لگے گا۔ ہائے میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ اوپر کے دل سے اُس نے حامی بھری ہے۔"

تھوڑی دیر میں صبح ہوگئی۔ مہدی فرخ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ دو چار روز تک مہدی وہیں پڑا رہا اور روز شہر اور بیرون شہر کی خاک چھانتا پھرا۔ مگر فرخ کا کہیں سراغ نہ ملا۔ آخر مجبور ہوکے پانچویں دن وہاں سے دہلی کو روانہ ہوا۔

اکیسواں باب

فرخ جس وقت سرا سے مہدی کو سوتا چھوڑ کے روانہ ہوا تھا۔ اُس وقت دس بج چکے تھے۔ اُس نے باہر نکل کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آسمان خوب صاف ہے۔ تارے کھلے ہوئے ہیں۔ برسات کی تاروں بھری رات نہایت دل فریب سماں دکھا رہی ہے بازاروں کا آخری وقت ہے۔ دکانیں بہت سی بند ہو چکی ہیں۔ اور باقی بند ہوتی جاتی ہیں۔ دکاندار اپنی اپنی دکانوں کے تختے لگا رہے ہیں۔ کوئی کوئی غریب دکاندار اتفاقی ضرورت سے سودا خریدنے والوں کی اُمید میں بیٹھا ہے۔ نیند کے غلبے سے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں۔ چونک چونک کر ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی صورت دیکھ لیتا ہے۔ روز دیر تک دکان کھلی رکھنے والے حلوائی آدمیوں کے ہاتھ تو مٹھائی بیچ چکے اب اپنے اعتقاد میں جنوں کی خریداری کی اُمید میں دکان کی رونق کو دوبالا کر کے بیٹھے ہیں۔ بازاروں کا شور وغل کم ہو گیا ہے۔ سڑکیں اکثر

جگہ آدمیوں سے خالی ہوتی جاتی ہیں۔ ہوائے سرد دیر کی اُمس کے بعد چلی ہے۔ جس کے ہر ہر جھونکے پر سچے معتقدانِ مذہب خدا کا شکر کرتے ہیں۔ چاند ابھی نہیں نکلا۔ مگر اس کی روشنی اُفقِ مشرق ... پیدا نمودار ہے۔ مسجدوں کے دروازے بھی بند ہو گئے ہیں۔ کیونکہ بارش کے خوف کے باعث مسلمان نمازِ عشاء سے جلدی جلدی فراغت کر کے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اور سلام کے بعد دروازے بند کر کے آرام سے لیٹ چکے ہونگے۔ وہ سناٹا شروع ہو چکا ہے۔ جو بارہ بجے رات کے بعد سے صبح تک دنیا کو سُست اور ساری دلچسپیوں سے خالی ثابت کرتا ہے۔

فرخ سرا سے نکل کر ایک بڑی سڑک پر چلا جاتا تھا۔ کہ ایک اُس وضع کے آدمی نظر آئے، جو چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان میں مہذب سمجھے جاتے ہیں۔ فرخ تو انہیں ایک معمولی آدمی نظر آیا۔ مگر وہ فرخ کی نگاہ میں ایک اُس وضع کے آدمی معلوم ہوئے۔ جو فرخ کو کسی زمانے میں پسند نہ تھی۔ اگرچہ فرخ اب اگلے خیال کا آدمی نہ تھا۔ مگر دل میں شوق ہوا کہ اُن سے مل کر کچھ باتیں کرے۔

فرخ نے بڑھ کر سلام کیا۔ مگر وہ متوجہ ہی نہ ہوئے۔

فرخ "(دوبارہ) یا حضرت تسلیم!"

اُن صاحب نے دیکھا۔ منہ پھیر کر اور طرف دیکھنے لگے۔

فرخ "حضرت! آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔"

شخص:۔ "کیوں؟ ان سولائزڈ مین! تم کیوں عرض کرتے ہو؟"
فرخ:۔ "کچھ عرض کرنا بھی گناہ ہے؟"
شخص:۔ "اوہم ایسی فضول باتیں نہیں سُننا چاہتے!"
فرخ:۔ "آپ نے یہ کاہے سے سمجھا کہ میں ان سولائزڈ ہوں؟"
شخص:۔ "تمہاری وضع سے ایسا معلوم ہوتا ہے!"
فرخ:۔ "توجب تک آدمی کوٹ پتلون نہ پہنے جاہل رہتا ہے؟"
شخص:۔ "بے شک ایسا ہی ہے۔ جب انگریزی پوشاک کے فائدے معلوم ہوگئے تو نہ پہننا بڑی بے وقوفی ہے۔"
فرخ:۔ "توہم اپنی ہی قومی وضع کی اصلاح کیوں نہ کرلیں؟"
شخص:۔ "اوہ بغیر انگریزی وضع اختیار کئے ہم ترقی نہیں کرسکتے۔"
فرخ:۔ "اس کو تو آپ تسلیم ہی کرینگے کہ ہمیں اپنی قوم اور ملک کو ترقی دینا چاہئے۔"
شخص:۔ (جلدی جلدی بول کر) "ہاں ہاں، بس بس! ہمارا یہی خیال ہے۔"
فرخ:۔ "لیکن انگریزی لباس اختیار کرنے میں تو انگریزی وضع کی ترقی ہوئی ہماری وضع کا اور تنزل ہوگیا۔ ہمارے ملک کو جب ہی ترقی ہوسکتی ہے۔ جب ہم اُسی کی وضع کو زیادہ رواج دیں۔"
شخص:۔ "خیر میرے آپ کے اختلاف رائے سہی۔ مگر آپ مجھے معاف کیجئے گا۔ ناوابستگی کے باعث میں بڑی کج خلقی سے پیش آیا تھا۔"

فرخ :۔ اس کا تو مجھے بالکل خیال نہیں۔ مگر آپ کی زیارت ہو جانے ~~سے~~ مجھے آج اپنے ملک کی تعلیم یافتہ جماعت کے حال پر بڑا افسوس معلوم ہوا۔ شاید اس لباس کا اثر ہوگا کہ انسان اپنے ملک اور قوم کو جانوروں سے بدتر سمجھنے لگتا ہے۔ پہلے اس وضع کو بہتر سمجھ کر میں نے خود بھی اختیار کر لیا تھا۔ اور کیا عجب کہ میں نے بھی اپنی قوم کے لوگوں سے کچھ خلقیاں کی ہوں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ اپنی کج خلقی کا اثر خود اس پر نہیں محسوس ہوتا۔

شخص :" اب میں نے عہد کیا کہ پورے طور پر انگریزی وضع نہ اختیار کروں گا۔"

زور زور سے دونوں باتیں کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔

اسوقت سڑک پر بہت کم کسی کی صورت نظر آتی تھی۔ کچھ دور آگے بڑھ کر بائیں طرف ایک گلی میں داخل ہوئے۔ گو ستاروں کی ضعیف روشنی سے کچھ کچھ راستہ معلوم ہو جاتا تھا۔ مگر اندھیرا بہت غالب تھا۔ کسی نے زور سے سیٹی بجائی اور ویسے ہی پانچ چھ آدمیوں کے شور کرتے ہوئے آنے کی آواز معلوم ہوئی۔ فرخ ایک طرف کسی پتلی گلی میں ہو رہا۔ اور وہ مہذب صورت کے آدمی بدحواس آگے کو بھاگے۔ شور کرنے والوں کی جماعت انہیں کے پیچھے بڑھی چلی گئی۔

فرخ دل میں کہنے لگا " یہ عجیب بات ہے۔ خدا جانے یہ کیا معاملہ تھا۔ اور یہ کون لوگ تھے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہ جو صاحب مجھ سے

باتیں کر رہے تھے۔ ان سے کسی سے عداوت ہے۔ مجھ سے تو یہاں کسی سے شناسائی بھی نہیں" فرخ انہیں خیالات میں تھا کہ وہ لوگ پلٹے آتے معلوم ہوئے۔ فرخ قریب ہی گلی میں چھپا رہا۔ وہ لوگ قریب پہنچے تو شاید کوئی ان کا ساتھی یہیں کھڑا تھا۔ اُس نے پوچھا "ہاں مقصود کیا ہوا؟"

مقصود "کیا کہیں بھائی بہادر علی فرخ ہاتھ میں آ کے نکل گیا"

بہادر علی "افسوس! ہم تو سمجھے تھے کہ مسعود کا بدلہ لیں گے۔ مگر کچھ نہ ہوا"

مقصود "دہلی سے آنا ہی اکارت ہو گیا"

بہادر علی "اس خط سے فرخ کو زندہ سُن کر جتنا افسوس ہوا تھا اُسی قدر اسوقت خوشی تھی۔ کہ مسعود کا بدلہ لے لیا۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا"

مقصود "مگر چاہے کچھ ہو۔ مجھے بے بھائی صاحب کا بدلہ لئے چین نہ پڑے گا"

اس کے بعد سب آگے بڑھے چلے گئے۔ فرخ دل میں نہایت پریشان ہوا۔ کہنے لگا "یہ لوگ اب تک میرے خون کے پیاسے ہیں۔ ہائے جب مجھے وصال یار ہی نہیں نصیب ہوتا۔ تو ان لوگوں کے ہاتھ سے میرا مار ڈالا جانا ہی اچھا ہے۔ مجھے اپنی جان دینے میں کوئی عذر نہیں۔ اگر ان کی آرزو اسی میں پوری ہوتی ہے، تو شوق سے پوری کریں۔ مگر مجھ سے یہ نہ ہو گا کہ اس پیاری زندگی کو جو

آرزوئے یار میں صرف ہوتی ہے، خود ہی نذرِ اجل کر دوں۔ اب مجھے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ پھر دہلی جاؤں۔ جب یہاں یہ حال ہے تو وہاں اور بھی خرابیاں پیدا ہونگی۔ خیال جاناں میں ہر وقت اور ہر گھڑی رخنہ اندازیاں ہونگی۔ اب مہدی کے ہاتھ سے نکل ہی آیا ہوں، کسی اور طرف چل دوں"

فرخ اُس گلی میں آگے کو روانہ ہوا۔ وہ مسجد جہاں جاتا تھا نزدیک تھی۔ اُس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ پکارا۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ اور زور سے پکارا۔ ایک طالب علم جو دروازے کے پاس والے حجرے میں رہتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور کروٹ بدل کے پھر سو گئے۔ فرخ نے اُن کی آواز سُن کر تھوڑی دیر تو تامل کیا۔ مگر جب وہ نہ آئے تو پکارا۔

فرخ "جناب مولوی صاحب!"

مولوی صاحب۔ (چونک کر) آیا، آیا"

یہ کہہ کر مولوی صاحب نے کنڈی کھول دی۔ اور بڑبڑا کر کہا۔ "آپ تو روز آدھی رات کو آیا کرتے ہیں۔ اور میں اسوقت غافل سو جاتا ہوں۔ ابھی ابھی مطالعہ دیکھکر چراغ گل کیا تھا۔ اور ذرا آنکھ لگ گئی تھی"

فرخ "تو تکلیف کر کے آپ ذرا کھڑے رہئے۔ میں اپنی دونوں کتابیں لے کر اسی وقت چلا بھی جاؤں گا۔ ضرورت ہی ایسی پڑ گئی۔

اب میں نہیں ٹھہر سکتا۔"

غرض فرخ نے اپنی کتابیں لیں۔ اور مسجد سے باہر نکلا۔ فرخ تھوڑی دیر میں آبادی سے باہر نکل گیا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ اور ماہتاب مشرقی آسمان پر ذرا بلند ہو آیا تھا۔ چاندنی کھیت کر چکی تھی۔ شبنم بہت زیادہ پڑ رہی تھی۔ فرخ نے تھوڑی ہی دور جا کر غور کیا تو کپڑے نم تھے۔ فرخ اب رات کے سفر کا عادی ہو گیا تھا۔ اب شب تار میں بھی تنہا سفر کرتے ہوئے اُسے ڈر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غرض وہ ایک بے خودی کے عالم میں قدم بڑھائے چلا گیا۔ اس وقت وہ مہدی کو بالکل بھولا ہوا تھا۔ دل میں کچھ باتیں کرتا تھا۔ تو وہ بھی یادِ جاناں کی ہوتی تھیں۔ اور نگاہ اُٹھا کر دیکھتا تھا تو بھی سامنے پیاری معشوقہ کی صورت نظر فریب ہی نظر آتی تھی۔ آخر چاندنی زرد پڑتے پڑتے نادارد ہو گئی۔ اور ستارے دیکھتے ہی دیکھتے جھلملا جھلملا کر غائب ہو گئے۔ دیر تک بسیرے ہی سے شور کرنے کے بعد چڑیوں نے آشیانوں سے نکل نکل کر پھڑپھڑانا شروع کیا۔ مسجد کہیں نہ تھی۔ ورنہ اذان کی آواز بھی آجاتی۔ ہاں کسی طرف سے شوالے کے گھنٹے کی آواز آ رہی تھی۔ ہمارا رات کا مسافر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ بیٹھنا تھا کہ کسل نے لٹا دیا۔ اور لیٹنا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔

آزادی کی نیند تھی۔ اور وہ بھی ان آنکھوں میں جنہیں رات بھر یار کی خیالی پیکرِ تصویر کی زیارت میں جاگ کر کٹی تھی۔ فرخ سویا تو کہیں

جا کے دوپہر کو آنکھ کھلی۔ جب ایک گائے کڑی دھوپ سے بچ کر سایے میں پناہ لینے کے لئے اس درخت کے نیچے آکر زور سے چلائی۔ وہ اُٹھا اور آگے روانہ ہوا۔

فرخ نے یونہیں پا پیادہ سفر کر کے وہ تمام مسافت طے کر لی۔ جو دریائے راوی اور دریائے چناب کے درمیان میں تھی۔ پانچویں چھٹے روز وہ رام نگر پہنچا۔ اور وہاں سے حدود کشمیر میں داخل ہو کر جموں پہنچا۔ جموں سے فرخ آگے بڑھا تو تین چار روز بعد ایک شہر کی عمارتیں دیکھکر باہر ہی کسی پہاڑی کے دامن میں ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ طیور بسیروں میں جانے کے لئے دُور دُور سے آکر جمع ہو گئے تھے۔ اور شور کر رہے تھے زرد زرد دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سنہرا رنگ پھیرے ہوئے تھی۔ کہرا دھوئیں کی طرح تمام اطراف وجوانب میں پھیلا ہوا تھا۔ فرخ نے مثنوی مولانا روم نکال کے جوش وخروش کے ساتھ پڑھنا شروع کی۔ اس کی خوش آوازی سُن کر ایک مسلمان کشمیری پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ فرخ نے انہیں بلا کر پاس بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر تک مثنوی پڑھ کر بند کی۔ اور اپنے نئے ملاقاتی کی طرف متوجہ ہوا۔

فرخ: "اسم شریف؟"

شخص: "جلال الدین۔ آپ کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟"

فرخ: "آپ اس کو نہ پوچھئے"

جلال الدین:- "آخر آپ کا وطن مالوف کس شہر میں ہے؟"

فرخ:- "دہلی میں"

جلال الدین:- "اور اسم شریف؟"

فرخ:- "مجھے فرخ کہتے ہیں"

جلال الدین:- "حضرت آپ کیا خوب مثنوی پڑھتے ہیں۔"

فرخ:- "اس شہر کا کیا نام ہے؟"

جلال الدین:- "یہ اسلام آباد ہے"

فرخ:- "اسوقت اس شہر کا نام سُن کر مجھے بڑا افسوس ہوا"

جلال الدین:- "افسوس کس بات کا؟"

فرخ:- "یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ مسلمان لوگ اسلام آباد میں رہ کر بھی اپنے مذہبی امور کو آزادی سے نہ ظاہر کر سکیں؟ اور ان پر اس وجہ سے ظلم ہو کہ وہ مسلمان ہیں! خدا جانے برٹش گورنمنٹ کیوں ایسی غافل ہے۔ جس آزاد گورنمنٹ کو عام اصلاح اور عدل اور آزادی کا دعویٰ ہو، اُس کی جانب سے غفلت کا ہونا تعجب کا باعث ہے"

جلال الدین:- "واقعی آپ نے صحیح فرمایا۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ عام طور پر اذان نہیں دے سکتے۔ اور بقول آپ کے اور سب طرف سے تو یاس ہی یاس نظر آتی ہے۔ فقط ایک انگریزی حکومت کی انصاف پسندیوں پہ اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔ دیکھئے کب اِن

مصیبتوں سے نجات ملتی ہے۔"

فرخ:- "اس کے تو میں خلاف ہوں۔ میں قومی حکومت زیادہ مناسب خیال کرتا ہوں۔ مجھے اس کی تو خواہش نہیں ہے کہ انگریزی سلطنت میں کشمیر بھی داخل ہو جائے۔ مگر میں اتنا چاہتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ اپنے اعلےٰ اختیارات کے استحقاق سے گورنمنٹ کشمیر کے پولیٹیکل اصول کی ترمیم کسی قدر تنبیہہ کے ساتھ کرتی رہے۔ ہندوستان کے اخبارات اس پر زور دے رہے ہیں۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں پر چھریاں چلتے دیکھتے ہیں۔ اور اسی میں خوش ہیں۔

جلال الدین:- "واقعی آپ کی رائے نہایت مناسب ہے۔ دیکھئے خدا کب وہ دن لاتا ہے۔ میں ہندوستان میں کوئی پانچ برس رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں کی آزادیاں دیکھکر اور تمام مذہب والوں کو اپنے مذہبی جوش و خروش کو آزادی سے ظاہر کرتے دیکھ کر، اور مجھے اپنے ملک کے مسلمانوں کی بے کسی اور بے بسی پر بڑا رحم آیا اکثر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اب اندھیرا زیادہ ہو گیا ہے۔ شہر میں تشریف لے چلئے۔"

فرخ:- "آپ تشریف لے جائیے۔ میرا آپ کا کون ساتھ؟"

جلال الدین:- "نہیں صاحب! یہ نہ ہو گا۔ آپ میرے مہمان ہیں۔"

غرض فرخ بہزار خرابی جلال الدین کے مکان پر گیا۔ دو چار روز کے بعد اُس نے وہاں سے روانہ ہونے کا قصد کیا۔ مگر جلال الدین نے کسی طرح اجازت نہ دی۔ آخر فرخ نے یہاں ایک معمولی معلم گری کی نوکری کرلی۔ اور کتنی مہینے یہیں رہا۔

فرخ کو یہاں ہر وقت اپنی معشوقہ کو یاد کرتے ہی گذرا کرتی تھی۔ آرزوئے وصل میں جیتا تھا۔ اور خیال جاناں سے دل بہلاتا تھا۔ آخر وحشت نے پھر زور کیا۔ دل میں کہنے لگا "میں یہاں رہنے اور نوکری کرنے کو نہیں آیا ہوں۔ اب یہاں دل نہیں لگتا۔ کسی اور طرف چلنا چاہیئے"

غرض ایک دن جوش وحشت میں چل کھڑا ہوا۔ اور سری نگر میں پہنچا۔ جلال الدین کو اس سے اس عرصے میں نہایت اُنس ہو گیا تھا۔ وہ از حد ملول ہوا۔

فرخ جیسے ہی سری نگر میں پہنچا۔ ویسے ہی اسکے ایک کلاس فیلو جن کا نام علی اصغر تھا ملے۔ اور دیکھتے ہی دوڑ کے لپٹ گئے۔ علی اصغر کو دہلی سے آئے ابھی سات آٹھ مہینے ہوئے تھے۔ ان سے مہدی سے بھی ملاقات ہو گئی تھی۔ اور فرخ کے تمام حالات سے واقف تھے۔ اپنے دوستوں کی تحریروں سے اُنہیں فرخ کی مفقود الخبری کا حال بھی معلوم ہو چکا تھا۔ مصلحتاً انہوں نے اپنی واقفیت کو ظاہر ہی نہیں کیا۔

علی اصغر:۔ "فرخ تم کہاں؟"

فرخ:۔ "سفر کا شوق ہوا، یہیں چلا آیا۔"

علی اصغر:۔ "آیئے میرے یہاں تشریف لے چلیئے۔"

فرخ:۔ "نہیں! میرا یہاں قیام کا ارادہ نہیں ہے۔"

علی اصغر:۔ "بجا! تو آپ جانے بھی پائیں گے؟"

غرض علی اصغر نے بڑے خلق کے ساتھ حیلے کرکر کے فرخ کو دو مہینے تک اپنے یہاں روک رکھا۔ فرخ روز روانگی کا قصد کرتا تھا۔ اور وہ روک لیتے تھے۔

علی اصغر نے فرخ کو کبھی ایسا موقع ہی نہ دیا کہ وہ تنہا چل دے۔

بائیسواں باب

مہدی فرخ کی کوٹھی میں ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ صورت پر پریشانی برستی ہے۔ چہرہ مجسم حیرت ہو رہا ہے۔ میز پر دونوں کہنیاں ٹیک کر آگے کو جھک گیا ہے۔ دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور پریشان خیالات کے ساتھ نا اُمیدی و یاس کے آثار بشرے سے ظاہر ہیں۔ وہ دل میں کہہ رہا ہے۔

"افسوس! اب تو اس میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ فرخ سے دائمی مفارقت ہوگئی۔ اس کی وحشت اب اسے پھر دہلی آنے کی اجازت نہ دے گی۔ خدا جانے کہاں ہوگا۔ ہائے اس طرح امیرانہ ٹھاٹھ سے پرورش پایا ہوا شخص کوہ و صحرا میں پیادہ پا پھرے۔ نہ معلوم کہ کیا حال ہوگا۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے ہوں گے۔ آہ فرخ! تم مجھے بالکل بے دست و پا کر گئے۔ کس عمدہ اُصول سے خاندانی نزاعوں کے دفع کرنے کی بنا ڈالی تھی۔ بس اتنی ہی کسر

رہ گئی تھی کہ نکاح ہو جائے۔ ایک فرخ کی ذات سے مجھے کیا کیا اُمیدیں تھیں۔ گویا میرے بمبئی سے آنے کی غایت ایک فرخ کے دم سے وابستہ تھی۔ اب تو میرا یہاں رہنا بالکل بے کار ہو گیا۔ فرخ کی والدہ بڑی دلدہی اور اصرار کرتی ہیں۔ مگر وہ خود اپنی مصیبت میں مبتلا ہو رہی ہیں۔ فرخ کا تھوڑا صدمہ ہوا۔ خدا دشمن کو بھی اس مصیبت میں نہ ڈالے مجھے اس امر کی بڑی فکر ہے کہ مجھ کو اب لینے لئے گیا" (کچھ آہٹ پا کر) کون ؟" سامنے کا دروازہ کھلا۔ اور کوئی موٹے تازے ہاتھ پیروں کا آدمی اندر داخل ہوا۔

مہدی :۔ اخاہ! جناب آغا صادق صاحب ہیں۔ آئیے تشریف رکھئے :۔ یہ کہتا ہوا مہدی اُٹھ کھڑا ہوا۔ آغا صاحب آئے اور مہدی کے برابر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

مہدی :۔ مزاج مبارک ؟"

آغا صادق :۔ الحمدللہ۔ آپ کا مزاج شریف ؟"

مہدی :۔ شکر ہے۔ جب سے فرخ چلے گئے۔ کبھی ایک گھڑی بھر کو بھی آرام نہیں نصیب ہوا۔ بس مزاج کا یہی حال سمجھ لیجئے "

آغا صادق :۔ ہاں اُن کا پتہ نہیں لگا ؟ کیا صدمہ ہوا ہے۔ یہ گھرانہ ہی تباہ ہو گیا۔ آپ غور تو کیجئے کہ تین بھائیوں اور ایک بہن کی ساری اُمیدیں ایک فرخ کے دم سے تھیں "

مہدی :۔ (آبدیدہ ہو کر) کیا عرض کروں کہ یہ کیسا سانحہ ہوا ہے "

آغا صادق :۔ "ان کی والدہ کا کیا حال ہے؟"

مہدی :۔ "میری زبان میں طاقت نہیں کہ اُن کی بے تابی اور بیقراری کا حال بیان کروں۔ رات دن روتے ہی گذرتی ہے۔ غذا مطلق چھوٹ گئی۔ میں جانتا ہوں۔ کہ جب سے فرخ گئے اُس وقت سے آج تک کسی نے اُن کو ہنستے نہ دیکھا ہوگا۔"

آغا صادق :۔ "خدا اُن کو صبر عطا کرے" (دروازے کی طرف دیکھکر) "کون آتا ہے؟"۔

مشتاق برآمد ہوا۔

مہدی :۔ (ادھر دیکھکر، مشتاق ہیں۔ آؤ مشتاق بیٹھو۔ مشتاق بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔"

آغا صادق :۔ "ارے بھئی مشتاق تم نے کچھ پتہ نہ لگایا کہ فرخ کہاں گئے ہیں؟"

مشتاق :۔ "خدا اُن کو بخیر و عافیت واپس لائے۔ یقین جانیے بے اُن کے زندگی بے مزہ ہو گئی۔ اپنی حد بھر کوشش کرتا ہوں۔ باقی حصول مقصد خدا کے ہاتھ ہے۔"

مہدی :۔ "مشتاق تم نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ ہوا بہت تیز چل رہی ہے۔"

آغا صادق :۔ "رہنے بھی دیجیے۔ جاڑے کے موسم میں ہوا دن کو ناگوار نہیں گزرتی۔"

مشتاق:۔ "دیکھئے اصغر علی بھی آتے ہیں۔"

مہدی:۔ "کئی روز کے بعد آتے ہیں۔ آغا صاحب آجکل طبیعت نہایت گھبرایا کرتی ہے۔ کوئی صاحب ازراہِ کرم تشریف لے آتے ہیں تو گھڑی دو گھڑی کو دل بہل جاتا ہے۔"

اصغر علی:۔ (کمرے میں داخل ہو کر اور صاحب سلامت اور مزاج پرسی کے بعد) "آج چھ روز کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ کیا کہوں فرصت ہی نہیں تھی۔ اور ایک خبر ایسی ضروری عرض کرنا تھی کہ تین دن سے روز آنے کا قصد تھا۔ مگر موقع نہیں ملا۔"

مہدی:۔ "اور یہ مقام بھی دور پر واقع ہے۔ انسان سو کام کا ہرج کرے تو یہاں آئے۔"

آغا صادق:۔ "چلئے آپ اُدھر دریا کی طرف چل کے بیٹھئے۔"

مہدی:۔ "بہتر۔ اگرچہ آجکل باہر بیٹھنے کا موسم نہیں ہے۔" مہدی کے حکم پر خدمتگاروں نے اُس طرف کرسیاں ڈال دیں۔ اور سب جا کر وہیں بیٹھے۔

اس وقت اندازاً تین بجے ہونگے۔ چیزوں کا سایہ خود اُن کے برابر ہو گیا تھا۔ نماز ظہر کا وقت ختم ہونے کو تھا۔ سردی جو دوپہر کے وقت کم ہو گئی تھی اب پھر زور پکڑتی جاتی تھی۔ آفتاب کی گرمی ہمارے ولولوں کی طرح سست پڑ گئی تھی۔ بہت چھوٹا سا دن کچھ اس رواروی کے ساتھ اخیر ہو گیا تھا۔ کہ بہت لوگ ابھی بارہ بجنے ہی

کے گمان میں تھے۔ دنیا کے کاروبار اجرا کرنے والے دن کی کوتاہی سے تنگ آ گئے تھے۔ کیونکہ بہت کم ایسے تھے جو اپنا پورا کام کرلے جاتے ہوں۔ اسوقت لب دریا بیٹھکر کچھ دیر سبھوں نے دریا کی روانی کی سیر کی اور پھر باتیں شروع کیں۔

مہدی "(اصغر علی کی طرف دیکھ کر) وہ کون سی خبر فرمانے کو آپ کہتے تھے؟"

اصغر علی "ہاں خوب یاد دلایا آپ نے مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا۔ وہ جس زمانے میں آپ فرخ کے لئے لاہور تشریف لے گئے تھے مجھے معتبر طور پر معلوم ہوا ہے کہ انہیں دنوں مقصود دو ایک بدمعاشوں کو ساتھ لے کر وہاں گیا تھا۔ میں نے سُنا ہے کہ کسی روز رات کو انہوں نے فرخ پر بھی حملہ کیا۔ مگر فرخ کسی طرف نکل گئے۔ مقصود کہتا ہے۔ میرے بھائی کو تو پھانسی ہو ہی گئی۔ اب میں جب تک مسعود کا بدلہ فرخ سے نہ لے لوں گا دم نہ لوں گا۔ مگر فرخ کو خدا نے دو دفعہ ان ظالموں کے ہاتھ سے بچایا۔"

مہدی "اس خبر سے تو مجھے آپ نے تشویش میں ڈال دیا۔ کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ کس روز مقصود نے فرخ پر حملہ کیا تھا؟"

اصغر علی "اب یہ تو مجھے ٹھیک نہیں معلوم ہوا۔"

مہدی نے اس خبر کو سُن کر متفکر صورت بنائی۔ اور گردن جھکا کے یہ سوچنے لگا۔ "خدا جانے یہ کس روز کا ذکر ہے؟ فرخ سے جس روز

میری ملاقات ہوئی، اس سے پہلے تو یہ واقعہ نہیں ہوا۔ ورنہ فرخ ضرور مجھ سے ذکر کرتا۔ اور اُس روز کے بعد مجھے یقین نہیں کہ فرخ لاہور میں ہو۔ میں نے ہر گلی و کوچہ چھان ڈالا۔ یہ ممکن نہیں کہ فرخ یہاں ہوتا اور مجھے نہ مل جاتا۔ ہو نہ ہو اُسی روز کا ذکر ہوگا۔ جس رات وہ مجھے سوتا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ (بآواز اصغر علی سے) "یہ آپ کو معلوم ہوا کہ رات کو حملہ ہوا تھا کہ دن کو؟"

اصغر علی :- "ہاں یہ تو سُنا ہے کہ رات کو حملہ ہوا تھا"

مہدی۔ (دل میں) "بس اُسی روز کا ذکر ہے"

اتنے میں خدمتگار نے مہدی کو ایک خط لاکر دیا اور کہا: "حضور ڈاکیہ دے گیا ہے"

مہدی نے خط کا لفافہ پڑھا۔ مگر کچھ نہ معلوم ہوا کہ کس کا لکھا ہے۔ لفافہ چاک کیا اور آہستہ آہستہ پڑھنے لگا۔ آغا اور اصغر علی اور مشتاق مہدی کی صورت دیکھنے لگے۔ مہدی جوں جوں اس خط کو پڑھتا جاتا تھا۔ اُس کے چہرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہوتے جاتے تھے۔ ابھی خط پورا نہیں ہوا تھا کہ مہدی نے وفور مسرت سے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لیجئے حضرت آپ سب صاحبوں کو مبارک!"

اصغر علی :- "للہ جلد فرمائیے۔ خط پیچھے پورا کر لیجئے گا"

مہدی :- "میں آپ سب صاحبوں کو خط ہی سنائے دیتا ہوں"

یہ کہہ کے مہدی نے خط پڑھنا شروع کیا۔

شفیقی جناب محمد مہدی صاحب دام لطفہٗ

بعد تسلیم کے بصد اشتیاق مدعا طراز ہوں کہ ان دنوں میرے معزز دوست فرخ صاحب یہاں وارد ہوئے۔ چونکہ میں اُن کے حالات سے واقف تھا۔ بلطائف الحیل انہیں روک رکھا۔ آپ اس خط کے دیکھتے ہی یہاں تشریف لائیے۔ آپ آجائیں گے تو مجھے اُمید ہے کہ سمجھانے بجھانے سے واپسی وطن پر راضی ہوجائیں گے۔ زیادہ نیاز

کمترین۔ علی اصغر۔ از سری نگر۔

کشمیر۔ مؤرخہ ماہ سنہ

یہ خط دیکھکر سب کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ مہدی کہنے لگا تو حضرت اب روانگی کا قصد کرنا چاہیئے۔

علی اصغر صاحب نہایت معقول آدمی ہیں۔ بڑا کام کیا جو فرخ کو روک لیا۔

آپ سب صاحب تشریف رکھیں۔ میں اندر اطلاع کر آؤں۔ فرخ کی والدہ کو فوراً یہ خوشخبری سنانا چاہیئے اُن کی جان میں جان آجائیگی۔ ذرا اطمینان ہو جائیگا۔ اور دل کو ایک قسم کی تسلی و تشفی ہو جائیگی۔"

یہ کہہ کر مہدی اندر چلا گیا۔

تیئسواں باب

کوئی چالیس بینتالیس برس کی شریف عورت ایک محل سرا میں بیٹھی ہے۔ آس پاس کچھ عورتیں جمع ہیں۔ اس شریف عورت کی صورت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہجوم حسرت و اندوہ عمر بھر کے عیش و عشرت کو پامال کئے ڈالتا ہے۔ زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی چہرے سے ظاہر ہونے والی یاس پر قربان ہوئی جاتی ہے۔ اتنے میں ایک ماما نے آ کر عرض کیا "حضور وہ تشریف لائی ہیں جعفری بیگم ابھی ابھی فنس سے اُتری ہیں" مگر وہ شریف عورت ایسے رنج و الم میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ماما کو کچھ جواب نہ دیا۔ وہ دل سے غمگین ہو ہو کر یہ باتیں کر رہی تھی "اب یہ غم مرتے دم تک پیچھا نہ چھوڑیگا فرخ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ہائے میری شہزادی۔ جب اس کی بھولی بھولی صورت پر مایوسی برستے دیکھتی ہوں تو کلیجے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ اس کے ننھے کلیجے پر خدا جانے کیا گزرتی ہوگی۔ رات

دن دل ہی دل میں کڑھا کرتی ہے۔ بھولی ناسمجھ اپنے دل کا حال کہے تو کس سے کہے! ہائے! یہ بھی میرے نصیبوں کا لکھا تھا۔ کیسی کیسی آرزوئیں تھیں کہ شہزادی کا دولھا دیکھونگی۔ وہ سب آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اکیلی بیٹھ بیٹھ کر رویا کرتی ہے۔ اس کی روئی دھوئی آنکھیں دیکھ کر میرے دل میں نشتر سے چبھنے لگتے ہیں.... ہائے! کیا کروں؟...

فرخ کی پھوپھی ان پریشان خیالات میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اُس کو معلوم بھی نہ ہوا اور جعفری بیگم کمرے کے اندر پہنچ گئیں جعفری بیگم نے آکر مؤدبانہ سلام کیا۔ فرخ کی پھوپھی نے سر اُٹھا کر دیکھا اور کہا: "جیتی رہو، آؤ بیٹھو"

جعفری بیگم فرخ کی منجھلی چچی کی اسکے میکے کی طرف سے سگی بھانجی تھیں۔ ان کی عمر کوئی ۲۵ برس کی ہوگی۔ اور صورت کے اعتبار سے نہایت ہی حسین اور صاحب جمال تھیں۔ غرض وہ آگے بیٹھ گئیں۔

فرخ کی پھوپھی: "اچھی تو رہیں؟"

جعفری بیگم: "آپ بزرگوں کی دعا سے سب طرح خیر و عافیت ہے"

فرخ کی پھوپھی: "(ایک بے تابی کے ساتھ) ہائے! تم نے دیکھا ہمیں فرخ نے کیسا بے موت مارا"

جعفری بیگم۔ (آبدیدہ ہوکر) "جی ہاں خدا کی قسم ایسا صدمہ ہوا ہے کہ کچھ عرض نہیں کر سکتی"۔

فرخ کی پھوپھی: "میری شہزادی کے دل پر جو گزرتی ہے۔ اُس کو بس وہی جانتی ہے۔ دوسرے کو کیا خبر؟ یہی حالت رہی تو اسکی جان کا خدا ہی حافظ ہے"۔

جعفری بیگم: "اے اس میں بھی کسی کو شک ہے؟ شہزادی کا تو جسقدر حال غیر ہو تعجب ہے"۔

فرخ کی پھوپھی: "میری بچی تو ابھی بالکل بھولی بھالی ہے۔ اس کو دنیا کے رنج وغم سے سروکار ہی نہ تھا۔ اس پر جو نیا نیا صدمہ پڑا ہے تو یہ حال ہے کہ نہ کسی سے کچھ کہتی ہے۔ اور نہ سنتی ہے۔ بس ایک ایسی چپ سادھ لی ہے کہ ہزار ہے تابیوں پر بالا ہے"۔

جعفری بیگم: "ہوا ہی چاہئے۔ فرخ کا کہیں پتہ بھی لگا؟ خدا جانے کہاں چلے گئے۔ کل میں اُنکی والدہ کے ہاں گئی تھی۔ کیا کہوں دم بدم رونے کے سوا جیسے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ کل تک تو پتہ نہیں لگا تھا"۔

فرخ کی پھوپھی: "ہماری ایسی ہی قسمت ہوتی تو رونا کاہے کا تھا"۔ اے نصیبن دیکھتی نہیں ہو اندھیرا ہو گیا۔ کسی سے کہو کنول روشن کر جائے"۔

جعفری بیگم: "خدا اُنہیں بہت جلد مقصدِ مراد کے ساتھ واپس

لائے۔"

فرخ کی پھوپھی "جعفری بیگم! ہائے اب تم ہی بتاؤ کیا کروں؟ مجھے تو کچھ نہیں بن پڑتی۔"

جعفری بیگم "آپ نے بھی کچھ اس پر غور کیا؟ آخر کیا ارادہ ہے؟"

فرخ کی پھوپھی "میں نے تو ہزار سوچا۔ مگر کوئی بات بن نہیں آتی کچھ تم ہی بتاؤ؟"

جعفری بیگم "یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔ آخر کنواری لڑکی کو کب تک لئے بیٹھی رہیئے گا؟ کہیں اور ٹھہر جائے تو دیکھ بھال کے کر دیجیئے۔"

فرخ کی پھوپھی "اول تو اب مجھے یہ منظور ہی نہیں۔ کہ شہزادی کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں پکڑا دوں۔ اور مانا کہ کہیں کر دوں۔ پھر تمہیں بتاؤ کہاں کروں۔ نگوڑا زمانہ ایسا آن لگا ہے کہ ہونہار لڑکوں کا کال ہو گیا۔ ماں باپ لڑکوں کو لاڈ پیار کے مارے پڑھاتے لکھاتے نہیں۔ اور پڑھائیں لکھائیں گے بھی تو وہ علم کہ لڑکا ملانوں میں مل جائے۔ نہ کمانے کا سلیقہ آئے۔ نہ کچھ پیدا کرنے کے ڈھنگ معلوم ہوں۔ بس اس قابل ہو جائے کہ عمر بھر مسجدوں کی روٹیاں توڑا کرے۔ اے یہیں کے ایک شاعر ہیں حالی اُنہوں نے زمانے کا حال دیکھکر کیا اچھا شعر لکھا ہے ؎

یہی جھیکنا کہ بہ کو گھر بہ گھر ہے
بہو کا ٹھکانا نہ بیٹی کو، بر ہے

اب مجھ سے تو یہ نہ ہوگا کہ اپنی لاڈلی شہزادی کو آنکھیں بند کرکے کسی کے حوالے کردوں۔"

جعفری بیگم: "اے نہیں خدا نہ کرے۔ کیا شہزادی کے دشمن کچھ ایسے دوبھر ہیں۔"

فرخ کی پھوپھی: "پھر اب تم ہی بتاؤ۔ عزیزوں میں کون لڑکا ہے، جس کو تم اپنے نزدیک لائق سمجھتی ہو؟"

جعفری بیگم: "میرے نزدیک تو مقصود بھی لائق ہے۔ آخر اس میں کون سی نالائقی ہے؟ اور یوں بدنام کرنے کی تو بات ہی اور ہے۔"

فرخ کی پھوپھی: "ہے ہے! دیکھو جعفری بیگم مقصود کا نام میرے سامنے نہ لو۔ مجھے اس کا نام سن کر بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ ہائے! تم اُسے لائق کہتی ہو۔ جس نے اپنے سگے بھائی کے مار ڈالنے کا قصد کیا۔ وہ دوسرے کے ساتھ کیا کرے گا؟ وہ تو مہدی کے لاہور جانے سے اتنا بھی معلوم ہوا کہ فرخ دنیا میں موجود ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے اُسکے دشمنوں کی جان لینے میں کیا کچھ کسر اُٹھا رکھی تھی؟ یہ مجھ سے کوئی اُمید نہ رکھے کہ اپنی پیاری لڑکی مقصود کو بیاہ دونگی یہ تو معلوم ہی ہے کہ فرخ زندہ ہے۔ بس جس روز آجائیگا اسی کے

ساتھ شہزادی کی شادی ہو گی۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے مگر میری شہزادی کی شادی اور کسی کے ساتھ نہ ہوئی ہے نہ ہو گی۔ جعفری بیگم پھر کبھی تم اس کا ذکر نہ کرنا"

شہزادی تھوڑی دور پر گردن جھکائے بیٹھی نازک نازک ہاتھوں سے ڈلیاں کتر رہی تھیں۔ جس وقت جعفری بیگم نے مقصود کا نام لیا۔ چاہیئے تھا کہ وہ شرما کر اور گردن جھکا لیتیں۔ مگر نہیں انہوں نے ایک ایسی نگاہ سے دیکھا جو حسرت و افسوس کے ساتھ بڑی ناراضی اور برہمی کے آثار بھی دکھا رہی تھی۔ صورت سے ظاہر ہوتا تھا کہ دل میں کوئی ایسا خیال جوش کے ساتھ پیدا ہوا ہے کہ وہ ضبط نہیں کر سکتیں مگر وہ شرم و حیا جو معمولی ہندوستانی کنواری لڑکیوں کی زبان روکتی رہتی ہے اس نے اسوقت شہزادی کا بھی منہ نہ کھلنے دیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کمرے کی گھڑی میں ٹن ٹن کر کے آٹھ بجے۔ ویسی ہی قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ فرخ کی پھوپھی ایک دوشالہ اوڑھ کر کمرے سے باہر نکلیں۔ آسمان کہر کی وجہ سے دُھندلا نظر آتا تھا۔ ایک آدھ ستارا جو نظر بھی آتا تھا تو اسکی روشنی بالکل ماند تھی۔ چاند کی روشنی دشمنوں کے دلوں کی طرح مکدّر تھی۔ رات تھی تو چاندنی مگر موسم سرما کے باعث اندھیری معلوم ہوتی تھی۔ مارے سردی کے بدن کانپا جاتا تھا۔ کسی کام کے لیئے ہاتھ باہر نکالنا انتہا سے زیادہ مشکل تھا۔ فرخ کی پھوپھی نے چلا کر کہا "لے ہے۔

کس غضب کا جاڑا پڑتا ہے۔" اس پر نصیبن نے کہیں دور سے چلا کر کہا "اے بیوی سنتی ہوں کل بہت برف پڑی۔"

اتنے میں ایک عورت فرخ کی پھوپھی کے قریب آئی اور بڑے ادب سے جھک کر آداب بجا لائی۔

فرخ کی پھوپھی "کون؟ حسینی خانم؟ تم اتنے وقت کہاں آئیں، خیریت تو ہے؟"

حسینی خانم "جی ہاں سب خیریت ہے۔ ایک خوش خبری سنانے آئی ہوں۔ حضور انعام لونگی۔"

فرخ کی پھوپھی "ہمارا انعام دینے کے قابل منہ ہی نہیں رہا وہ جو انعام کا حیلہ تھا وہی نہیں۔"

حسینی خانم "اے حضور خدا نے سُن لی آج ایک خط آیا ہے۔ صاحبزادے کا پتہ معلوم ہو گیا۔ آپ کی بھاوج صاحب نے یہی خوش خبری سُنانے کو بھیجا ہے۔ دوڑتی ہوئی آئی ہوں۔"

فرخ کی پھوپھی "(خوش ہو کر) "آخر کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ کہاں سے خط آیا ہے۔"

حسینی خانم "کشمیر سے۔"

فرخ کی پھوپھی "اے ہے! فرخ کشمیر پہنچ گیا؟ خط کس نے لکھا ہے؟"

حسینی خانم "کوئی اُن کے دوست وہاں تھے۔ دیکھتے ہی اپنے

گھر لے گئے۔ اور حیلہ بہانہ کر کے اُن کو تو روک لیا۔ اور یہاں لکھ بھیجا آج مہدی میاں رات کی ریل پر جائیں گے۔ خدا کرے جلدی آجائیں"۔

فرخ کی پھوپھی:۔ (ہاتھ اُٹھا کر) "یا اللہ کروڑ کروڑ بار تیرا شکر ہے۔ تو نے میری بے کسی پہ رحم کیا"۔

فرخ کی پھوپھی کو اس سے زیادہ کیا خوشی ہو سکتی تھی۔ وہ دوڑ کر کمرے میں گئیں اور سب کی طرف دیکھ کر کہا:۔

"بہو بیو تمہیں مبارک! میرے فرخ کا پتہ لگ گیا۔ بس دو ہی تین روز میں آیا چاہتا ہے۔ اب میں شادی میں ذرا تامل نہ کروں گی۔ وہ آیا اور بس دن تاریخ دیکھ کر فوراً نکاح پڑھوا دوں گی۔ اس میں چاہے کوئی خوش ہو، چاہے ناراض ہو"۔

چوبیسواں باب

فرخ اپنے دوست علی اصغر کے مکان میں سوتے سوتے جاگ پڑا۔ آنکھیں ملتا ہوا پلنگ پر اُٹھ کے بیٹھ گیا۔ دروازے کی راہ سے دیکھا کہ ستارے کھلے ہوئے ہیں۔ مگر کسی کی شرمائی صورت کی طرح اُن کی نظر فریب آب وتاب پر ایک بے لطف سفیدی ظاہر ہو رہی ہے۔ فرخ نے پہلے ستاروں کی سفیدی کا خیال ہی نہ کیا۔ وہ سمجھا کہ ابھی رات زیادہ باقی ہے۔ لیکن جب شہر کے شوالوں سے گھنٹوں کی آوازیں ہوائے سرد کے ہلکے ہلکے جھونکوں کے ساتھ آئیں تو متحیر ہو کر کمرے کے باہر نکلا۔ اور مشرق کی طرف نظر غور سے دیکھنے لگا۔ سفیدۂ صبح کی لمبی لمبی روشنی دیکھکر معلوم ہوا، کہ صبح ہو گئی۔ فرخ اگرچہ رات بھر اپنے جوشِ عشق کی فکروں میں ڈوبا رہا تھا۔ اور پچھلے کو کہیں آنکھ لگ گئی تھی۔ مگر اس وقت کی کیفیتیں ایسی دلگیر تھیں کہ وہیں باہر صحن میں ٹہلنے لگا۔

یہ وقت مصلحتاً نہایت ہی دلکش پیدا کیا گیا ہے۔ اسی وقت تمام عالم ایک گہری غفلت اور بے خودی کے سکوت کے بعد اپنے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے۔

دنیا کا ہر ذی روح اسی وقت اس غایت کے حاصل کرنے کی جانب مصروف ہوتا ہے۔ جس کے واسطے اُسے قدرت نے پیدا کیا ہے۔ اسی وقت کی دلچسپیاں ہیں جو قریب قریب تمام عالم کو میٹھی نیند سے جگا کر اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ غرض رفتہ رفتہ ستاروں کی صورت زیادہ گھبرائی ہوئی نظر آنے لگی۔ اور طیور نے چہچہا چہچہا کر عالم کی خاموشی کو رفع کیا اور نئے نئے جاگے ہوؤں کے کانوں میں گھنٹوں کی آوازیں بھر گئیں۔ ہر چیز کو ایک آزادی حاصل تھی۔ اور کسی نہ کسی ذریعے سے اپنے موجود ہونے کی اطلاع اہل عالم کو کر رہا تھا۔ خاموش تھیں تو شہر کی مسجدیں جن میں سے اذانوں کی آوازیں نہیں آتی تھیں۔ اور مسلمانوں کے اقبال کی طرح ایک بے کسی کے ساتھ خاموش پڑی تھیں۔

اس وقت کی حالت نے فرخ کا دل ذرا بہلا دیا۔ اور اسے اتنی مہلت ملی کہ اپنی پیاری معشوقہ کے خیال سے دل کو کسی اور جانب متوجہ کرے۔ کسی طرف سے اذان کی آواز نہ آنے کا خیال کر کے وہ افسوس کرنے لگا۔ اس نے اس گورنمنٹ کی حالت پہ نہایت خوف اور عبرت سے نظر ڈالی جو اپنے ناجائز تعصب پر ایک وسیع مذہب

کی آزادی کو بھینٹ چڑھائے دیتی ہے۔

اب روشنی زیادہ غالب ہوگئی اور ستارے بالکل غائب ہو گئے۔ آفتاب کی کرنیں اُن درختوں کی خوشنما پتیوں پر پڑنے لگیں۔ جو کشمیر کو جنت نظیر ثابت کئے ہوئے ہیں۔ صحن کے کسی کونے میں ایک سنہری کرسی پڑی تھی۔ فرخ اس پر بیٹھ گیا۔ قاعدہ ہے کہ جو ہر وقت کسی کام میں لگے رہنے کا عادی ہے۔ گھڑی بھر بھی بے کار بیٹھنے میں اس کا دل الجھنے لگتا ہے۔ فرخ ہر لحظہ خیال جاناں میں ڈوبا رہتا تھا اس وقت دم بھر بے یادِ جاناں بیٹھا تو کچھ بھولا بھولا سا معلوم ہونے لگا۔ آخر ضبط نہ ہوسکا۔ اور جاکر کمرے سے مثنوی مولانا روم اُٹھا لایا۔ مثنوی کے چند اشعار پڑھے ہونگے کہ اسکے دوست علی اصغر زنانے مکان سے باہر تشریف لائے۔

علی اصغر:۔ اہاہاہا! آج تو آپ سویرے ہی سے باہر صحن میں نکل کر بیٹھے ہیں۔"

فرخ:۔ (مثنوی بند کرکے) "ہاں آج تڑکے ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ دل گھبرانے لگا۔ تو مثنوی ہی لیکر بیٹھ گیا۔

علی اصغر۔ تو آپ نے مثنوی کیوں بند کردی؟ اچھا آیئے۔ اندر بیٹھکر پڑھئے۔ مجھے مثنوی شریف سننے کا نہایت ہی شوق ہے عجیب دلگیر کلام ہے۔"

فرخ:۔ (کھڑا ہوکر) "سبحان اللہ! جو دل ذرا بھی اثر پذیر ہوا اُسکے

مذاق کے موافق مثنوی سے بڑھکر دنیا بھر میں کوئی کتاب نہیں ہے۔"

غرض دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ اور فرش پر بیٹھ گئے۔ فرخ نے مثنوی علیحدہ رکھدی۔

علی اصغر:- "نہیں صاحب۔ کچھ پڑھئے تو سہی۔ فضول باتوں سے تو اچھا ہی ہوگا۔"

فرخ نے مثنوی اُٹھائی اور شروع ہی پر کچھ اشعار چھوڑ کر پڑھنا شروع کیا۔

فرخ:- (جھوم کر) "درغمِ ما روزہا بیگاہ شد۔ روزہا با سوزہا ہمراہ شد۔"

علی اصغر:- "ہائے کس درد اور کس بے تابی کا شعر ہے۔"

فرخ:- "(کچھ دور تک نظر سرسری طور پر دوڑا کر) ہائے ہائے! فرماتے ہیں مولانا۔ سُنئے گا۔"

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

علی اصغر۔ (زور سے کلیجہ پکڑ کر) "اُفوہ! بس جی چاہتا ہے کہ انسان کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل کھڑا ہو۔"

فرخ یہ شعر پڑھ کے کچھ ایسا بے تاب ہوا کہ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اس نے بار بار انھیں اشعار کو ایک بے اختیاری کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور آخر خاموش ہو کر کسی فکر میں غرق ہوگیا۔

علی اصغر:- "آگے پڑھو چپ کیوں ہو رہے ہو؟"

فرخ "بہتر" پانچ چھ ورق بے پروائی کے ساتھ اُلٹ گیا۔ ایک مقام پر ٹھہر کر اور زانو پر ہاتھ مار کر کہنے لگا "ہائے ہائے! ملاحظہ فرمائیے ؎

گفت لیلےٰ را خلیفہ کاں توئی — کز تو مجنوں شد پریشاں وعوی
از دگر خوباں تو افزوں نیستی — گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا — ہر دو عالم بے خطر بودے ترا
باخودی تو لیک مجنوں بیخودست — در طریق عشق بیداری بدست

اتنے میں ایک خدمتگار آیا۔ جس کی طرف فرخ اور علی اصغر دونوں دیکھنے لگے۔

علی اصغر "کیوں کیا ہے؟"

خدمتگار "حضور ایک صاحب تشریف لائے ہیں"

علی اصغر "کون صاحب ہیں؟ آخر تم نہیں پہچانتے"

خدمتگار "جی میں نے تو انہیں کبھی نہیں دیکھا"

علی اصغر "تو یہاں بھیج کیوں نہ دیا؟"

خدمتگار "وہ خود ہی نہیں آتے۔ آپ کو باہر بلاتے ہیں۔

علی اصغر "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون صاحب ہیں۔ فرخ سے آپ تشریف رکھئے۔ میں ذرا باہر ہو آؤں"

فرخ "بسم اللہ!

علی اصغر باہر نکلا۔ اور نکلتے ہی ایک شخص کو دیکھکر لپک کے لپٹ گیا۔

"اخاہ! سب خیر و عافیت تو ہے؟"

شخص "الحمد للہ!"

علی اصغر "آپ خوب موقع پر آگئے!"

شخص "آپ کا اشارہ ہوتا اور میں نہ آتا"۔

علی اصغر "آیئے اندر آیئے! وہ بھی بیٹھے ہیں۔ مگر آپ کا اُنہیں گمان بھی نہ ہوگا"۔

دونوں اندر داخل ہوئے۔ فرخ اس نئے شخص کو دیکھ کر ایسا بدحواس ہوا کہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اور یہ شخص جاتے ہی اس کے گلے سے لپٹ کر آبدیدہ ہوا اور کہنے لگا "تم سے بڑھ کر سنگ دل دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ ہائے تمہارا جوش محبت بڑا ظالم ہے"۔

فرخ۔ (آنکھوں سے آنسو بہا کر) "مہدی! ہائے اس بے چین دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں اپنے اختیار ہی میں نہیں ہوں۔ تم چاہے ظالم کہو۔ چاہے کچھ کہو۔ مگر میرا دل میرے قابو میں نہیں ہے"۔

مہدی "آخر اس ظلم کی کوئی انتہا بھی ہے؟"

فرخ "نہیں۔ کیونکہ مجھے اپنے دل کی بے اختیاری کی کوئی انتہا نہیں معلوم ہوتی"۔

دسترخوان بچھایا گیا۔ اور سبھوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت کر کے علی اصغر نے کوئی ضرورت بیان کی اور اُٹھ کے چلا گیا۔

فرخ اور مہدی مکان میں تنہا رہ گئے۔ فرخ نے پہلے اپنی والدہ اور اعزا کی خیر و عافیت پوچھی۔ اس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں دریافت کرنے لگا۔

فرخ "آپ کا یہاں آنا کیوں کر ہوا؟ مجھے آپ کے یہاں آنے کا شک بھی نہیں ہوا تھا۔"

مہدی "آپ کی کشش کھینچ لائی۔"

فرخ "کیا یہاں کچھ ضرورت تھی؟"

مہدی "اس سے زیادہ کیا ضرورت ہوگی کہ آپ یہاں موجود تھے۔"

فرخ "آخر آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہ میں یہاں موجود ہوں؟"

مہدی "اب کیا بتاؤں؟ معلوم ہو گیا۔ یہاں سے بعض آدمی گئے اُن کی زبانی معلوم ہو گیا۔"

فرخ "خیر کہئے مسعود کے مقدمے کا کیا ہوا؟ جرم تو سنگین تھا۔"

مہدی "آپ کو اب تک نہیں معلوم ہوا؟ ایک زمانہ ہوا۔ اسکو پھانسی ہو گئی۔ آپ کی والدہ کو مسعود کا بڑا ہی صدمہ ہوا۔ ہزار نالائق ہو۔ مگر اولاد کا صدمہ نہیں برداشت ہو سکتا۔ واقعی انہوں نے بڑا ہی ضبط کیا۔ نہ آنسو بہائے نہ روئیں نہ دھوئیں۔ فقط بڑی افسردہ دلی کے ساتھ چپ ہو کر رہ گئیں۔ مگر آپ کی جدائی کا صدمہ اُن سے کسی طرح نہیں سہا جاتا۔ اتنے دن ہو چکے ہیں۔ اور آج تک یہ عالم ہے

جیسے آج ہی یہ تازہ غم نصیب ہوا ہے۔"

فرخ:۔ "مہدی! حقیقت میں میں بڑا نالائق ہوں۔ میرے ہی سبب سے بھائی کی جان گئی۔ اور میں ہی نے اماں جان کو ہمیشہ کا داغ دیا۔

مہدی:۔ نہیں۔ نہیں، یہ نہ کہو ہمیشہ کا نہیں۔ تم اب چل کر اپنی اماں جان کا کلیجہ ٹھنڈا کر دگے۔"

فرخ۔ (ذرا تامّل کر کے) "کیا مجھے پھر جانا ہوگا؟"

مہدی:۔ بے شک والدہ کو الگ رہنے دو۔ کیا تم کو دیدارِ جاناں کی کشش بھی اپنی طرف نہیں کھینچتی۔"

فرخ:۔ اسی خیال سے میں کئی مرتبہ دہلی کی طرف روانہ ہونے کو آمادہ ہو گیا تھا۔ مگر وہاں مجھے آرام سے بیٹھنا نہ نصیب ہوگا۔ ایک تو خیال جاناں سے کچھ تنہائی میں خوب باتیں ہوتی ہیں۔ دوسرے مقصود ایسا دشمنی پر تلا ہوا ہے کہ دہلی جا کر مجھے روز جھگڑے فساد میں مبتلا ہونا پڑیگا۔ ہاں جس روز آپ سے لاہور میں ملاقات ....."

مہدی:۔ قطع کلام ہوتا ہے۔ وہاں تو آپ نے مجھے خوب جکمہ دیا۔"

فرخ:۔ اسی کو بیان کرتا ہوں جس روز آپ سے لاہور میں ملاقات ہوئی تھی۔ اُس روز رات کو میں اپنی دو کتابیں لینے کے لئے آپ کے وہاں سے آتا تھا کہ راستے میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ انگریزی خیالات کے آدمی تھے۔ اور ان کی وضع بھی انگریزی تھی۔

میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ایک گلی میں چلے جاتے تھے۔ کہ معلوم ہوا کچھ لوگ ہمارے پیچھے شور کرتے چلے آتے ہیں۔ وہ تو بھاگ گئے اور میں ایک گلی میں ہو رہا۔ جب وہ لوگ پلٹے تو ان لوگوں کی باہمی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ بے چارے میرے ساتھی تو بھاگ کے بچ گئے۔ اور وہ غوغا کرنے والے مقصود اور اُس کے دوست تھے۔ یہ تو حال ہے پھر میں دہلی میں گھڑی بھر بھی آرام سے بیٹھوں گا؟"

مہدی:- "ہاں ابھی آنے سے پہلے میں نے بھی اس کا تذکرہ سنا تھا۔ مگر لاحول ولا قوۃ، مقصود کیا کرلے گا؟ آپ اس سے مطمئن رہیئے۔ میں سب انتظام کرلوں گا۔"

فرخ:- "اور لوگ آ آکے میری آزادی اور میرے خیالات میں خلل انداز ہونگے۔"

مہدی:- "نہیں۔ میں آپ کی تنہائی کا پورا بندوبست کردوں گا۔"

فرخ:- "یہ بھی نہ سہی مجھ کو وصال یار کی طرف سے بالکل یاس ہے، اور جب اس کی امید ہی نہ رہی تو دہلی میری نگاہ میں بالکل سنسان ہے۔ وہاں میرا دل نہ لگے گا۔"

مہدی:- "انسان کو کبھی ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ ساری دنیا ایک امید کے سہارے پر ہے۔ اور خصوص عشاق کی تو زندگی ہی امید پر منحصر ہوتی ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہیں! فرخ دیکھو! تم مایوس ہرگز نہ ہونا۔"

اتنی دیر میں علی اصغر نے آکر مہدی سے پوچھا۔ "کہیں سیر کو تو نہ جائے گا؟"

مہدی: "میری بہت بڑی سیر یہی فرخ ہیں۔ میں کہیں نہ جاؤں گا۔ کل انشاء اللہ ان کو ہمراہ لے کے دہلی کو روانہ ہوں گا۔"

علی اصغر: "کل ہی؟ اب آپ آئے ہیں تو دو چار روز یہاں سیر کر لیجئے۔ کیوں فرخ تمہاری کیا رائے ہے؟"

فرخ: "میرے نزدیک کل کیا اور پرسوں کیا۔ میں تو دہلی جانا چاہتا ہی نہیں ہوں۔"

علی اصغر: "یہ بالکل خلاف ہے۔ نہیں بے شک آپ کو جانا چاہئے بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔"

فرخ: "آخر میں وہاں جا کے کیا بناؤں گا؟"

علی اصغر: "معقول! وطن جا کے انسان کیا بنا۔"

مہدی: "قطع کلام ہوتا ہے۔ وہاں آپ اپنی والدہ کی جان بچا لیں گے۔ یہ کوئی کام ہی نہیں ہے؟"

علی اصغر: "نہیں صاحب، آپ ضرور جائیں گے۔"

غرض فرخ جبراً قہراً راضی ہو گیا۔ اور تجویز ٹھہری کل صبح ہی کو روانہ ہو جانا مناسب ہے۔

پچیسواں باب

فرخ کی ماں اپنی محل سرا کے صحن میں بیٹھی ہے۔ آس پاس اور عورتیں ہیں۔ مہدی کی ماں بھی پاس ہے۔ مہدی اور اسکی ہمدردیوں کے باعث اب خاندان کو نہ اُس سے وہ کد باقی تھی۔ اور نہ اُس کی ماں سے عورتوں کو ایسی وحشت ہوتی تھی۔ آپس میں فرخ کی باتیں ہو رہی ہیں۔

فرخ کی ماں "مہدی کو گئے کتنے دن ہوئے؟ جمعے کو گئے ہیں نہ؟ جمعہ جمعہ آٹھ، ہفتہ نو، اتوار دس، پیر گیارہ، منگل بارہ، بدھ تیرہ، آج تیرہ دن ہوئے۔ خدا کرے میرا فرخ آتا ہو! راستے میں ہو گا۔"

مہدی بیگم "آج ہی کل میں آیا چاہتے ہیں۔"

مہدی کی ماں "لے آیا ہوا سمجھو!"

فرخ کی ماں "مہدی کتنے دن کے بعد آنے کو کہہ گئے تھے؟"

مہدی کی ماں "تیرھویں چودھویں دن آنے کو کہہ گئے تھے۔"

مہدی بیگم :۔ بس تو ہو گئے۔ آج نہیں تو کل آجائیں گے۔"

امراؤ بیگم :۔ خدا اصل خیر سے لائے۔ ہے ہے! کیا کیا مصیبتیں اُٹھائی ہونگی!"

فرخ کی ماں :۔ خدا کرے فرخ مل گیا ہو۔"

مہدی بیگم :۔ لے اب کچھ ملنے میں بھی شک ہے!"

فرخ کی ماں :۔ ایک دفعہ پہلے بھی تو مہدی گئے تھے۔ مگر آخر یوں ہی پھرے۔"

مہدی بیگم :۔ اب ایسی بات زبان سے نہ نکالنی چاہئے۔ میرا تو دل کہتا ہے۔ کہ مہدی کو فرخ مل بھی گئے ہونگے۔ اور آج ہی کل میں آیا بھی چاہتے ہیں۔"

حسینی خانم :۔ (دور سے کسی کام کو چھوڑ کر) "آمین آمین۔"

فرخ کی ماں :۔ میرا دل تو کچھ ایسا خراب ہو گیا ہے کہ جب خیال آتا ہے کسی ایسی ہی بات کا خیال آتا ہے۔"

امراؤ بیگم :۔ ہاں، ہونا ہی چاہئے۔ مگر اب تو خوشی کا وقت ہے۔ فرخ آکر تمہارا سارا غم و الم دور کر دینگے۔"

فرخ کی ماں :۔ اے کیا بجا ہو گا؟"

مہدی بیگم :۔ میں جانتی ہوں دوپہر ڈھل گئی ہو گی!"

فرخ کی ماں :۔ (چلا کر) "اے حسینی خانم! دیکھو تو گھڑی میں کیا بجا ہے؟"

اسوقت دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ وقت تھا جب کہ موسم سرما میں لوگوں کو اس سے زیادہ گرمی ہونے کی اُمید نہیں رہتی۔ پچھلی رات کی سردی کے باعث لوگوں کے شل اور بے کار ہاتھ پاؤں اس وقت کی حرارت میں کھل گئے تھے۔ آفتاب اپنی پوری بلندی پر چڑھ کر نیچے کو جھک چلا تھا موجودہ موسم میں عمدہ طور پر کام کرنے کا کچھ یہی ٹھیک وقت تھا۔ موسم خزاں کی ہوا کے تیز جھونکے باہر نکلنے والوں کو پریشان کئے دیتے تھے۔ تیز ہوائے صرصر کے اثر سے بڑے بڑے درختوں کے وہ سوکھے ہوئے پتے جن کے کھڑکھڑانے کی آواز دن بھر سُنی جاتی تھی۔ اُڑ اُڑ کر دور کے مکانوں میں گرتے تھے۔ آدمیوں کے جسم میں اس ہوا نے نہایت یبوست پیدا کر دی تھی۔ جوانوں کی جلد پر کھجلانے سے جو سفیدی ظاہر ہوتی اُسکو دیکھ کر جوان بدنوں کی پژمردگی بوڑھوں سے کم معلوم ہوتی تھی۔ بعض نازک بدنوں تک کے نازک نازک سُرخ اور آب حیات سے لبریز ہونٹھ ظالم موسم کے ہاتھوں رطوبت کو ایسے ترس گئے کہ جا بجا سے چٹخے جاتے تھے۔ اور مسکراتے مسکراتے ان زخموں کے صدمے سے یک بیک منہ سمیٹ کر اُن کا ایک نازو ادا سے سسکی بھرنا مزے دے جاتا تھا۔ مگر جو کچھ ہو اس موسم کا یہ نہایت عمدہ اثر تھا کہ حسن و جمال کی آراستگی کے لئے نئے نئے اور رنگ رنگ کے لباس گلرخوں کے زیب بدن تھے۔ اور مہوشوں کی پیاری پیاری ادائیں طرح طرح کی وضع اور عجب عجب انداز کی تراش خراش کو بڑی دلربائیوں

کے ساتھ ظاہر کرتی تھیں۔ فرخ کی ماں نے وقت پہچاننے کے لئے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتے وقت موسم کے آثار پر ایک سرسری نظر ڈالی اور ذرا ابروؤں کو کج کرتے ہوئے کہا "لے ہے کس غضب کی ہوا چل رہی ہے۔ طبیعت پریشان ہوئی جاتی ہے"

اتنے میں حسینی خانم نے پکار کر کہا "حضور ایک بج کے تیس منٹ ہوئے ہیں"

فرخ کی ماں "(چلا کر) اے حسینی خانم۔ ذرا باہر پوچھ تو آؤ۔ کہ آج کل ریل کتے بجے آتی ہے؟"

امراؤ بیگم "کوئی دو مہینے ہوئے ہمارے بھائی جان دو بجے دن کو آئے تھے"

مہدی بیگم "(ہنس کر) میں کہتی ہوں انہیں کب عقل آئیگی۔ تمہارے بھائی الہ آباد سے آئے تھے۔ فرخ اللہ رکھے کشمیر سے آئیں گے۔ کہاں پورب کہاں پچھم"

امراؤ بیگم۔ (منہ پھلا کر) "اب بیوقوف بنانے کو چاہے بنا لو۔ مگر ایک ہی ریل پر دونوں طرف کے آدمی آتے ہیں۔ ہمارے خالو ابا ان دنوں لاہور سے آئے تھے وہ بھی اسی وقت آئے"

مہدی کی ماں "ہاں امراؤ بیگم سچ کہتی ہیں۔ غازی آباد تک دونوں ریلیں آتی ہیں۔ اور وہاں سے دونوں طرف کے آدمی ایک ہی ریل پر دلی آتے ہیں"

حسینی خانم۔ (دروازے کے پاس سے چلا کر) "اے بیوی میں نے محمد بخش سے پوچھا۔ کہتے ہیں ایک بجے ریل یہاں داخل ہو جاتی ہے"

مہدی بیگم "اللہ کرے فرخ اسٹیشن پہ ہوں"

فرخ کی ماں "اے ہے! یاد ہی نہ رہا۔ مہدی آج آنے کو کہہ گئے تھے تو کسی کو اسٹیشن پر جانا چاہئے تھا۔ اب بھیج دوں؟"

مہدی کی ماں "گاڑی گئی ہوگی۔ مہدی خود سائیس سے کہہ گیا ہوگا"

اتنے میں باہر سے محمد بخش نے پکار کر کہا "اے حسینی خانم! بیگم صاحب کو اطلاع کر دو کہ صاحبزادے آ گئے۔ اور میری طرف سے حضور میں عرض کر دو کہ اس خوشخبری کے بدلے انعام لوں گا"

یہ آواز ہر ایک کے کان میں پہنچی۔ اور ناگہانی جوش مسرت نے سب کو دم بخود کر دیا۔ فرخ کی ماں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑے۔ اور ایک جوش و خروش کے ساتھ بولی "اے میرے پروردگار! تیرا ہزار ہزار شکر۔ اے حسینی خانم دوڑ کے دیکھ تو میرا فرخ کیسا ہے ابھی تک اندر نہیں آیا۔ ہائے بیٹھ کہاں رہا؟"

مہدی بیگم "میں تو کہتی ہی تھی، اللہ نے بڑی آرزو پوری کی"

حسینی خانم۔ (باہر کو جاتے ہوئے) خدا نے بڑا رحم کیا۔ جیسے سب کی جان میں جان آ گئی۔ سوکھے دھانوں میں پانی پڑا۔ خدا صاحبزادے کی بلیا سو برس کی عمر کرے۔ گھر بھر کی رونق ایک انہیں کے دم سے ہے۔ (دروازے کے پاس پہنچ کر) "خدا جیتا رکھے" (چلا کر) اے بیوی

صاجزادے آ گئے"۔ اتنا سُننا تھا کہ سب کی نظر دروازے کی طرف اُٹھ گئی۔

فرخ نظر نیچی کئے آہستہ آہستہ آتا ہوا نظر پڑا۔ اچکن پہنے تھا۔ اور سر پر ایک میرٹھ کے کام کی ٹوپی تھی۔ ماں بے تحاشا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ فرخ جھُک کر آداب بجالایا اور دوڑ کے لپٹ گیا۔ تھوڑی دیر محل میں کچھ عجیب سناٹا رہا۔ جس سے خوشی غم بے اختیاری جوش یہ سب مختلف باتیں نمایاں تھیں۔ ماں بیٹے آنسو بہا بہا کے خوب ملے۔

ماں "بیٹا! تمہیں اپنی بے کس ماں پر بھی ترس نہ آیا؟"

فرخ "اماں جان! اصل تو یوں ہے کہ میں بڑا نالائق ہوں"

ماں "نہیں بیٹا! نہیں۔ میری قسمت ہی ایسی تھی"

فرخ کے پہنچتے ہی محل میں پھر وہی اگلی سی چہل پہل ظاہر ہونے لگی۔ مدتوں کے حسرت نصیب چہروں سے یک بیک مقصدوری اور مسرت کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اداس صورتیں دیکھتے ہی شگفتہ معلوم ہونے لگیں۔

دنیا میں دیکھا جائے تو اُمید عجیب چیز ہے۔ اُمید ہمیں بعض اوقات اپنی دلبستگیوں پر ایسا فریفتہ بنا لیتی ہے کہ ہم ایک موہوم کامیابی پر مسرت کا پورا جوش ظاہر کر دیتے ہیں۔ ایک پیچیدہ معاملہ جس میں بظاہر ابھی سینکڑوں دقتیں باقی ہیں۔ اور ہنوز کامیابی کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اُمید کی عینک ایسا دکھاتی ہے جیسے اس

معاملے کے حسب دلخواہ تکمیل کو پہنچ جانے میں کچھ کسر ہی نہیں ہے۔ فرخ کے دہلی آجانے سے مردہ امیدیں ایسی اٹھیں کہ کسی کو اس کی شادی میں ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ یہ سب جانتے تھے کہ فرخ کسی کا فرہاد کو دل دے چکا ہے۔ کسی کی نگاہ ناز کا نشانہ اور کسی کی تیغ ابرو کا شہید ہے۔ اپنی معشوقۂ دل ربا کے سوا کسی اور عورت کی صورت بھی نہیں دیکھتا مگر اس کی شادی کی دھوم دھام کا سماں محل بھر میں ہر ایک کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اس کی ماں کے دل میں گذشتہ رنج و الم کے دفع ہوتے ہی جو آرزوئیں پیدا ہوئیں وہ یہی تھیں کہ فرخ کی شادی میں یہ کچھ سامان کروں گی۔ اور اس دھوم دھام سے برات لے جاؤنگی فلاں فلاں مہمان کو بلاؤں گی۔ اور اس کی پیاری دلہن سے اس طرح پیش آؤں گی۔ فرخ کے آنے کی ایسی خوشی تھی کہ تمام عزیز و اقربا اس کے دیکھنے کو آئے۔ دونوں چچا آکر بڑی دلسوزی سے ملے۔ اسکی پھوپھی آئیں۔ اور بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے آئندہ داماد کو چھاتی سے لگایا۔

قاعدے کی بات ہے کہ ایک ناگہانی مسرت اور مایوسی کے بعد یکایک امیدوں کے مضبوط ہو جانے سے کم درجے کی باعث تشویش باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا۔ فرخ ایک زمانے تک کی آوارہ گردی اور صحرانوردی اور شب دروزہ کی فکروں کے باعث انتہا سے زیادہ دبلا اور ناتواں ہو گیا تھا۔ مگر اس کا آجانا ہی ایک خوشی کا امر سمجھا گیا کہ کسی نے اسکے ناتواں ہو جانے کا خیال بھی نہیں کیا۔ جس کسی نے اتنا

پوچھا بھی کہ "آپ بہت دبلے ہو گئے ہیں"؟ تو معمولی رسم و رواج کے طور پر۔ سب مہمان دو روز تک فرخ کے ہاں رہے۔ فرخ کی پھوپھی بھی موجود تھیں۔ اور فرخ کے آجانے کی خوشی کا نیا جوش تھا۔ غرض اسکی کوئی وجہ نہ تھی کہ شادی کے متعلق گفتگو نہ ہو اور کوئی تاریخ قرار نہ پاجائے۔

فرخ کے ایسے پریشان خیال نوجوان کی شادی قرار پاجانا بظاہر اسباب نہایت دشوار امر تھا۔ اس پر ہرگز اس بات کا اعتبار نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنی بیوی سے کس طرح پیش آئے گا۔ اور اسکو اپنی دلہن کی جانب کس قدر توجہ ہوگی۔ وہ خود اسوقت تک شادی سے اس قدر متنفر تھا کہ کیا مجال کہ کوئی اسکے سامنے شادی کا لفظ بھی زبان سے نکالے۔ وہ تو کسی اور ہی کی زلف پیچاں کا اسیر تھا۔ گو اسکی یہ لاابالی حکمتِ عملی کے ساتھ سمدھیانے والوں سے پوشیدہ رکھی گئی تھی مگر آخر کہاں تک؟ یہ سب کچھ تھا لیکن فرخ کے چلے جانے نے کچھ ایسا اثر ڈال دیا تھا اسکی ساس کو ہر طرح یہی منظور تھا کہ جس قدر ہو سکے جلد اپنی بیٹی کا نکاح پڑھوا دے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو وہ فرخ کی لیاقت اور سنجیدگی کی معترف تھی۔ اور دوسرے اسکی نگاہ میں خاندان بھر لائق لڑکوں سے خالی تھا۔ یہی باعث تھا کہ فرخ کی ماں کو اپنے بیٹے کی شادی کے لئے کوئی تاریخ مقرر کرا لینے میں کامیابی ہوئی۔

دہلی میں پہنچنے کے دوسرے روز فرخ کوٹھی میں تھا۔ ظاہر میں تو اپنے اکثر احباب سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر باطن میں اسکی کوئی تدبیر سوچتا

تھا کہ اُن سے نجات پاکر تنہائی کا لطف اُٹھائے۔ رفتہ رفتہ سب لوگ اُٹھ گئے۔ اب بیچ میں تو فرخ بیٹھا نظر آتا تھا۔ اور اسکے داہنی طرف تین کرسیاں چھوڑ کر مہدی بیٹھا تھا اور بائیں طرف پاس ہی مشتاق تھا۔

مہدی ”کہئے دل تو نہیں گھبراتا ہے؟ چونکہ میں سب باتوں کا وعدہ کرکے آپ کو یہاں لایا ہوں اسلئے مجھے اس کی نہایت ہی فکر رہتی ہے کہ آپ کے خلاف مرضی کوئی بات نہ ہو۔

فرخ ”کل سے اور کسی وقت تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ مگر ہاں اسوقت البتہ ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا ناگوار گزرنے لگا تھا“

مہدی ”یہ تو صحیح ہے کہ آپ کے ایسے مذاق کے انسان کو زیادہ ہجوم سے اُلجھن ہونے لگتی ہے۔ مگر میری رائے میں کسی ہمدرد کی صحبت سے زیادہ دلچسپی کی چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے“

فرخ ”مگر یہ ہمدرد ہو نہ“

مہدی ”ہاں یہ مشکل ہے عقلا نے اسی وجہ سے شادی کو انسان کا بڑا ضروری فرض قرار دیا ہے۔ ایک باعفت بیوی سے بڑھکر کوئی ہمدرد نہیں نصیب ہوسکتا“

فرخ ”(حیرت سے دیکھکر) یہ آپ کی غلطی ہے۔ ہر انسان کو بیوی کی صحبت سے دلچسپی نہیں ہوسکتی“

مہدی اُٹھکر فرخ کے پاس والی کرسی پر جا بیٹھا۔ اور غور سے اسکی طرف دیکھکر کہنے لگا ”میری دانست میں تو پاک دامن اور شریف

عورت ایسی چیز ہے کہ وہ ہر انسان کا دل بہلا سکتی ہے۔"

فرخ:۔ شاید! مگر جو کسی کے دام محبت میں مبتلا ہو اسکو غیر عورت کی صحبت میں اور بر ہمی ہو گی

مہدی:۔ شریف عورتوں کا دستور ہے کہ ایسے افکار میں بھی اپنے شوہر کی مدد کرتی ہیں اور اسکی دلبستگی میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھتیں۔"

مشتاق:۔ کیا بات فرمائی ہے آپنے! واقعی پاک دامن بیوی سے بڑھکر کوئی ہمدرد نہیں ہوتا۔"

مہدی:۔ اسی وجہ سے میں نے رائے دی تھی کہ شادی کر لیجئے۔"

فرخ:۔ نہیں! یہ تو مجھ سے نہ ہو گا۔"

مہدی:۔ نہیں آپ اس شادی سے انکار نہ کیجئے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے خلاف طبع کوئی بات نہ ہو گی۔"

فرخ:۔ مہدی! بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے! اپنی پیاری معشوقہ کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ شادی کر لوں۔ اپنے ساتھ ایک اور بھولی با عفت لڑکی کی زندگی کو بھی خراب کروں؟"

مہدی:۔ اسکی زندگی خراب نہ ہو گی۔ بلکہ آپ کی زندگی بھی اچھی ہو جائیگی۔ آپ اپنے مبارک اور برگزیدہ دین کی پابندی میں ہمیشہ عمدگی اور خوبی ہی پائیں گے۔"

فرخ چُپ ہو گیا۔

چھبیسواں باب

ابتدائے شب کا وقت ہے۔ ستارے ایک ایک کر کے سب نکل آئے ہیں۔ طیور کا قریب شام والا ہنگامہ بالکل موقوف ہو چکا ہے۔ یہ وقت کچھ عجب سکون و آرام کا ہوتا ہے۔ محنت مزدوری کرنے والے اسی وقت آرام سے بیٹھتے ہیں۔ خوش نصیب عشاق اسی وقت کوئے یار میں پہنچتے ہیں۔ جو مسافر ابھی راہ ہی میں ہوتے ہیں وہ بھی اسوقت زیادہ قدم بڑھا بڑھا کر چلنے لگتے ہیں۔ کہ یہ ٹھہر کر لطف اُٹھانے کا وقت ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ آوارہ گرد بھی اسوقت سُستانے کیلئے کہیں دم بھر کو بیٹھ جاتے ہیں۔

فرخ کی پھوپھی ایک بڑی گھبراہٹ کے ساتھ نہایت پُر تکلف روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھتی پھرتی ہے۔ وہ ہر چیز کا انتظام کر رہی ہے، ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتی ہے۔ چہرے سے مسرت کے آثار نمایاں ہیں۔ ہر ہر شخص کو مختلف قسم کے حکم دے رہی ہے "یہاں فرش کیوں نہیں

بچھا؟ یہ چاندنی میلی ہے۔ اور چاندنی لاؤ۔ اے تو گھبراؤ نہیں پہلے دری کی شکنیں مٹاؤ عباسی، جاؤ وہ قالین اور گاؤ تکیہ تو لاؤ۔
دیکھو وہ لمپ گل ہوا جاتا ہے۔"

وہ تو کسی کو خیال ہی نہیں رہتا۔ نصیبن تم باہر جا کے پوچھ آؤ۔ کھانا سب تیار ہو گیا؟ ابھی تک کسی بات کا انتظام پورا نہیں ہوا۔ لے ہے ابو نے تو اور پریشان کر رکھا ہے۔ گلاس ایک سرے سے گل ہوئے جاتے ہیں خدا ہی ہے جو نمگیرہ ٹھہر جائے۔ ہاں ہاں، خوب یاد آیا عباسی جاؤ تو، اُگالدان لا کے لگا دو۔ گلوریاں بن گئیں؟ ایک گلوری مجھے تو دینا۔"

نصیبن "اے حضور کھانا سب تیار ہے۔ اور وہ آئی ہیں وقار بیگم ابھی ابھی دروازے پر فنس سے اُتری ہیں۔"

اتنے میں وقار بیگم آ کے ملیں، اور کہنے لگیں "مبارک!"

فرخ کی پھوپھی "ہاں تمہیں بھی مبارک۔ خدا نے بڑی آرزوؤں سے یہ دن نصیب کیا ہے۔"

وقار بیگم "اے بہن! یہ کہو خدا نے سُن لی۔ اس دن کی کسے اُمید تھی۔ مگر بہن تم نے بڑی جلدی کی۔"

فرخ کی پھوپھی "کیا کہوں بہن؟ خدا جانے دل میں کیا کیا ارمان تھے کیونکہ یہی ایک کام تھا اپنے دل کے حوصلے اور کس دن کے لئے اُٹھا رکھتی؟ مگر کچھ بن نہ پڑا۔ فرخ کے مزاج سے تو واقف ہی ہو۔ ایک دفعہ کتنی بڑی گفت اُٹھا چکی ہوں۔ اس خوشی کی کچھ بھی اُمید تھی؟ اپنی شہزادی کے لئے بہن میں

کسی کام میں کمی نہ کرتی، یہ کام بھلا اتنی جلدی کا تھا؟"

وقار بیگم :- "خدا جانے تم نے کیا سمجھ کے اتنی جلدی کر دی۔ اے ان کاموں کا سامان برسوں میں تو ہوتا نہیں ہے۔"

فرخ کی پھوپھی :- "بہن ایک تو فرخ کی طبیعت کا رنگ دیکھ کر مجھے یہی بن پڑی۔ دوسرے اب زمانہ ایسا آن لگا ہے کہ اگلے سامانوں کو لوگ نام رکھتے ہیں۔ خود فرخ نے ضد کی کہ کوئی سامان نہ کیا جائے۔ اسکو میں کیا کرتی۔ یہ نگوڑی انگریزی پڑھ پڑھ کر لوگ اور مولوی بنے جاتے ہیں۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو، باجہ نہ ہو، ناچ نہ ہو، فضول خرچی نہ کرو"

وقار بیگم :- "اکبر انگریزی پڑھنے جاتا ہے۔ گھر بھر کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ روز نت نئی قیدیں بڑھا جاتا ہے۔ مگر بہن ہے بھی یونہی۔ ہمارے ہاں شادی بیاہ میں لاکھوں روپیہ ایک گھڑی بھر میں پھونک دیا جاتا ہے اسی شادی بیاہ کے پیچھے ہزاروں امیر تباہ ہو گئے۔ وہ تو ہم لوگوں میں موئی رسم ہی ایسی پڑ گئی ہے۔ ہمارے پڑوس میں ایک رئیس رہتے ہیں۔ نواب محمد اشرف خان بہادر۔ بڑے مالدار تھے۔ اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا کوئی ایک سال ہونے کو آیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی شادی کی بڑی دھوم دھام سے برات لے گئے تھے۔ ساری دولت اسی میں اڑا دی اور انتہا سے زیادہ قرضدار ہو گئے۔ مہاجن نے کچھ دنوں تو صبر کیا۔ آخر کب تک؟ نالش کر کے ڈگری کرالی"

رہا سہا مکان اور علاقہ جو کچھ تھا غرق ہو گیا۔ کوڑی کوڑی کو محتاج ہیں۔

بہن اب ایک تو خاندانی رئیس یوں ہی تباہ ہو رہے ہیں۔ دوسرے یہ شادی بیاہ کی رسمیں اور فضول خرچیاں اور برباد کئے ڈالتی ہیں۔ اب تو میں بھی یہی کہوں گی کہ خوب سوچ سمجھ کر روپیہ اُٹھانا چاہئے۔ اور چار دن میں پیسے پیسے کو ترسنے لگے۔ تو کس کام کی بات رہی؟ تم نے خوب کیا کہ فرخ کے کہنے پر عمل کیا۔ اب جو روپیہ بچ رہے گا وہ تمہارے تو کام آئیگا نہیں یہ سب شہزادی کے نیگ لگے گا پھر اس میں افسوس کا ہے کا؟"

فرخ کی پھوپھی:۔ "خیر اب تو تمہاری مرضی کے موافق ہوا۔ فرخ کی خوشی ہی اس میں تھی کہ کوئی رسم نہ ادا کی جائے فقط شرعی طور پر نکاح ہو۔"

وقار بیگم:۔ "حقیقت میں وہ بڑا عقلمند لڑکا ہے۔ اللہ کرے شہزادی سے اُس سے اچھی طرح نبھے۔"

فرخ کی پھوپھی:۔ "ہاں بہن بس اب آرزو ہے تو اسی بات کی۔"

یہ باتیں کھڑے کھڑے ہوتی تھیں۔ آخر فرخ کی پھوپھی نے وقار بیگم کا ہاتھ پکڑا اور جا کر فرش کے پاس بیٹھ گئیں۔ جو مہمان دن کو نہیں آئے تھے وہ آتے جاتے تھے۔ بڑی بڑی عالی خاندان بیگمیں آ کر قرینے سے بیٹھتی گئیں۔

اتنے میں معلوم ہوا کہ دولہا آ گئے۔ مردانے میں نہایت نفیس صحبت تھی۔ معزز رؤسا و عمائد جمع تھے۔ ایک مہذب صحبت تھی جس کو فرخ کی ضد نے ناچ رنگ سے بچا رکھا تھا۔ فرخ اپنے ساتھ والوں کے ایک مختصر اور مہذب گروہ کے ساتھ آیا۔ اور شرمائی صورت بنائے مسند پر بیٹھ گیا۔

فرخ کا چہرہ اسوقت ایسا تھا کہ زیادہ غور کیجئے تو اسکے آثار معلوم ہوتے تھے۔ ظاہری حیثیت سے وہ اپنے تئیں مسرور ثابت کر رہا تھا۔ مگر کوئی ناگہانی اثر گھڑی گھڑی چہرے کی بشاشت کو رفع کر کے متفکر بنا دیتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ چلتے وقت مہدی نے بہت کچھ سمجھایا بجھایا تھا۔ وہ اس شادی سے راضی ہی نہ تھا۔ ابتدا میں تو بالکل منکر رہا۔ رفتہ رفتہ مہدی کی گفتگوؤں کا اتنا اثر پڑا کہ تھوڑی دیر کے لئے راضی ہو جاتا تھا۔ مگر گھڑی دو گھڑی کے بعد معشوقۂ ہوش ربا کا خیال آجاتا بالکل انکار کر دیتا۔ آخر یہ نتیجہ ہوا۔ کہ وہ شادی پر راضی ہو گیا۔ مہدی نے اسکو سمجھا دیا تھا کہ سسرال پہنچ کر اپنے تئیں فکرمند نہ ثابت کرنا۔ اسی سبب سے فرخ کوشش کرتا تھا کہ کسی پر اسکی فکر نہ ظاہر ہو۔ لیکن جب وحشت درونی زور کرتی تھی بے اختیار ہو جاتا تھا اور خواہ مخواہ صورت متفکر ہو جاتی تھی۔

فرخ دولھا بنا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اسکی ظاہری وضع بڑی اعلیٰ کامیابی کی خبر دے رہی تھی۔ مگر دل عجیب عجیب طرح کی حسرتوں سے بھرا ہوا تھا وہ دل میں کہہ رہا تھا: ہائے! یہ وہ دن ہے جس کی آرزو میں عموماً لوگوں کی ابتدائی زندگی گزرا کرتی ہے۔ لیکن میرے حق میں یہ دن بڑی حسرتوں کا سامان ہے۔ ہائے! جسے دنیا خوش قسمتی کہتی ہے۔ وہ میرے لئے بدنصیبی ہے۔ اس شادی کا کیا نتیجہ ہوگا؟ بہت برا۔ آئندہ اپنی زندگی کی خرابی کے افسوس کے ساتھ مجھے ایک کمسن معصومہ کی زندگی خراب ہونے کا بھی افسوس ہوگا۔ اب تک میں اپنے اوپر ظالم تھا۔ مگر اب ایک بھولی لڑکی

پر بھی ظلم کروں گا۔ اس دن کے بعد سے میں خدا کے ہاں بڑا ظالم اور گنہگار خیال کیا جاؤں گا۔"

اس خیال کا فرخ کے دل پر اسقدر اثر پڑا کہ قریب تھا کہ وہ محفل سے اُٹھ کر چلا جائے۔ اور واقعی ایک دیندار شخص کو خدا کے آگے ظالم ثابت ہونے سے زیادہ کسی بات کا خوف نہیں ہو سکتا۔ مگر فرخ نے اپنے تئیں سنبھالا۔ اور بیٹھکر پھر دل سے باتیں کرنے لگا" یہ کتنی بڑی بے حمیتی کی بات ہے کہ دل جو میرے سینے میں ہے جس کسی کا ہے اُس کے علاوہ کسی اور کو دیدوں؟ ایں بھلا مجھ سے یہ ہو گا؟ کیونکر یہ دل دیا جائیگا! کیا یہ لڑکی جو میرے ساتھ منسوب ہے یہ دل لے لیگی؟ اس میں اتنی طاقت ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اُس پری وش کے سوا جسکی یاد ہر وقت میرے دل میں رہا کرتی ہے اور کسی میں اتنی طاقت نہیں۔ اور میرے اختیار میں کب ہے۔ میں تو دے ہی نہیں سکتا۔ پھر مجھے کیا غم ہے؟ میری پاک دامن معشوقہ کے سوا اور کوئی اس بے چین دل کو نہیں لے سکتا!"

فرخ انہیں خیالات میں تھا کہ مہدی اُسکے پاس آکے بیٹھ گیا۔ اور چپکے چپکے باتیں کر کے اس کا دل بہلانے لگا۔ مہدی جانتا تھا کہ اسوقت اگر فرخ کے خیالات کسی اور طرف نہ متوجہ کئے جائیں گے تو بڑی مشکل پڑ جائیگی اور وہ اپنے اختیار سے باہر ہو جائیگا۔ اور واقعی مہدی کی حکمت نے بڑا اثر کیا ورنہ فرخ سے ہرگز اُمید نہ تھی کہ اس سہولت سے بیٹھا رہیگا۔

یہ محفل ایک نہایت ہی سادی اور بے تکلف صحبت تھی۔ اگرچہ اس میں

وہی لوگ جمع تھے جو ہماری ویسی صحبتوں میں اصراف اور فضول تکلفوں کو بڑھاتے جاتے ہیں۔ مگر فرخ کی مبارک ضد اور دھن کی کوشش اور فرخ کی پھوپھی کی صلاحیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ نہ یہاں گانا تھا نہ ناچ تھا اور نہ انتہا سے بڑھے ہوئے تکلفات تھے۔ یہ صحبت اُن صحبتوں کا نمونہ تھی جو ترقی کرنے والی قوم کے ابتدائے عروج کے وقت اُس قوم میں ہوا کرتی ہیں۔

یہ شادی اُن لوگوں کے نزدیک نہایت ہی حیرت انگیز ہوگی۔ جو ہندوستان کے سوا اور ملکوں کے رہنے والے ہیں۔ وہ نہایت متعجب ہونگے کہ جب فرخ دل سے نہیں راضی ہے تو اسکے اعزا کیوں مجبور کرکے شادی کرائے دیتے ہیں۔ نکاح ایک ایسی چیز ہے جس پر قریب انسان کی ایک چوتھائی زندگی کا مدار ہوا کرتا ہے۔ انسان کی زندگی جس میں انسان خود مختار رہا کرتا ہے۔ پوری نکاح ہی میں گذرتی ہے۔ مگر یہ شادی بالکل فرخ کے خلاف مرضی ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے لوگوں کو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوگی۔ کیونکہ تقریباً پورا ملک ایسی ہی شادیوں کا عادی ہو رہا ہے۔ ہمارے لڑکوں سے ان کے نکاح کے بارے میں بہت کم رائے لی جاتی ہے۔ ہمارے ملک کی لڑکیاں عموماً اُن نوجوانوں کے حوالے کردی جاتی ہیں۔ جو ان کی صورت، سیرت، مزاج، چال چلن، کسی بات سے واقف نہیں ہوتے۔ یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے ہزاروں گھرانے تباہ ہوگئے۔ ہزاروں سُہاگنیں ایسی بیٹھی ہیں جن کی حالت رانڈوں سے بدتر ہے۔ ہزاروں نوجوانوں نے بیویوں کو اپنی مرضی کے موافق نہ پاکر عیاشی

اختیار کرلی۔ اس کا اثر ایسا خراب پڑا کہ عورتیں الگ بکثرت بے عصمت ہو گئیں۔ اور مرد الگ آوارہ ہو گئے۔ ہماری نسل کو اس سے وہ عظیم الشان نقصان پہنچا کہ غالباً ساری دنیا اس سے محفوظ ہو گی۔ اول تو میاں بیوی کے اختلاف سے لڑکے ہی ملک میں کم پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو پیدا ہوتے ہیں اُن کو عیاشی کی بے انتہا صحبتیں مل جایا کرتی ہیں ہندوستان کی یہ حالت ایسی ہے کہ چاہے کتنا بڑا سخت دل آدمی ہو اُسکو ترس آجائیگا تھوڑے ہی خاندان ہونگے جو رسم درواج کے طور پر اپنی عصمت کو بچائے ہوئے ہوں۔ یہ بات صحیح ہے کہ ملک کی عصمت بھی جہاں ہے وہ اور ملکوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ مگر وہ فقط رسم ورواج کے طور پر ہے۔ اور یہی باعث ہے کہ وہ بڑی مضبوطی اور استقلال سے نباہی جاتی ہے۔ قاعدے کی بات ہے کہ ملکی رسمیں نہایت ہی پابندی کے ساتھ قائم رکھی جاتی ہیں۔

فرخ کی شادی کا چاہے جو نتیجہ ہو۔ مگر عموماً ملک کو اس قسم کی شادیوں سے بہت بڑا صدمہ پہنچ رہا ہے۔ انصافاً پوچھا جائے تو ایسے نکاح ہی تمام ملکی خرابیوں کے اصلی اصول ہیں۔

ستائیسواں باب

"جلدی سامان کرو۔ برات آئی ہی سمجھنا چاہیئے۔" یہ ایک جملہ تھا جو بار بار فرخ کی ماں کی محل سرا میں سنا جاتا تھا۔ ہر طرف عیش و عشرت کا سامان تھا ہر چہرہ فرحت و انبساط کے جوش سے شگفتہ تھا۔ منتظم عورتیں بڑی آن بان سے اِدھر اُدھر انتظام کرتی پھرتی تھیں۔ بات بات پر ماما اصیلیں کسی کام کو دوڑائی جاتی تھیں۔ دوڑنے دھوپنے والیاں ہانپ رہی تھیں۔ مگر جوش مسرّت نے چہروں کی تازگی کو اسی طرح باقی رکھا تھا۔ پُرتکلف فرش بچھایا گیا تھا۔ سگیرہ بڑی خوشنمائی سے کھینچا ہوا تھا۔ شہر کی معزز اور عالیخاندان عورتیں بڑے ٹھاٹھ سے مہمان بنی بیٹھی تھیں۔ وہ حالت تھی جو دنیا میں بالکل غم سے خالی سمجھی جاتی ہے۔

مہدی بیگم:۔ "اب برات آیا ہی چاہتی ہوگی۔"

امراؤ بیگم:۔ "خدا جانے، فرخ کے دل میں یہ کیا آگئی کہ باجہ واجہ سب یکقلم موقوف کردیا۔ مجھے تو بے باجے کی برات بالکل نہیں اچھی معلوم ہوتی۔"

حسینی بیگم:۔ اے ہاں! اے ہاں۔ یہ بھی کوئی برات میں برات ہے۔ کہ نہ باجہ ہے، نہ کچھ سامان ہے۔ فقط دولھا میاں ٹرّوں ٹوں بنّو بیوی کو بیاہ کے لئے چلے آتے ہیں؟

مہدی بیگم:۔ بہن یہ نہ کہو۔ اب آج کل یہ باتیں ہمارے ہاں رواج پا گئی ہیں۔ اگلے دنوں مسلمانوں کی یہ شان تھی کہ دنیا کی سب فضول باتوں کو سلام کر کے اپنی سیدھی سادی طرح زندگی بسر کریں۔ میں بھی پہلے یہی سمجھتی تھی۔ انہوں نے زبردستی کر کے مجھے اُردو پڑھنا سکھا دیا۔ اور اُردو کی بہت سی کتابیں بھی لا دیں۔ میرا دل لگ گیا۔ اور تاریخ کی کتابیں دیکھنے لگی۔ جب سے وہ کتابیں دیکھی ہیں مجھے تو ان باتوں سے نفرت ہوگئی ایک خدا رسول کے خلاف۔ دوسرے اپنے آبا و اجداد کی عادت کے خلاف تیسرے خرچ بہت پڑتا ہے۔ گھرانے کے گھرانے صاف ہو گئے۔ اے ان لگوڑی دھوم دھام کی شادیوں نے تو لے کے مسلمانوں کو دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ سے کھو دیا۔"

حسینی خانم:۔ واہ! آخر روپیہ پیسہ ہے کس دن کے لئے؟ کوئی ساتھ لے جانا ہے؟ تم ایسی عورتیں پیدا ہو جائیں تو تمام رئیسوں کا نام ہی ڈوب جائے۔ شادی بیاہ میں روپیہ نہ اُٹھائیں تو کیا جوڑ جوڑ کے رکھیں؟

امراؤ بیگم:۔ ان کے میاں نے تو انھیں پڑھا لکھا کے مولوی بنا دیا۔ اب بھلا یہ کہاں درست ہے کہ عورتیں پڑھائی لکھائی جائیں۔"

مہدی کی ماں:۔ اے کیوں؟ کیا عورتوں کو پڑھانا لکھانا درست نہیں

ہے؟ واہ یہ ہمنے اُلٹی بات سُنی! پڑھانا لکھانا بھی کوئی ایسی چیز ہے جو کسی کو جائز نہ ہو"۔

امراؤ بیگم "عورتوں کو پڑھانا لکھانا درست ہوتا تو بڑے بڑے رئیسوں کی لڑکیاں پڑھائی نہ جاتیں۔ شہر میں اتنی رئیس زادیاں ہیں، اُن میں شاید ہی کوئی پڑھی لکھی ہو اور جو کچھ شدبُد ہوگئی ہے (مہدی بیگم کی طرف دیکھکر) بہن بُرا نہ ماننا ان کی طرح انکا سب نام رکھتے ہیں"۔

مہدی بیگم "میں بُرا کیوں ماننے لگی۔ مگر میرے نزدیک تو پڑھنا لکھنا کوئی عیب کی بات نہیں"۔

مہدی کی ماں "نہیں پڑھنا لکھنا کوئی عیب کی بات نہیں! انسان کی چار آنکھیں ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کی بداقبالی ہے کہ عورتیں بالکل جاہل بنی ہوئی ہیں!"۔

مہدی بیگم "اگلے زمانے میں سب عورتیں پڑھی لکھی ہوتی تھیں۔ اب انھیں کیا معلوم۔ عرب کی عورتیں، میں جانتی ہوں۔ سب پڑھی لکھی تھیں۔ عرب لوگوں کے جہاد کا حال میں نے دیکھا ہے۔ اُن کی عورتیں لڑائی اور فصاحت و بلاغت بلکہ سب کاموں میں مردوں سے بڑھ بڑھ کر کام کرتی تھیں۔ شعر ایسے ایسے کہتی تھیں کہ آدمی کو حیرت ہو جائے مگر آجکل یہ نگوڑی نئی رسم ہے کہ عورتوں کا پڑھانا لکھانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے"۔

امراؤ بیگم "مجھے تو کسی طرح یقین نہ آئے گا"۔

مہدی بیگم:۔ "اے بہن آخر سمجھو تو سہی۔ پڑھنے لکھنے سے عقل بڑھتی ہے۔ بڑی دُور دُور کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ تہذیب آتی ہے نیک وبد میں انسان کو تمیز ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کو کوئی بھی بُرا کہے گا؟ دیکھو ہمارے لڑکے بچپن میں کیسے خراب ہو جاتے ہیں؟ جب تک پڑھنے کو بیٹھیں، دو کوڑی کے ہو جاتے ہیں۔ جاہل عورتوں کی رات دن صحبت رہتی ہے۔ پھر ان سے سوا جہالت کی باتوں کے اور کیا سیکھیں گے؟"

حسینی خانم:۔ "اچھا پڑھنا عورتوں کو درست سہی۔ مگر یہ کون سی بات ہے کہ شادی بیاہ میں خرچ نہ کرو۔ بالکل خست اختیار کر لو۔ پڑھنے لکھنے کا یہی نتیجہ ہے تو اسے بھی سلام ہے۔"

امراؤ بیگم:۔ "ہاں بہن ہماری تمہاری بس ایک جائے ہے۔ آج کل خدا جانے نگوڑی کون کتابیں پڑھائی جاتی ہیں کہ روز بروز نئی دستور نکلتی ہیں۔ عورتوں کو تاکید ہے کہ پڑھا کرو۔ شادی بیاہ میں جہاں تک ہو سکے ہاتھ کو روکو۔ اور تو اور بیواؤں کو آرام سے بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ جسے سنتی ہوں یہی کہتا ہے کہ بیوہ عورتیں دوسری شادی کر لیا کریں۔ اب میں تمہیں سے پوچھتی ہوں کہ کوئی آبرودار عورت ایسا کرے گی۔ آخر اگلے زمانے میں بھی پڑھے لکھے ہوتے تھے کہ نگوڑی انگریزی ہی میں پڑھے لکھے نکل پڑے ہیں۔"

مہدی بیگم:۔ "بہن انصاف سے پوچھو تو سب باتیں سچ ہیں۔ ہندوستان میں اگلے زمانے کے عالم جانتے بوجھتے سب کچھ تھے مگر کسی سے

کہتے سُنتے نہ تھے۔ اور آج کل کے لوگ چاہتے ہیں کہ جو بُری باتیں رواج پا گئی ہیں اُن کو چھڑادیں۔ اور ضرورت ہی ایسی ہے۔ اُن دنوں میں مزے میں کماتے کھاتے تھے کچھ فکر نہ تھی۔ اب ہر طرف سے سر پر تباہی آن پڑی جو اس تباہی کے زمانے میں بھی اُن باتوں کو نہ چھوڑیں گے تو بالکل مٹ جائیں گے۔ ایک تو یوں ہی پیٹ کی مار پڑی ہوئی ہے۔ اُس پر شادی بیاہ میں گھر کی جمع بیچ بیچ کر اور قرض لے کر یہ فضول خرچیاں کی جائیں گی تو اور بھی قسمت پھوٹ جائیگی۔"

اتنے میں فرخ کی ماں اُدھر سے آنکلیں اور مہدی بیگم کی طرف دیکھکر پوچھا "اے یہ کیا باتیں کر رہی ہو؟"

مہدی بیگم "کچھ نہیں۔ یوں ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی ہوں۔ آئیے، تشریف لائیے، دم بھر سستا لیجئے۔ اے دوڑتے دوڑتے آپ تھک گئی ہونگی۔"

فرخ کی ماں "میرے بیٹھنے کا دن ہے؟"

مہدی بیگم "خدا مبارک کرے۔"

دروازے سے آدمی نے پکار کے کہا "حسینی خانم برات آتی ہے۔" یہ سُننا تھا کہ سب بیگمیں نہایت خوش ہو گئیں۔ اور جلدی انتظام ہونے لگا۔ منتظم عورتوں کا اِدھر اُدھر آنا جانا یک بیک معمول سے زیادہ بڑھ گیا۔ مامائیں یا تو ذرا سرعت سے چل چل کر کام کر رہی تھیں۔ یا دوڑنے لگیں۔ کچھ عالی خاندان عورتیں تو سنبھل سنبھل کر

اپنے قرینے سے بیٹھ گئیں۔ اور اکثر اُٹھ کھڑی ہوئیں کہ دُلہن کے اُتارنے میں شریک ہوں۔ اس وقت محل سرا کی سب عورتوں کی صورتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی بے انتہا خوشی کو دبا دبا کے ضبط کر رہی ہیں۔ مگر اس کے آثار خواہ مخواہ ظاہر ہی ہو جاتے ہیں۔ فرخ کی ماں اپنی مقصد وری پر دل ہی دل میں کھلی جاتی تھی۔ اس کی صورت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی کہ کس شوق سے اس نے برات کے آنے کی خبر سُنی۔ اور کس بے تابی سے اپنے تئیں فرخ کی دُلہن کے اُتارنے کے قابل بنایا۔

برات کیا تھی۔ فرخ اور چند مہذب آدمیوں اور دلہن کی فنس کا نام رکھ لیا تھا۔ نہ تکلف کے سامان تھے نہ تماشائیوں کا ہجوم تھا نہ باجے والے تھے۔ نہ جھنڈی بردار۔ یہ بھی ہماری سرتا پا آرزو اور تمناؤں سے بھری عورتوں کی اُمید وارانہ اصطلاح تھی۔ کہ اس مختصر جماعت کا نام برات رکھ دیا۔

غرض فرخ اپنی گاڑی سے اُترا۔ کیونکہ وہ گاڑی ہی پر تھا۔ مہدی اور فرخ کے تمام آشنا اور عزیز دوست و اقارب جو ہمراہ تھے گاڑیوں سے اُتر اُتر کر کوٹھی میں جا کے بیٹھے۔ سب لوگ باتوں میں مشغول ہو گئے۔ مہدی اس جماعت میں ایک ایسا شخص تھا۔ جس کی اکثر اُمیدیں فرخ کی اصلاح پر منحصر تھیں۔

مہدی دل میں کہنے لگا "خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج میں

اپنی کوششوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ دیکھ رہا ہوں۔ فرخ کے خیالات بہت بدل جائیں گے۔ خدا نے چاہا تو اس کا وہ جوش بھی کم ہو جائے گا۔ مگر ایک بات ہے۔ فرخ کے بالکل خلاف شادی کی گئی ہے۔ کہیں وہی نتیجہ نہ ہو جو عموماً اس ملک کی شادیوں کا ہوا کرتا ہے۔ میاں بیوی میں موافقت نہ ہوئی تو کہیں ٹھکانہ نہ لگے گا۔ اس امر کی طرف سے مجھے بہت کھٹکا ہے۔ خدا ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرخ کے مزاج کے آزمانے پر میں ایک معصوم اور نازنین لڑکی کی دنیا خراب کرنے والا قرار پاؤں۔"

مہدی گو بظاہر لوگوں کی طرف متوجہ تھا۔ مگر دل میں یہ خیالات گزر رہے تھے۔ ان خیالات نے یہاں تک ترقی کی کہ اُس کے چہرے سے کچھ حسرت کے سے آثار نمایاں ہونے لگے۔

ادھر محل سرا میں دُلہن اُتاری گئی۔ اُترتے ہی بڑی اللہ آمین سے تمام بیگموں نے اپنے حلقے میں کر لیا۔ دُلہن کو فرخ کی ماں تو اپنی بیوگی کے باعث نہ اُتار سکی۔ مہدی بیگم نے گود میں اُٹھا کے مسند پر لا کر بٹھا دیا۔

مبارک سلامت کا غل ہوا۔ سبھوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق رونمائی دی اور دُلہن کے بھولے اور پیارے مکھڑے کی جھلکیاں دیکھیں جو خانگی رسمیں عام طور پر ہوا کرتی ہیں ادا کی گئیں۔

ان امور سے فراغت کر کے سب معزز بیگمیں دلہن کے آس پاس قرینے سے بیٹھ گئیں۔ اور آپس میں باتیں کرنے لگیں۔

حسینی بیگم:۔ "خدا کو یہ دن دکھانا منظور تھا۔ نہیں تو کہاں فرخ اور کہاں یہ دن۔ اس کی کچھ اُمید تھی؟ فقط اسکی کبریائی کا صدقہ ہے"۔

فرخ کی ماں:۔ "اے ہاں کیا؟ امید تھی"۔

امراؤ بیگم:۔ "اب تو خدا ساری اُمیدیں بر لایا۔ یہ ذکر جانے بھی دیجئے"۔

فرخ کی ماں:۔ "ہاں خدا تم سب کو مبارک کرے۔ اب مہدی بیگم ذرا ہٹ کے بیٹھو۔ دلہن کو گرمی معلوم ہوتی ہوگی"۔

مہدی بیگم:۔ (اپنی جگہ سے کھسکتے ہوئے) "اللہ کرے ان کے بچے کھلائیے"۔

حسینی خانم:۔ (دلہن کو جھلتے جھلتے پنکھا روک کر) "آمین آمین، خدا کرے نویں مہینے بیٹا ہو"۔

خوشی کا زمانہ بہت مختصر ہوا کرتا ہے۔ مبارک گھڑی بات کی بات میں گزر جاتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر غم کا اثر خوشی کے اثر سے زیادہ پڑتا ہے۔ غم کی حالت میں زمانے کا ہر چھوٹے سے چھوٹا حصہ انسان کو ایک صدمہ دیکر گزرتا ہے۔ اور اپنی یاد دلاتا جاتا ہے۔ اور خوشی میں بخلاف اس کے زمانے کے حصوں پر نظر ہی نہیں پڑتی۔ یا تو وہ اپنی خوشی کی یادگاریں نہیں چھوڑتے۔ یا انسان کی طبیعت فطرتاً خوشی کی یادگاروں کو بھلا دینے والی بنیاد کی گئی ہے۔ خوشی کے زمانے کے اجزا اپنی یادگاریں تو چھوڑتے ہیں۔ مگر ہم

کو نہیں یاد رہتیں۔ بہر حال رنج و راحت میں یہ غم کا دو بالا کرنے والا فرق ہے۔ کاش زیادہ نہیں تو ہم اپنی خوشیوں سے اتنا ہی حظ اُٹھا سکتے، جتنا اپنے رنجوں سے صدمہ اُٹھاتے ہیں“

غرض باتوں باتوں میں یہ خوشی کا دن تمام ہوا۔ اور وہ رات آپہنچی جس کی لوگوں کو بڑی تمنا ہوا کرتی ہے۔ یہ رات بڑی دیر میں آیا کرتی ہے۔ اور دنیا والوں کو بڑے انتظار کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ شاید یہ دن زیادہ تر اس وجہ سے گزر گیا کہ فرخ کو کچھ انتظار نہ تھا۔ بلکہ دل میں خوف تھا کہ دیکھئے رات کو کیا گزرتی ہے۔

ہمارے ناظرین کو یہ بالکل نہ معلوم ہوگا۔ کہ دلہن کے دل میں اسوقت کیا خیالات گزر رہے تھے۔ ناظرین یا تو اس قدر جانتے ہیں کہ شہزادی ایک بھولی لڑکی تھی۔ اُس کے چہرے کے کچھ کچھ آثار کسی کسی موقع پر دیکھ پائے ہیں۔ اسکے خیالات جو کچھ دریافت ہو سکتے ہیں۔ وہ انہیں آثار سے۔ اسوقت تو وہ اپنا منہ بھی گھونگھٹ میں چھپائے ہوئے ہے ورنہ چہرہ ہی دیکھکر ہم کوئی نتیجہ نکالتے۔

آخر فرخ محل سرا میں بلایا گیا۔ مہدی نے گویا ڈھکیل ڈھکیل کے بھیجا۔ خاندان کی وہ نو عمر عورتیں جو فرخ کی ہم سن تھیں اس کو اوپر کے کمرے میں لے گئیں۔ کمرے میں فرخ کے داخل ہونے سے پہلے وہ عورتیں جو شہزادی کا دل بہلانے کے لئے وہاں بیٹھی تھیں۔ دوسرے دروازے سے نکل گئیں۔ اور دلہن کو تنہا چھوڑ گئیں۔ فرخ نے کمرے کے دروازے پر

پہنچ کے دل میں کہا۔" اچھا آؤ اس معصوم لڑکی کی صورت تو دیکھ لوں۔ جسے قدرت نے میرے ساتھ زندگی خراب کرنے کے لئے بھیجا ہے۔"
یہ کہہ کر چلمن اُٹھائی اور کمرے میں داخل ہوا۔

فرخ نے کمرے میں جا کے دیکھا کہ ایک سراپا حجاب دوشیزہ لڑکی ہر طرف سے اپنے بدن کو دوپٹے سے چھپائے مسہری پر ایک بھولے پن کی ادا سے لپٹی ہوئی ہے۔ فرخ نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ سوا اس فرش کے جو زمین پر بچھا ہوا تھا۔ تخت یا پلنگ کی قسم سے بیٹھنے کے قابل کوئی چیز نہ تھی۔ اس کی جرأت نہ پڑی کہ دلہن کی مسہری پر جا کے بیٹھے۔ زمین ہی پر بیٹھ گیا۔ فرخ بہت دیر تک اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے کچھ عجب بے تابی کی نگاہ سے دُلہن کو دیکھا کیا۔

تنہائی کا مقام تھا۔ دوسرے یہ موقع کچھ ایسا تھا کہ فرخ کو خدا جانے کیا کیا باتیں یاد آگئیں۔ دل میں کہنے لگا۔

"ہائے! اس ...ی نا سمجھ لڑکی کی ماں نے اس سے کتنی بڑی عداوت کی جو میرے ساتھ بیاہ دیا۔ افسوس! اس کی قسمت مجھ سے بھی زیادہ خراب ہے۔ میں اور نہیں تو خیال جاناں ہی سے دل بہلا لیتا ہوں۔ مگر یہ غریب اس سہارے سے بھی محروم ہے۔ ہائے! میری پیاری معشوقہ۔ جس دل میں تیری یاد رہے۔ اس کے پہلو میں دوسری عورت بٹھلائی جائے! اب مجھے دہلی آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیوں چلا آیا؟ نہ آتا تو مہدی کیا کر لیتا؟ وہ جو عشق میں از خود رفتہ ہوئے اُن کے ساتھ

زمانے نے ہمیشہ یہی کیا کہ زنجیروں میں قید کیئے گئے۔ مگر مجھے یہ عجیب طرح کی قید نصیب ہوتی ہے۔ بھلا ایسی شادی کہیں میاں بیوی میں موافقت پیدا کر سکتی ہے؟"

فرخ کا سلسلۂ خیال کسی طرح موقوف ہونے کو نہیں آتا تھا۔ دیر ہو گئی۔ دلہن کی بھی اُسی شرمائی وضع میں آنکھ لگ گئی تھی۔ عالم خیال ایسا دل فریب ہوتا ہے کہ کچھ معلوم نہیں ہوتا اور زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں فرخ نے دیکھا کہ شمع کی صورت اُتر چلی۔ "ایں ابھی سے! شاید میرے دل کی حسرت نصیبی کے اثر سے اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ مگر نہیں۔ دیکھو کوّے بھی تو بول رہے ہیں"۔ چلمن ہٹا کے دیکھا تو صبح صادق طلوع ہو چکی تھی۔ خالی شمع ہی نہیں تاروں کی مایوسانہ صورت کچھ شمع سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ آسمان حسرت نصیبوں کا چہرہ ہو رہا تھا۔ ہوائے سرد کے جھونکے دلوں کو اور بے تاب کئے دیتے تھے۔

فرخ دل میں کہنے لگا "ایں! بالکل صبح ہو گئی! اب دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ شاید ناموافقتی ظاہر ہونے کی گھڑی شروع ہوا چاہتی ہے۔ بڑی بدنامی ہو گی۔ آؤ اس بھولی لڑکی کے مزاج کا کچھ اندازہ کروں۔ بن پڑے تو سمجھا بجھا کر اسے اپنا ہمدرد بنا لینا چاہیئے۔ اگر یہ موافق ہو گئی تو بڑی خوب صورتی سے ساری دقتیں اُٹھ جائیں گی۔ بس اب کوئی ترکیب ہے تو یہی"۔ یہ کہہ کر مسہری پر جا کے بیٹھ گیا۔

فرخ نے دُلہن کا منہ کھول کے دیکھا۔ ہاتھ لگاتا تھا۔ کہ دُلہن کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ایک پیاری ادا سے اپنے منہ کو فوراً چھپالیا مگر جب تک دُلہن اپنے منہ کو چھپائے چھپائے فرخ نے دیکھ ہی لیا۔ چہرے کی ایک ہی جھلک دیکھنا تھا کہ فرخ کے خیالات ایکدم پلٹ گئے دم بخود ہو کے رہ گیا اور کہنے لگا۔

"ایں یہ کیا ماجرا ہے؟ یہی میری پھوپھی کی بیٹی ہے؟ یہ صورت تو مجھے ازخود رفتہ کئے دیتی ہے! اس صورت میں کیا بات ہے کہ دل بے اختیار ہو گیا ہے! چہرہ کس قدر مشابہ ہے! وہی تو نہیں؟"